اَساسُ المَنطِق

شرح

(مکمل)

تَیسِیرُ المَنطِق

اساس المنطق

شرح تیسیر المنطق

مصنفہ حضرت مولانا حافظ عبد اللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز قدوۃ العلماء فخر المحدثین

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

بقلم محمد سیف الرحمان قاسم

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مع حاشیہ قدیمہ "تسہیر المنطق"

از حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

وحاشیہ جدیدہ "تفسیر المنطق"

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

طبع دوئم

نام کتاب ------ اساس المنطق شرح تیسیر المنطق

تصنیف ------ محمد سیف الرحمان قاسم

تعداد طباعت ------ ایک ہزار

کمپوزنگ ------ الشریعہ کمپوزرز' مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ' گوجرانوالہ' فون ۲۱۹۶۶۳

قیمت ------

تاریخ طباعت ------ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ بمطابق نومبر 2011ء

ملنے کے پتے

فہرست

عنوان	صفحہ
تعارف کتاب	۷
پیش لفظ	۹
تقریظات	۱۱
تصورات کی بحث	
سبق اول: علم کی تعریف اور اس کی قسمیں	۱۷
علم کے مختلف معانی	۱۸
تصور وتصدیق کا بیان	۲۱
سبق دوم: تصور وتصدیق کی قسمیں	۲۳
بدیہی شرعی یعنی ضروریات دین کی وضاحت	۲۵
سبق سوم: نظر وفکر منطق کی تعریف ومنطق کی غرض وموضوع	۲۷
دینی تعلیم کے طریقہ تدریس کی اصلاح	۲۸
تعریف اور دلیل میں غلطی کی آسان مثالیں	۳۲
معجزہ کی غرض وغایت کی بابت اہم نکتہ	۳۴
منطق سے وحشت دور کرنے کا طریقہ	۳۵
سبق چہارم: دلالت ووضع اور دلالت کی قسمیں	۳۷
دال مدلول اور مدلول علیہ کی وضاحت	۳۸
لفظ اہل حدیث پر تبصرہ اور لفظ دیوبندی پر اعتراض کا جواب	۳۹
اہل حدیث وصف یا علم	۴۱
دلالت کی مختلف اقسام کی مثالیں قرآن وحدیث سے	۴۲
دلالت کی وضاحت لطیفوں سے	۴۳
سبق پنجم: دلالت لفظیہ وضعیہ کی قسمیں	۴۷
دلالت تضمنی اور التزامی کی وضاحت آسان مثالوں سے	۴۸
دلالت تضمنی کی وضاحت ریاضی کے اصول سے	۴۹
دلالات ثلاث کا استعمال خاصیات ابواب میں	۴۹
سبق ششم: مفرد ومرکب	۵۳

لفظ اہل حدیث کب مفرد کب مرکب ۵۵
دیوبندی سے مراد ۵۵
سبق ہفتم: کلی و جزئی کی بحث ۶۰
سبق ہشتم: حقیقت وماہیت شے کی بحث اور کلی کی قسمیں ۶۴
لفظ ناطق کی مفصل بحث ۶۴
ماہیت وعوارض میں فرق ۶۷
ایمان کی حقیقت ۶۸
سبق نہم: ذاتی وعرضی کی قسمیں ۷۲
جنس، نوع، فصل کی وضاحت کے لیے آسان نقشہ ۷۵
خاصہ اور فصل کا فرق ۷۶
خواص الوہیت کا بیان ۷۹
خدا تعالیٰ اور بندے کے سمیع بصیر ہونے کا فرق ۸۱
ذاتی عطائی کی بحث ۸۱
نبی علیہ السلام کے خاص فضائل ۸۲
شان رسالت کے بارہ میں علماء دیوبند کا عقیدہ ۸۳
سبق دہم: اصطلاح ما ھو کا بیان ۸۵
مطالب اربعہ اور ان کے معانی ۸۵
تمام مشترک کی وضاحت کے لیے آسان مثالیں ۹۱
بشرط شے، لا بشرط شے، بشرط لا شے کی وضاحت ۹۲
سبق یازدہم: جنس اور فصل کی قسمیں ۹۴
جنس اور فصل کی اقسام کی وضاحت آسان مثالوں سے ۹۶
فصل قریب وفصل بعید کو جاننے کا فائدہ ۹۸
ایمان کے بنیادی تقاضے ۹۸
مشہور فرقوں کا مختصر تعارف ۱۰۰
مختلف فرقوں کے خواص کا بیان ۱۰۱
علماء دیوبند کے خواص ۱۰۹
مسلک علماء دیوبند کی قدامت ۱۱۳
غیر مقلدین کے نیا فرقہ ہونے کا ثبوت ۱۱۳

لفظ دیوبندی پر اعتراض کا جواب ۱۱۴
مسلک دیوبند کا خلاصہ اور بنیادی اصول ۱۱۶
اسلامی نظام کا تقابلی جائزہ ۱۲۱
حقوق نسواں کا بیان ۱۲۷
سبق دوازدہم : دو کلیوں میں نسبتوں کا بیان ۱۳۱
باجماعت نماز میں قاری اور امام کے درمیان تساوی ہے ۱۳۲
خدا کے برابر کسی کو جاننا چمار کو بادشاہ بنانے سے زیادہ برا ہے ۱۳۳
نسبتوں کی وضاحت دائروں میں ۱۳۵
لفظ شیعہ، لفظ بریلوی کے معانی اور نسبتیں ۱۳۹
لفظ دیوبندی کے معانی اور نسبتیں ۱۴۰
اہل حدیث کے معانی اور نسبتیں ۱۴۰
حدیث نبوی کے مقابل کسی امتی کا قول نا معتبر ۱۴۱
لفظ اہل حدیث کی تاریخ ۱۴۳
لفظ محمدی پر تبصرہ (حاشیہ) ۱۴۴
سبق سیزدہم : معرف اور قول شارح کا بیان ۱۴۸
ایمان کی تعریف اور منکرین حدیث کا کفر ۱۵۱
کفر کی تعریف اور مرزائیوں کے کافر ہونے کی وجوہات ۱۵۳
شرک کی تعریف اور ذاتی عطائی کی مفصل بحث ۱۵۴
لوازم الوہیت کی بحث ۱۵۹
معجزات مسیحؑ کی بحث ۱۶۱
تقلید کی تعریف اور اس کے مقامات ۱۶۳
سنت کی تعریف ۱۶۷
بدعت کی تعریف ۱۶۸
تصدیقات کی بحث ۱۷۲
سبق اول : حجت کی بحث ۱۷۲
دلیل کی دو بنیادی شرطیں ۱۷۲
سبق دوم : قضیوں کی بحث ۱۷۵
قضیہ حملیہ کی چند صورتیں ۱۷۶
ترکیب منطقی کی مثالیں اور قواعد ۱۷۷

قضیہ طبعیہ کی مثالیں قرآن پاک سے ۱۸۳
قضیہ کے محصورہ مہملہ وغیرہ ہونے میں صرف موضوع کا اعتبار ہے ۱۸۴
لفظ کل سے علم غیب پر استدلال کا جواب ۱۸۷
لفظ مَنْ اور مَا کی تحقیق ۱۸۸
لفظ مِنْ کے معانی ۱۸۹
سلب عموم اور عموم سلب کا فرق ۱۹۶
قضیہ مہملہ کی مثالیں ۱۹۶
بحث الموجہات ۲۰۱
اس کی مثالیں قرآن وحدیث سے ۲۰۲
وصف عنوانی کا ذکر ۲۰۴
کان فعل مضارع پر آئے تو ماضی استمراری کے لیے نص قطعی نہیں ۲۰۷
رفع یدین کی مرکزی مفصل روایت کا حال ۲۰۸
ممکنہ کی بحث ۲۱۰
سبق سوم : قضیہ شرطیہ کی بحث ۲۱۶
شرطیہ منفصلہ کو شرطیہ کہنے کی وجہ ۲۱۷
منطق میں دو جملوں کے مرکب ہونے کی صرف دو صورتیں کیوں ۲۱۷
جملہ شرطیہ اور قضیہ شرطیہ میں وجوہ فرق ۲۱۸
ادوات شرط کی مفصل بحث ۲۱۹
شرطیہ منفصلہ کی بحث ۲۲۵
قضیہ شرطیہ کی قرآن پاک سے مثالیں بمع ترکیب منطقی ۲۲۶
مافوق الاسباب، ماتحت الاسباب کا فرق ۲۲۹
مسئلہ تقدیر کی بحث ۲۳۲
چند اتفاقیات جن کو مفسد لوگ بطور لزومیہ پیش کرتے ہیں ۲۳۶
آنحضرت ﷺ کو ملک الموت وغیرہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۲۳۸
مولف انوار ساطعہ کی غلطی ۲۳۹
براہین قاطعہ کی عبارت کی توضیح ۲۴۰
نبی علیہ السلام کی احادیث اور سنتیں صرف صحابہ کے ذریعہ پہنچی ہیں ۲۴۱
قضیہ منفصلہ کی صورتیں اور مثالیں ۲۴۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

زیر نظر کتاب اساس المنطق استاد محترم مولانا سیف الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ اس کا پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے۔ استاذِ مکرم دو چیزوں میں بہت فکر مند رہتے ہیں: ایک طلبہ کی علمی استعداد کا فقدان' دوسرا اپنے مسلک سے ناواقفیت۔ اس مقصد کے لیے صرف ونحو کے میدان میں کام شروع کر دیا تھا۔ دورۂ صرف جن طلبہ نے ان کے پاس پڑھا ہوگا' وہ اس کی شہادت دیتے ہیں کہ نہایت قلیل وقت میں اچھی بھلی استعداد پیدا ہو جاتی ہے بلکہ طالب علم میں فن کی بڑی کتابوں مثلاً" شافیہ' مفصل اور کتاب سیبویہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

زیر نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ موصوف نے اس سے قبل مرقات کی نہایت مختصر اردو شرح شروع کی تھی مگر کسی مجبوری سے وہ پوری نہ ہو سکی۔ تیسیر المنطق کو اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کتاب طلبہ اور طالبات دونوں کے نصاب میں داخل ہے۔ موصوف کا مقصد صرف منطق کے مسائل کو حل کرنے کی حد تک نہیں ہے بلکہ طالب علم کو باہر پیش آنے والی مشکلات سے آگاہ کرنا اور اس کو اپنے معتدل اور جامع مسلک کا صحیح تعارف کرانا ہے تا کہ باہر کسی کے سامنے ہمارا طالب علم گونگا نہ رہے۔ مصنف اس مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ اس کا اندازہ ان شاء اللہ آپ خود ہی لگائیں گے۔ میری ناقص معلومات کا جہاں تک تعلق ہے' اس موضوع پر اس انداز کی کوئی دوسری کتاب میری نظر میں نہیں آئی۔

اس زمانہ میں اردو شروحات وحواشی کی بھرمار ہے مگر موصوف کی اس شرح کا انداز ہی نرالا ہے۔ زیادہ کیا بتاؤں' قارئین خود ہی اندازہ لگالیں گے۔

میں مسلک اہل حق کے خیر خواہوں سے امید رکھتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھیں اور طلبہ کو اس سے روشناس کرائیں۔ اگرچہ کتاب کی ضخامت کافی بڑھ گئی ہے مگر اس کے باوجود اس بات کی ضرورت ہے کہ موصوف منطق کی کسی اور بڑی کتاب پر قلم اٹھائیں اور ہر قسم

کے مسائل کی تفہیم اور ان کا اجراء اپنے انداز میں پیش کریں۔

میں ان سے گزارش کروں گا کہ کچھ وقت نکال کر طلبہ کو اس کا دورہ بھی کروائیں تا کہ وہ اس کتاب میں دی ہوئی تمرینات حل کریں اور دیگر مسائل کو وہ کما حقہ سمجھ سکیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے لیے اس کو دنیا و آخرت میں ترقی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اس سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

فقط عنایت الرحمٰن بالاکوٹی
متعلم درجہ ثالثہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اس زمانہ میں دینی تعلیم کے خلاف دو قسم کے فتنے ابھرتے جا رہے ہیں۔ ایک ان لوگوں کی طرف سے جو کھلم کھلا مدارس کے دشمن ہیں اور دوسرا داخلی فتنہ ہے۔ یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جو مدارس کو بنانے والے' ان کو چلانے والے' ان کا دفاع کرنے والے ہیں۔ ان کی بڑی تعداد اپنے نظام تعلیم کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہے بالخصوص منطق اور فلسفہ وغیرہ عقلی علوم سے بیزار ہوئے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس کی کثرت کے باوجود ذی استعداد مدرس نایاب ہو رہے ہیں۔ اکابر علماء نے ہمیشہ اس نظریہ کی تردید کی ہے۔ جن اکابر نے منطق کی مخالفت کی ہے' وہ صرف اس کے بے جان طرز تدریس کی مخالفت کی ہے ورنہ ان کی کتابوں میں بھی یہ اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔

راقم الحروف نے زیر نظر کتاب میں باطل فرقوں کا رد کیا ہے اور مسلک علماء دیوبند کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ نہیں ہے۔ اگرچہ تصحیح کی حتی الامکان کوشش کی ہے مگر کاتب کی غلطی کے علاوہ خود مجھ سے غلطی کا صدور کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ غلطی نظر آئے تو الدین النصیحۃ کے تحت اطلاع فرمائیں۔ بعض حضرات نے راقم کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تقریظیں عطا فرمائیں ہیں۔ میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ان حضرات نے صرف بعض مقامات ہی دیکھے ہیں۔ اس لیے کسی غلطی کی نسبت ان حضرات کی طرف نہیں ہوگی۔

ممکن ہے بعض حضرات ہماری تحریر کو سرسری سا دیکھ کر فرقہ واریت پر محمول کریں حالانکہ ابتدا دوسروں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہمارے اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ ہم انہیں برا کہتے ہیں بلکہ اس کی وجوہات ہم نے مفصل تحریر کر دی ہیں لیکن میں اپنے مسلک کے بارے میں ان کے نظریات کو مختصر طور پر پیش کر دینا بہتر سمجھتا ہوں۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں۔ "غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ' ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے' ان کے کفر میں بھی شبہ نہیں" (حسام الحرمین ص ۱۳۱ وفتاویٰ افریقیہ ص ۱۲۸) "دیوبندیوں

کے بارے میں مسلمانوں سے آخری اپیل جو انہیں کافر نہ کہے جو ان کا پاس لحاظ رکھے جو ان کے استادوں یا رشتے یا دوستی کا خیال کرے وہ بھی انہیں میں سے ہے' انہی کی طرح کافر ہے۔ قیامت میں ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔" (فتاویٰ افریقیہ ص ۱۲۰)

مشہور غیر مقلد عالم حکیم محمد اشرف سندھو لکھتے ہیں۔ "دیوبندیوں میں آئے دن توحید مفقود اور سنت سے نفرت وعداوت بڑھ رہی ہے" (نتائج التقلید ص ۱۰۱) "حضرات علماء دیوبند کا ترجمہ قرآن وحواشی وتفسیر اور کتب حدیث کی طباعت اور حواشی وشروح وغیرہ یہ سب کچھ ایک فراڈ یا نمائش اور ڈھونگ ہے گویا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کا مجسم نمونہ ہیں یا یوں سمجھئے کہ یہ پورا تانا بانا اپنے حنفی عوام کو مطمئن اور خوش رکھنے اور رؤساء وتجار وغیرہ سے چندہ ونذرانہ وصول کرنے کا ایک بہانہ اور ڈھونگ ہے" (نتائج التقلید ص ۱۰۲)

یہ کتاب اگرچہ تیسیر المنطق کی شرح ہے لیکن امید ہے کہ منطق کی تمام کتابوں کے طلبہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ اس لیے اس کی ضخامت مضر معلوم نہیں ہوتی۔ تالیف کے دوران جو مضمون سمجھ میں آ گیا' جمع کرتا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ مضمون اوجھل ہو جائے اور پھر دوبارہ ذہن میں نہ آئے۔ اور اب تیسیر المنطق کے طلبہ کی استعداد کے مطابق اس کا ملخص کوئی زیادہ مشکل کام نہیں ہوگا۔

اس حصہ کی طباعت پر رب کائنات کا انتہائی شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ اس کے دوسرے حصہ کی اشاعت بھی آسان فرمائے جو تناقض کی بحث سے آخر کتاب تک کی شرح ہے۔

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے میری تعلیم کا ذریعہ بنایا بالخصوص میرے تمام اساتذہ کرام دامت برکاتہم العالیہ' میرے والدین' اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہم پر قائم دائم رکھے۔ رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا میرے بڑے بھائی محترم حاجی محمد انور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ جنہوں نے اس ناچیز کو مدرسہ میں داخل کروایا اور باقاعدہ سرپرستی فرماتے رہے اور میرے عزیز بھائی جناب حاجی عطاء الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ ووفقہ لما یحبہ ویرضاہ جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں برکات عطا فرمائے' آمین۔

فقط محمد سیف الرحمٰن قاسم

۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ بروز ہفتہ

۱۰۔ اگست ۱۹۹۶ء

تقریظ استاذ العلماء فقیہ الزمان حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی وحضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تیسیر المنطق" سے متعلق جناب حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدظلہ مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی اردو شرح کے بعض صفحات دیکھنے کا موقع ملا۔ نہایت مفصل اور مدلل شرح ہے جو اہل علم کے لیے بھی یقیناً فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ موصوف نے بڑی محنت سے متعلقہ مضمون کے لیے قرآنی آیات، احادیث اور اکابر کے کلام سے امثلہ پیش کرنے کا جو انداز اختیار کیا ہے، اس سے یہ شرح بے حد مفید ہو گئی ہے۔ پھر دوران شرح حضرات اکابر کی عبارات کی منطقی تشریح اور اسلامی عقائد کے تذکرہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ اس طرح یہ شرح ایک علمی کتاب بن گئی ہے جس سے نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کرام بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولف موصوف کی اس کاوش کو قبول عام و تام عطا فرمائیں اور ان کو جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین

مشورہ مفیدہ: تیسیر المنطق ابتدائی طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں ذکر کردہ منطقی اصطلاحات وامثلہ میں بھی ان کے اذہان کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس ابتدائی درجہ کے طلبہ عمر اور ذہن کے لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے سامنے طویل ابحاث (چاہے وہ کتنی ہی مفید ہوں) پیش کی جائیں۔

اس سے اصل مقصد فوت ہونے کے ساتھ ذہن کے مشوش ہونے کا بھی خطرہ ہے اس لیے اگر اس درجہ کے طلبہ اس کتاب کو پڑھیں تو پھر صرف اس شرح کی مثالیں اور حل کتاب کی حد تک کی شرح ہی کافی ہے، تطویل سے طلبہ کو نفع مشکل ہے۔ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم

اس کتاب میں جو مشکل اور دقیق مثالیں درج ہیں، اسی طرح جو تفصیلی تشریح ہے اس کو اگلے درجات کے طلبہ کے لیے رکھا جائے، ابتدائی درجہ کے لیے مشکل مثالیں طلبہ کے ذہن کے لیے مناسب نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ابتدائی درجہ میں ان مثالوں میں

تسہیل کا خیال رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جوں جوں طلبہ کی استعداد بڑھتی جائے گی' مشکل مثالوں کے متحمل ہوتے چلے جائیں گے۔

احقر سید عبد القدوس ترمذی
۲ جون ۱۹۹۶ء

فقط عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
جامعہ حقانیہ' ساہیوال' سرگودھا
۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

تقریظ حضرت مولانا قاری ظفر اقبال صاحب مدرس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم صاحب کا تحریر کردہ مسودہ تیسیر المنطق کے سبق نمبر ۴' ۵ پر مشتمل دیکھنے کا موقع ملا جو احقر کو مولانا احمد دین صاحب خطیب ڈسٹرکٹ ہسپتال جہلم کی وساطت سے موصول ہوا تھا۔ یہ کتاب وفاق المدارس کے نصاب میں داخل ہونے کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے اور ہر طالب علم مدارس عربیہ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس کی زبان اردو ہے تاہم جس طرح باوجود اردو زبان ہونے کے استاذ کی راہنمائی ضروری ہے اسی طرح شرح کی ضرورت بھی یقیناً ہے۔

شارح موصوف نے قدرے ضرورت بعض مقام کو جو جدید مثالوں کو واضح فرمایا' اس سے اس کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

تحریر کو دیکھ کر یہ امر بخوبی عیاں ہوا ہے کہ شارح موصوف فنوں پر خاصی نظر رکھتے ہیں جیسا کہ لفظ اہل حدیث کی تشریح کی ہے۔ یہ علمائے کرام کے لیے بہت ضروری امر ہے اور اس سے طلبہ کو روشناس کرانا مدرسین کرام کا فرض منصبی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین بحرمہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

راقم الحروف القاری ظفر اقبال
مدرس جامع حنفیہ تعلیم الاسلام شعبہ کتب' مدنی محلہ' جہلم

تقریظ استاذ العلماء حضرت مولانا جمال احمد صاحب مدظلہ فاضل مظاہر العلوم سہارنپور مفتی دار العلوم فیصل آباد

محترم مولانا ــــــــــــــــــ

آپ کے رسالہ کو سرسری نظر سے دیکھا رسالہ کا اسلوب جدید اور عمدہ پایا۔ سمجھانے کا انداز سلیس ہے اور سہل الافادہ ہے۔ طلبائے منطق کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ مفید اور نفع بخش ہے' قوانین کے اجراء اور ترکیب کے لیے قرآنی آیات کو پیش کیا گیا جس سے طلباء کو منطق سمجھنے میں مدد ملے گی دعاء ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کی سعی کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔

جمال احمد' دار الافتاء
دار العلوم فیصل آباد
۴ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
۲۱۔۶۔۹۶ء

تقریظ عمدۃ المدرسین حضرت مولانا عبد القدوس صاحب قارن مدظلہ استاذ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

باسمہ تعالیٰ

محترم و مکرم حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

بندہ نے آپ کا تحریر کردہ منطقی مسائل پر مسودہ اول تا آخر بغور پڑھا۔ ماشاء اللہ آپ کی محنت قابل داد اور منطقی مسائل کو آسان فہم مثالوں کے ساتھ جس انداز میں آپ نے واضح کیا اور دلچسپ بنایا ہے' یقیناً یہ انداز طلبہ کو علم منطق کی جانب راغب کرنے کا بہترین انداز ہے۔ اس دور میں طلبہ علم منطق کو غیر ضروری فن اور مشکل سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں جس کی وجہ سے علمی انحطاط دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر آپ مدارس کے ذمہ دار حضرات اور بالخصوص وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے با اختیار حضرات سے رابطہ کر کے اس کو نصاب کی حیثیت سے شامل کروالیں تو یہ آپ کا اور وفاق المدارس العربیہ کے با اختیار

حضرات کا طلبہ پر عظیم احسان ہوگا۔ آپ اس کو نصاب میں شامل کروانے کی کوشش کریں
ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

فقط والسلام
عبد القدوس قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۵ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

تقریظ استاذ العلماء فخر المدرسین حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

مبسملا ومحمدلا ومصلیا ومسلما

تیسیر المنطق علم منطق کی ابتدائی کتاب مصنفہ حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب گنگوہیؒ جو کہ عرصہ دراز سے دینی مدارس کے نصاب میں ہے' اپنی افادیت اور جامعیت کے اعتبار سے بہت مفید کتاب ہے اور ابتدائی دور میں بقدر ضرورت اس پر حواشی تحریر کیے گئے۔

حاشیہ نمبر ۱ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ' حاشیہ نمبر ۲ استاذنا المکرم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ۔ مگر حالات کے ساتھ ساتھ مزید اس کی وضاحت اور تشریح کی ضرورت تھی۔ ماشاء اللہ وہ ضرورت مولانا سیف الرحمن صاحب زید مجدہم مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے پوری کر دی اور کتاب کی عبارت کی وضاحت و تشریح کے ساتھ بعض اہل بدعت اور فرق باطلہ کا رد بھی مدلل طریقہ پر کر دیا ہے جس سے طلبہ کی ذہن سازی ہوگی۔ اگر اساتذہ کرام اس کو بوقت تدریس اپنے مطالعہ میں رکھیں اور حسب ضرورت طلبہ کو ان مسائل سے آگاہ فرماتے رہیں تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ احقر نے بعض مقامات کا مطالعہ کیا' ماشاء اللہ بہت مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اصل کتاب کی طرح اس کی اس شرح کو بھی قبولیت عامہ نصیب فرماویں اور شارح کو اجر عظیم نصیب فرماویں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

فقط واللہ اعلم بالصواب
شیر محمد غفرلہ
خادم دار الافتاء جامعہ اشرفیہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ اس زمانہ میں عموماً طلبہ کی استعدادیں بہت ضعیف ہو گئی ہیں خصوصاً جو مضامین فہم سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو کما حقہ نہیں سمجھتے اور یہ حالت ابتدائی درجوں سے انتہائی سلسلہ تک ہے، اس میں تو شک نہیں ہے کہ اس کا سبب ضعف فہم واستعداد ہے لیکن اگر ابتدائی کتب صرف ونحو ومنطق خوب سمجھا کر یاد کرا دی جائیں تو اس ضعف کا بہت کچھ جبر نقصان ہو جاتا ہے۔ ابتدائی علوم میں صرف ونحو سے تو طلبہ کو کچھ مناسبت ہوتی بھی ہے اور اس کو سمجھ جاتے ہیں لیکن منطق ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق صرف ذہن اور فہم سے ہے اس لیے بہت کم اس سے مناسب ہوتی ہے اور نو آموز طلبہ کچھ نہیں سمجھتے۔ کچھ تو سمجھ کمزور محسوسات کے اندر الجھی ہوئی اور پھر فن بالکل نیا اور اس پر یہ اشکال کہ رسائل منطق سب غیر زبان کے کہ فارسی میں ہیں یا عربی میں۔ اب بچوں کا فہم متحیر ہوتا ہے کہ زبان کا اشکال رفع کرے اور مبتدا وخبر وفاعل کو سمجھے یا مضامین کو محفوظ کرے۔ اس ضرورت سے ضروری مسائل منطق کے اردو میں لکھے گئے اور ان کو رسالہ کی صورت میں لا کر تیسیر المنطق کے نام سے موسوم کیا، اور ان چند مبتدیوں کو خود اس احقر نے پڑھایا تو نہایت مفید و نافع پایا کہ رسائل منطق فارسی وعربی کے اس کے ذریعہ سے بالکل سہل ہو گئے، لیکن بوجہ کم استعدادی و بے بضاعتی کے اس پر اعتماد نہ ہوا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے، یہ صحیح ہو اس لیے کو تصحیح کے لیے سیدی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب[۱] مفتی ریاست مالیر کوٹلہ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت مولانا ممدوح نے اس ناچیز تحریر کو پسند فرمایا اور احقر کی عزت افزائی فرمائی اور جا بجا اس میں اصلاح و ترمیم فرما کر آخر میں تصدیق و تقریظ کے طور پر چند کلمات بھی تحریر فرمائے جو تبرکاً اس رسالہ کے آخر میں نقل کیے ہیں، امید ہے کہ حضرات مدرسین مدارس عربیہ اس کو قبول فرما کر طلبہ کو اس کی طرف متوجہ فرمائیں

۱۔ حضرت مولانا قصبہ انبیٹھہ ضلع سہارنپور کے متوطن تھے، حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مجاز بیعت تھے، بڑی بڑی خصوصیتوں والے بزرگ تھے، درجہ ابتدائی کی تعلیم سے خاص تعلق اور مہارت تامہ تھی، مدرسہ عالیہ دار العلوم دیوبند اور مدرسہ عالیہ دیوبند اور مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور کے درجہ ابتدائی کے سرپرست تھے، کثر اللہ فینا امثالہ۔ ۱۲

گے اور جو کچھ غلط و سہو اس میں پاویں، احقر کو مطلع فرمائیں تا کہ طبع ثانی کے وقت اس کو درست کر دیا جائے۔

احقر محمد عبد اللہ گنگوہی

مکتوب[1] فاضل نوجوان مولانا محمد حذیفہ صاحب ملتانی حفظہ اللہ فاضل دار العلوم کراچی،

حسبی اللہ

بخدمت اقدس جناب استاد محترم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ بندہ نے الحمد للہ آپ کی مبارک اور پر علم کتاب کو ساہیوال پہنچتے ہی فورا" سپرد کیا تھا اور مفتی عبد القدوس صاحب ابن مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی نے حرفا" حرفا" اسے پڑھا اور حضرت ترمذی صاحب دامت برکاتہم کو میں نے چند مقامات سنائے حضرت نے بہت پسند فرمایا اور کہا کہ اچھا طریقہ اختیار کیا گیا ہے امثلہ کے پیش کرنے میں۔ البتہ چونکہ اس بے بہا خزانہ علمی کی نسبت ایک انتہائی ابتدائی کتاب کی شرح ہونے کی ہے اس لیے ابتدائی طلبہ کے لیے بعض گزارشات حضرات نے لکھ دی ہیں جو کہ حضرت کے پیڈ میں مذکور ہیں۔ کاش کہ اس کی نسبت کسی اہم کتاب کی طرف ہوتی جس کی وجہ سے اس کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

اور الحمد للہ ہمیں اب معلوم ہو رہا ہے کہ منطق بھی کوئی فن ہے اور بحث تناقض[2] میں تو آپ نے واقعی کمال ہی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ ورفیعہ وقیمہ سے ہم جیسے نااہلوں کو مستفید ہونے کی توفیق کامل عطا فرمائیں اور ان جواہرات سے ہمیں نفع حاصل کرنے پر بھرپور مدد فرمائیں۔

فقط العبد الضعیف محمد حذیفہ

---

[1] راقم الحروف نے مولانا کی وساطت سے کچھ صفحات حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کیے تھے اس کے بارے میں مولانا نے یہ خط تحریر فرمایا۔ [2] یہ بحث انشاءاللہ اگلے حصے میں آئے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

ترکیب : حَامِدًا منصوب ہے کیونکہ حال ہے۔ علامت نصب فتحہ ہے کیونکہ اسم مفرد منصرف صحیح ہے۔ اس کا ذو الحال اَنَا ضمیر ہے جو اَشْرَعُ یا اَقْرَأُ محذوف میں مستتر ہے۔

واوؔ حرف عطف مبنی علی الفتح ہے، لا محل لہ من الاعراب۔

مُصَلِّیًا منصوب ہے کیونکہ حال پر معطوف ہے۔ علامت نصب فتحہ ہے کیونکہ اسم منقوص ہے۔

ترجمہ یوں ہوگا: "اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، اس حال میں کہ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔"

سبق اول

علم کی تعریف اور اس کی قسمیں

علم [۱]: کسی شے کی صورت کا تمہارے ذہن میں آنا جیسے زید کسی نے بولا اور تمہارے ذہن میں اس کی صورت آئی، یہ زید کا علم ہے۔

حاشیہ: [۱] جیسے آئینہ کے سامنے جب کوئی چیز آتی ہے تو اس میں اس چیز کی صورت نقش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے ذہن میں بھی ہر چیز کی ایک صورت نقش ہو جاتی ہے، مگر آئینہ میں تو دکھائی دینے والی چیزوں ہی کی صورت آتی ہے، اور ذہن میں دکھائی دینے والی، چھوئی جانے والی، چکھی جانے والی، سنائی دینے والی، سونگھی جانے والی اور سمجھی جانے والی چیزوں اور باتوں کی صورت اور کیفیت بھی آ جاتی ہے، یہی ہر چیز کا علم ہے۔ دیکھو ہم ایک شخص کو دیکھ کر اس کی آواز سن کر یہ کہتے ہیں کہ زید نہیں عمرو ہے، اس واسطے کہ زید کے دیکھنے اور اس کی آواز سننے سے ہمارے ذہن میں جو صورت اور کیفیت آئی ہوئی تھی، وہ ایسی نہیں۔ ایسے ہی ناشپاتی کو دیکھ کر، چکھ کر، سونگھ کر، چھو کر ہم کہتے ہیں یہ سیب نہیں اس

واضح ہو کہ لفظ علم کئی معنوں پر بولا جاتا ہے۔ دو معنی مصنف نے ذکر کیے ہیں:
(۱) کسی چیز کے بارہ میں جو صورت بھی ذہن میں آئے خواہ محسوس ہو یا معنوی ہو مثلا آم کا میٹھا رس سن کر مٹھاس کی صورت ذہن میں آئی، یہ اس کا علم ہے۔
(۲) معنی مصدری یعنی شے کی صورت کا ذہن میں آنا جیسے آم کی صورت کا ذہن میں آنا۔

(۳) علم یقینی قطعی۔ اس وقت علم ظن کے مقابل ہوگا۔
قال تعالی ما لهم به من علم الا اتباع الظن
(۴) علم شرعی۔ قرآن میں جہاں بھی علم کی تعریف ہے اس سے مراد علم شرعی ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے قرآن و حدیث میں وارد علم کی فضیلت کو دنیوی علم پر محمول کرتے ہیں (۱)

لیے کہ سیب کے دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے سے جو صورت اور کیفیت ذہن میں آئی ہوئی ہے، وہ ایسی نہیں۔ اسی طرح کسی چیز کو میٹھا، کسی کو کھٹا، کسی کو سخت، کسی کو نرم، کسی کو سڑا ہوا، کسی کو خوشبو دار وغیرہ وغیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ میٹھے، کھٹے کے چکھنے، سخت اور نرم کے چھونے سے، سڑے اور خوشبو دار کے سونگھنے سے جو صورت اور کیفیت ذہن میں آئی ہوتی ہے، وہ ایسی ہے۔ غرض اس سے معلوم ہوا کہ دیکھنے، چھونے، چکھنے، سننے اور سونگھنے سے ذہن میں ایک صورت آ جاتی ہے، اسی طرح کسی بات کے سمجھنے سے بھی ایک صورت ذہن میں آتی ہے، یہی سب علم ہے۔ ج

لہ والتحقیق ان العلم یطلق علی المقسم للتصور والتصدیق وقد یطلق علی التصدیق المطلق و قد یطلق علی التصدیق الیقینی (رشیدیہ ص ۱۹ حاشیہ نمبر ۵)

قال الزمخشری فی الکشاف "(الا اتباع الظن) استثناء منقطع لان اتباع الظن لیس من جنس العلم" (الکشاف ج ۱ ص ۵۸۰)

قال نواب صدیق حسن خان "لان الظن واتباعه لیس من جنس العلم الذی هو الیقین الی ان قال قال ابو البقاء انه متصل لان العلم والظن یجمعهما مطلق الادراک (تفسیر فتح البیان طبع اول ج ۲ ص ۳۴۳) وفی شرح العقائد صلہ العلم عندهم مقابل للظن

(۱) قال الحافظ ابن حجر والمراد بالعلم العلم الشرعی الی ان قال ومدار ذلک علی التفسیر والحدیث والفقه (فتح الباری ج ۱ ص ۱۳۱) =

پھر علوم شرعیہ دو قسم پر ہیں: عالیہ، آلیہ

علوم عالیہ: وہ علوم جن سے براہ راست مسائل شرع کا علم ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم، حدیث نبوی شریف، فقہ اسلامی، علم تفسیر، علم اصول حدیث، اصول فقہ وغیرہ۔

علوم آلیہ: وہ علوم ہیں جن کے حاصل کرنے کے بعد علوم عالیہ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جیسے علم نحو، علم صرف، علم منطق۔ نحو وصرف کی ضرورت کا کوئی منکر نہیں علم منطق کا کیا فائدہ ہے؟ یہ آپ کو ان شاء اللہ اس کتاب سے سمجھ آ جائے گا۔

علم نافع وہ علم ہے جس پر آدمی عمل کرے۔ اگر آدمی جانتا تو ہے مگر عمل نہیں کرتا اس سے علم کی بایں معنی نفی درست ہے۔

قال تعالی ولقد علموا لمن اشتراه ما له فی الآخرة من خلاق ولبئس ما شروا به انفسهم لو کانوا یعلمون ترجمہ "اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ جس نے اس کو لیا، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بد ترین چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو فروخت کیا۔ کاش کہ وہ جانتے ہوتے"

لہٰذا جو شخص علم دین حاصل کر کے اس پر عمل نہیں کرتا، گویا وہ علم ہی نہیں رکھتا۔ ہماری تعلیم کا مقصد صرف مسائل کو حفظ کر کے امتحان میں کامیابی کی سند لینا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس پر عمل کرنا ہے۔ اس طرح جو طالبات علم شرعی حاصل کرنے کے باوجود بے پردہ رہتی ہیں، ان کا علم نافع نہیں ہے۔ وہ گویا جاہل ہی ہیں۔

(۵) علوم کا لفظ سائنس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کلیۃ العلوم کا معنی ہے سائنس کالج۔

(۶) علم صرف، علم نحو یا دیگر علوم مدونہ کے لیے لفظ علم بولا جاتا ہے۔

= وقال الحافظ ابن کثیر بعد ان نقل عن تفسیر ابی عبد اللہ الرازی ان العلم بالسحر لیس بقبیح لان العلم لذاته شریف وایضا لعموم قوله تعالیٰ "قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" ... ثم ادخاله علم السحر فی عموم قوله تعالیٰ "قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" فیه نظر لان هذه الایة انما دلت علی العالمین العلم الشرعی (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۲۱۶)

یہاں علم کا کیا معنی ہے اس کے بارہ میں تین اقوال ہیں۔

المعلومات المنضبطة بجهة واحدة سواء اکانت وحدة الموضوع ام وحدة الغاية وسواء اکانت هذه المعلومات تصورات او تصديقات شخصية او كلية۔ یعنی ایک موضوع یا ایک غرض کے لیے مرتب کی ہوئی معلومات تصوریہ یا تصدیقیہ کو علم کہتے ہیں اور وہ معلومات قواعد کلیہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے الفاعل مرفوع اور شخصیہ جیسے آنحضرت ﷺ کے واقعات جو حدیث کی کتب میں مذکور ہیں۔

ادراک تلک المعارف یعنی بعض علماء کے نزدیک علم نحو وغیرہ کا معنی یہ ہے کہ ایک قسم کی معلومات کو جان لینا۔ تو جو نحو کے مسائل کو جان لے وہ نحو کا عالم ہے وھکذا۔

ملکة الاستحضار۔ یعنی بعض علماء کے نزدیک ان معلومات مدونہ کا مستحضر ہونا علم کہلاتا ہے تو نحو کا عالم وہ کہلائے گا جو عربی عبارت کی ترکیب کرنے پر اور اس میں قواعد نحویہ کے مستحضر رکھنے پر قادر ہو' محض نحو کے مسائل کو حفظ کرنا یا ادھر ادھر کے سوالات اور ان کے جوابات کو حفظ کرنے والا نحو کا عالم نہ کہلائے گا۔

نیز ہر ہر جزئی کو یاد رکھنا عالم کے لیے ضروری نہیں بلکہ معتد بہ معلومات حاصل ہوں اور جب مشکل پیش آئے تو اس کے حل کے لیے از خود کوشش کر سکتا ہو۔

(ان تینوں معانی کے لیے دیکھیے مناہل العرفان ج ۱' ص ۶٫۷)

تدریب

س۔ منطق کی اصطلاح میں علم کس کو کہتے ہیں؟

س۔ علم کے چند معانی ذکر کریں۔

س۔ جس علم کی فضیلت قرآن و حدیث میں درج ہے وہ کون سا علم ہے بمعہ دلیل؟

س۔ ذیل میں لفظ علم کا معنی ذکر کریں:

وان الله قد احاط بكل شی علما'

والراسخون في العلم يقولون آمنا به'

ولا تقف ما ليس لك به علم'

قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا'

اعندہ علم الغیب فھو یری

علامہ انور شاہ کشمیری علم حدیث کے امام تھے۔

حضرت مولانا سرفراز صاحب مدظلہ علم تفسیر کے بڑے ماہر ہیں۔

مختصر القدوری علم فقہ کی کتاب ہے۔

یرفع الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت'

ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر

ومن سلک طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ بہ طریقا الی الجنۃ (رواہ مسلم مرفوعا عن ابی ہریرۃ رقم ۲۶۹۹)

ان من البیان سحرا وان من العلم جھلا (رواہ ابو داؤد مرفوعا رقم ۵۰۱۲)

علم کی دو قسمیں ہیں تصور' تصدیق۔

تصدیق ا۔ علم اس بات کا ہے کہ فلاں شے فلان شے ہے ۲۔ جیسے تم کو اس بات کا علم ہے کہ زید عمر کا باپ ہے۔ ۳۔

تصور ع۔ وہ علم ہے جس میں اس قسم کا علم نہ ہو۔ جیسے صرف زید کا علم یا مثلاً زید کا غلام

جاننا چاہیے کہ یہ علم مخلوق کی اقسام ہیں' علم خداوندی کی حقیقت ہم نہیں جان سکتے۔

تو اس علم کی دو قسمیں ہیں۔ تصدیق تو اس جملہ خبریہ کو کہتے ہیں جو یقین ظاہر کرتا ہو۔ اسمیہ ہو یا فعلیہ' واقعہ کے مطابق ہو جیسے لا الہ الا اللہ' محمد رسول اللہ یا واقعہ کے مطابق نہ ہو جیسے قول کفار لست مرسلا' اتخذ اللہ ولدا

اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں وہ تصور ہیں مثلا اسم' فعل' حرف' مرکب ناقص'

حاشیہ: ا۔ یعنی جملہ خبریہ ہو اور یقین ظاہر کرتا ہو۔ ج ع۔ ایک ہی چیز کا علم یعنی صورت ہو جیسے زید کی صورت۔ یا دو تین چیزوں کی ہو اور ان میں نسبت نہ ہو جیسے زید' عمر' بکر' خالد وغیرہ کی صورت الگ الگ۔ یا نسبت بھی ہو مگر تامہ نہ ہو جیسے زید کا غلام' اچھی ٹوپی۔ یا جملہ خبریہ نہ ہو انشائیہ ہو جیسے لے۔ یا خبریہ ہو مگر شک ہو جیسے آیا ہوگا وغیرہ سب تصور ہے۔ ۲۔ یا فلاں شے نہیں۔ شف ۳۔ یا زید عمر کا باپ نہیں ہے۔ شف

جملہ انشائیہ

ہاں اگر جملہ کا ایک حصہ محذوف ہو یا مستتر ہو تو اس کا اعتبار کر کے اس کو تصدیق سکتے ہیں۔ جیسے لم یلد ولم یولد کے اندر ھو ضمیر محذوف مانی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ تصد ہوگا۔ اسی طرح ما ھذا کے جواب میں کتاب کہا جائے تو تقدیر یوں ہے ھذا کتاب تصدیق ہے، محض "کتاب" تصور ہے۔

اگر جملے میں یقین یا غالب گمان کا فائدہ نہ ہو بلکہ شک یا امید وغیرہ کے لیے ہو اس تصدیق نہیں کہتے۔ جیسے حامد آیا ہوگا شاید خالد گیا ہو۔ امید ہے محمود کامیاب ہو گا۔ محمود گ نہیں ہوگا۔

تدریب

(۱) مندرجہ ذیل میں سے تصور و تصدیق کو جدا جدا کرو:

(۱) زید کا گھوڑا (۲) عمرو کی بیٹی (۳) عمرو زید کا غلام (۴) بکر خالد کا بیٹا ہوگا (۵) سرد پانی (۶) م ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں (۷) جنت حق ہے (۸) دوزخ کا عذاب (۹) قبر کا عذاب حق ہے (۱۰) مکہ مکرمہ

(۲) تصور اور تصدیق کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔

(۳) تصدیق کے لیے جملہ ہونے کے علاوہ اور کیا شرط ہے ذکر کریں۔

(۴) مندرجہ ذیل مثالوں میں تصور وتصدیق کو جدا جدا کریں:

قل یا ایہا الکافرون، لا اعبد ما تعبدون، قال اللہ ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم، یوم الدین، الھکم الہ واحد، ءالہ مع اللہ، لعلی ارجع الی الناس، یا لیتنی قدمت لحیاتی، کم، من، یا ابراھیم، لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ

سبق دوم
تصور و تصدیق کی قسمیں

تصور کی دو قسمیں ہیں تصور بدیہی، تصور نظری
تصور بدیہی: ایسی شے کا علم ہے کہ اس کی تعریف بتانے کی ضرورت نہ ہو، بدون تعریف کے سمجھ میں آ جاوے جیسے پانی، آگ، گرمی، سردی کہ سنتے ہی یہ چیزیں تمہاری سمجھ میں آ جاتی ہیں، تعریف کی ضرورت نہیں۔
تصور نظری اس شے کا علم ہے کہ بدون تعریف کیے وہ تمہاری سمجھ میں نہ آوے جیسے اسم، فعل، حرف، معرب، مبنی، جن، فرشتہ، بھوت، دیو۔ ا۔

تصور نظری کو تعریف کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے اور تصدیق نظری کو دلیل سے جانا جاتا ہے، کما سیاتی۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ایک انسان کے نزدیک نظری ہے، دوسرے کے نزدیک بھی نظری ہو بلکہ ہو سکتا ہے دوسرے کے نزدیک بدیہی ہو مثلاً اسم، فعل، حرف نحاۃ کے ہاں بدیہی ہیں یا بدیہی کی طرح ہیں جبکہ عام لوگوں کے ہاں نظری ہیں۔ بدیہی کا حصول حواس خمسہ، تجربہ، حدس اور عقل کی توجہ سے ہوتا ہے۔

تصدیق کی بھی دو قسمیں ہیں، تصدیق بدیہی تصدیق نظری۔
تصدیق بدیہی وہ تصدیق ہے جس کے لیے دلیل بتانے کی ضرورت نہ ہو جیسے دو چار کا آدھا ہے اور ایک چار کا چوتھائی ہے۔

تصدیق بدیہی کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بغیر دلیل کے اس کا یقین

حاشیہ: ا۔ اسم وہ کلمہ ہے جو بلا کسی کے ملائے سمجھ میں آسکے اور زمانہ نہ رکھے۔ فعل وہ کلمہ ہے جو بلا کسی کے ملائے سمجھ میں آسکے اور زمانہ رکھے۔ حرف وہ کلمہ ہے جو بلا کسی کے ملائے سمجھ میں نہ آسکے۔ معرب وہ جس کا آخر عامل کے آنے سے بدلے۔ مبنی وہ جس کا آخر عامل سے نہ بدلے۔ فرشتہ وہ نور کا جسم جو کئی شکلوں میں آسکے اور شرعی تعریف آگے حاشیہ میں درج ہے۔ جن وہ آگ کا جسم جو کئی شکلوں میں آسکے۔ بھوت وہ ڈراؤنی شکل جو اندھیرے میں دکھائی دے۔ دیو وہ نر جن جو بہت لمبا چوڑا ہو۔ یہ ان کی تعریفیں ہیں۔ ج

حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی آدمی سے وہ اوجھل ہو جائے تو اس کے لیے تنبیہہ (خبردار کرنے) کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ایک چار کا چوتھائی ہے' اس کا کسی کو یقین نہیں آ رہا تو اسے سمجھایا جائے کہ جب چار کے چار حصے کریں تو ایک حصہ کتنا ہوگا؟ اس سے وہ سمجھ جائے گا۔ البتہ اگر کوئی آدمی بالکل واضح چیز کا انکار کرتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے جیسے دن کے وقت سورج کو دیکھ کر بھی کوئی آدمی کہتا ہے اب رات ہے تو ایسے بے وقوف کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ ہی ایسے شخص کو دلیل دینے کی ضرورت ہے۔

تصدیق نظری وہ تصدیق ہے جس کے لیے دلیل بتانے کی ضرورت ہو جیسے پریاں موجود ہیں' ا۔ عالم بنانے والا ۲۔ اور تصرف ۳۔ کرنے والا ایک ذات پاک ہے۔

مندرجہ بالا دونوں تصدیقات اگرچہ بادی النظر میں نظری ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو غلط کہہ دیا جائے کیونکہ ان کا صدق دلیل قطعی سے ثابت ہو چکا ہے۔ پہلی مثال "پریاں موجود ہیں" اس کی دلیل حاشیہ میں مذکور ہے کہ پری جن ہے اور جن موجود ہے تو پری موجود ہے۔ جنات کے وجود کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ہے۔

دوسری تصدیق "عالم بنانے والا اور تصرف کرنے والا ایک ذات پاک ہے" یہ بھی نظری ہے مگر اس کی دلیل قطعی ہے ارشاد باری ہے

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا ترجمہ "اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے" جہاں کے پیدا کرنے والے اور اس میں تصرف کرنے والے کو ہی الٰہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ : بدیہی کا دوسرا نام ضروری ہے جس طرح دو چار کا آدھا ہے' ہر انسان کے نزدیک بدیہی ہے اسی طرح ہر فن کے ماہرین کے نزدیک اس فن کی اصطلاحات اور عمومی مسائل تصور بدیہی یا تصدیق بدیہی کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ علماء نحو کے نزدیک فاعل' مفعول بہ' مفعول معہ وغیرہ کی اصطلاحات تصور بدیہی کا درجہ رکھتی ہیں اور ہر فاعل مرفوع

حاشیہ : ا۔ اس کی دلیل یوں کہو کہ پری جن ہے اور جن موجود ہے تو پری موجود ہے۔۱۲

۲۔ کیونکہ دو تین ہوتے تو رائے کے خلاف فساد ہوتا اور فساد نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ دو تین نہیں' ایک ہے۔۱۲ ۳۔ رد و بدل۔۱۲

ہوتا ہے، تصدیق بدیہی کا درجہ رکھتا ہے۔

فائدہ : جس طرح بدیہی کا منکر بے وقوف یا پاگل سمجھا جاتا ہے مثلاً دن کے وقت سورج کی روشنی میں بیٹھ کر سورج کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی آدمی دن کا انکار کرے اور یوں کہے کہ ہو سکتا ہے کہ سورج نہ ہو اور ہم مغالطے میں مبتلا ہوں یا خواب میں ہوں مگر حقیقت میں اس وقت رات ہے۔ تو جس طرح ہم ایسے آدمی کو پاگل کہیں گے اس طرح جن چیزوں کا ثبوت تم اہل اسلام کے ہاں مذہبی طور پر بالکل بدیہی ہو اس پر ایمان لانا بالکل ضروری ہے، اس کا منکر پکا کافر ہو گا۔ اس کے ذکر کردہ شکوک و شبہات ناقابل التفات ہوں گے مثلاً قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے، خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے، نبی ﷺ کے بعد اور کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔

ان چیزوں کو ضروریات دین (اسلام میں بداہتہ " ثابت شدہ امور) کہا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین اگرچہ نظریات ہیں مگر دلیل شرعی سے بداہت کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان پر ایمان لانا دیگر بدیہی چیزوں کو ماننے سے زیادہ ضروری ہے۔ کوئی آدمی دن کو رات کہتا ہے وہ جھوٹا یا پاگل ہو سکتا ہے مگر جو آدمی قرآن کو خدا کی کتاب نہیں مانتا، وہ جھوٹا بھی ہے، کافر و جہنمی بھی ہے۔

سوالات

۱۔ امثلہ ذیل میں بتاؤ کہ کون تصور و تصدیق کس قسم کا ہے:

(۱) پل صراط[1] (۲) جنت (۳) قبر کا عذاب (۴) چاند (۵) آسمان (۶) دوزخ موجود ہے (۷) ترازو اعمال کی (۸) جنت کے خزانے (۹) عمرو کا بیٹا کھڑا ہے (۱۰) کوثر جنت کی نہر ہے (۱۱) آفتاب روشن ہے۔

۲۔ سورہ واقعہ سے ۵، ۵ عدد تصور بدیہی نظری تصدیق بدیہی نظری کی مثالیں دیں۔

۳۔ کیا جو چیز ایک شخص کے نزدیک نظری ہے وہ سب کے نزدیک نظری ہے یا سب کے لیے نظری ہونا ضروری نہیں؟

۴۔ بدیہی عقلی اور بدیہی شرعی میں کیا فرق ہے؟

۵۔ بدیہی شرعی کا دوسرا نام کیا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟

---

[1] دوزخ کے اوپر جنت میں جانے کے لیے پل۔

۶۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں تصور نظری اور تصور بدیہی کو جدا جدا کرو:

رمان' تفاح' ماء' الملا الاعلی' لوح محفوظ' ابوبکر الصدیق' قرآن کریم' شمس' قمر' نبی' ملک' جبریل' یوم القیامة

۷۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں تصدیق بدیہی و تصدیق نظری کو جدا جدا کریں:

کل نفس ذائقة الموت' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اللہ خالق کل شئ' ان الدین عند اللہ الاسلام' علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ قرآن کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ منطق ایک دلچسپ علم ہے۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی اس دور کے ایک عظیم محقق ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم کی سب احادیث صحیح ہیں۔ امام بخاریؒ کی دوسری کتابوں میں احادیث کی صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔

سبق سوم

نظر و فکر و منطق کی تعریف اور منطق کی غرض ا۔ و موضوع ۲۔

دو یا زیادہ تصور کو آپس میں ملا کر نامعلوم تصور کو حاصل کرتے ہیں۔ جیسے ۳۔ مثلاً تم کو حیوان ۴۔ کا علم ہے اور ناطق ۵۔ کا۔ دونوں کو ملایا تو حیوان ناطق ہوا۔ ان دونوں تصوروں سے تم کو انسان نامعلوم کا علم ہو گیا۔ ۶۔

اور ان دو تصوروں معلوم کو جن سے نامعلوم تصور کا علم ہوا ہے تعریف اور معرف کہتے ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ کچھ تصورات بدیہی ہیں' کچھ نظری۔ انسان کو علم کی زیادتی کا شوق ہوتا ہے تو اس مقصد کے لیے تین ذرائع استعمال کرتا ہے۔

(۱) حواس خمسہ (سننا' دیکھنا' سونگھنا' چھونا' چکھنا) آواز کو سن کر شکل کو دیکھ' خوشبو دار چیز کو سونگھ کر' ذائقے کو چکھ کر اور گرمی سردی وغیرہ کو چھو کر معلوم کرتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے مجھے گرمی کا علم نہیں تو اس کا ہاتھ پکڑ کر گرم برتن کو لگائیں اس کو علم ہو جائے گا۔

(۲) خبر صادق بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے ارشادات بالکل صادق ہیں اور ان سے نامعلوم چیزوں کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔

حاشیہ : ا۔ جس کی وجہ سے بحث کی جائے۔ ج ۲۔ جس کے حالات سے بحث کی جائے۔ ج ۳۔ اس سے آسان یوں سمجھو کہ ایک شخص نو مسلم نے فرشتہ کا نام سنا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ فرشتہ کیا چیز ہے۔ اس نے تم سے پوچھا' اب تم اس کو کیسے بتلاؤ گے؟ سو تم کو معلوم ہوا کہ وہ جسم کے معنی جانتا ہے او زندہ کے معنی بھی جانتا ہے اور نورانی کے معنی بھی جانتا ہے اور لطیف کے معنی بھی جانتا ہے اور فرمانبرداری اور نافرمانی کے بھی معنی جانتا ہے۔ بس تم نے ان سب کو اس طرح ملایا کہ فرشتہ ایک ایسا جسم ہے جو زندگی رکھتا ہے اور لطیف و نورانی ہے اور خدا تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کرتا۔ ان تصورات معلومہ کے ذریعہ سے ایک نامعلوم تصور یعنی فرشتہ کا مفہوم اس کو معلوم ہو گیا۔ شفیع۔ جاندار۔ ج ۵۔ عقل والا۔ ج ۶۔ کیونکہ انسان جاندار ہے اور عقل والا ہی ہے۔ ج

(۳) تیسرا ذریعہ عقل ہے کہ دو معلوم چیزوں کو ملا کر تیسری چیز کا علم حاصل کرتے ہیں۔

حواس سے منطقی اس لیے بحث نہیں کرتے کہ وہ ہر کسی کو معلوم ہیں نیز اس سے یہ ضروری نہیں کہ نظری کو بدیہی بنائیں بلکہ ابتدا ہی اس کے ذریعہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً آپ کسی اجنبی سے ملاقات کرتے ہیں آپ اس کو بالکل نہیں جانتے تو اس کو دیکھنے سے آپ نے نظری کو بدیہی نہ کیا بلکہ ابتداء ہی اس کو حاصل کیا' کیونکہ حواس خمسہ سے حاصل ہونے والا علم بدیہی ہے۔

دوسری قسم خبر صادق کو مصنف نے ذکر نہ کیا کیونکہ یہ تیسری قسم میں داخل ہو جاتی ہے مثلاً ہم یہ کہیں کہ بدعت انسان کے لیے باعث ثواب نہیں باعث عقاب ہے۔ اور دلیل یہ دیں ارشاد نبوی ہے

وکل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار اب اس حدیث پاک کا حجت ہونا عقل سے ثابت ہے جیسا کہ ہرقل نے نبی ﷺ کے حالات سن کر کہا

فقد اعرف انه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله

"تحقیق میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کے معاملات میں تو جھوٹ سے گریز کریں اور اللہ کے معاملے میں جھوٹ بولیں۔"

عمومی ضابطہ یہ ہوا کہ ہر نظری کو بدیہی کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے انسان اپنے ماحول کے ذریعہ کچھ چیزوں کو بداہتہ" جان لیتا ہے جب تعلیم شروع کرتا ہے تو ان معلومات کو ملا کر تیسری چیز حاصل کرتا ہے جب وہ حاصل ہو کر بدیہی بن جاتی ہے تو اس کی مدد سے ایک اور چیز حاصل کرتا ہے۔

اس طرح دینی تعلیم کا نظام ہے سب سے پہلے قواعد عربیہ کو بدیہی بنایا جاتا ہے جب وہ بدیہی بن جاتے ہیں تو انسان آگے چلتا ہے پھر فقہ اصول فقہ کے مسائل و قواعد نظریہ کو صرف نحو سے حاصل شدہ استعداد کے ذریعہ نظری سے بدیہی بنایا جاتا ہے اسی لیے صرف و نحو بڑی اہمیت کی حامل ہیں اگر اس کے قواعد ہی نظری رہ جائیں تو اگلی کتابوں میں جانے کے بعد اس کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے جس کو اونچے کوٹھے پر چڑھا کر سیڑھی کھینچ لی جائے۔ یا اس ناواقف کی طرح جس کو ڈرائیوری نہ آتی ہو مگر نہایت رش کے وقت گاڑی

چلانے لگے۔

تصور بدیہی سے تصور نظری کو حاصل کرنے کی چند مثالیں:

امام اعظمؒ کا معنی کیا ہے؟ فقہ کے چار اماموں میں سے سب سے بڑے امام۔

مولانا عبد اللہ گنگوہیؒ کون؟ تیسیر المنطق کے مصنف۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کون؟ دار العلوم دیوبند کے بانی۔

فاعل کیا؟ کام کا کرنے والا۔

محمود کون؟ خالد کا بھائی۔

فائدہ: کبھی ایک تصور کو حاصل کرنے کے لیے اس سے واضح لفظ بولا جاتا ہے جیسے غضنفر کا معنی اسد کرتے ہیں۔ اس کو تعریف لفظی کہتے ہیں۔

شاگرد: استاد جی اگر تصور لفظ مفرد نہیں جملہ انشائیہ وغیرہ ہو جیسے ما ھذا؟ اس کو بدیہی کہیں گے یا نظری؟ نیز اگر نظری ہے تو اس کی تعریف کیسے کریں گے۔

استاد: ہم اس کی تعریف جنس و فصل سے تو نہیں کر سکتے۔ البتہ تعریف لفظی کر سکتے ہیں۔ تو جس جملہ انشائیہ کا معنی معلوم ہو جائے بات سمجھ میں آ جائے وہ بدیہی ہے اگر بات سمجھ ہی نہ آئے تو نظری اس کو بدیہی کرنے کے لیے اس کا ترجمہ کر دیں گے تو جو شخص ما ھذا کا مفہوم جانتا ہے اس کے نزدیک بدیہی ہے جو نہیں جانتا اس کے نزدیک نظری۔

شاگرد: استاد محترم کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر ھذا کا مشار الیہ معلوم ہو تو جیسے قلم ہو تو بدیہی ہو اور اگر معلوم نہ ہو جیسے کوئی عجیب جانور تو اس کو نظری کہہ دیں؟

استاد: ہم تو سوال کے بدیہی نظری ہونے کی بات کرتے ہیں اور تم جواب کی طرف چلے گئے ہو۔ ھذا قلم اگر بدیہی ہے تو یہ تو جواب ہے نہ کہ سوال۔ ما ھذا میں تو قلم کا لفظ نہیں ہے۔

تدریب

علم کے حصول کے کتنے ذرائع ہیں؟

ما ھذا؟ کب بدیہی ہو گا کب نظری؟

جملہ انشائیہ نظری کو بدیہی کس طرح کر سکتے ہیں؟

مندرجہ ذیل تصورات میں بدیہی و نظری کو جدا جدا کریں:

ما تلک بیمینک یا موسی، وجوهکم، ایدیکم، المرافق، ارجلکم، افواه، ولد صالح، ذو القرنین، روضة الادب، عربی صفوة المصادر، نعم العبد، قل ای و ربی، ءاله مع الله، ربنا اغفرلنا ذنوبنا، بعد الثمود، ءَاَنْتَ حُرٌّ، یلتینی کنت ترابا، لعلهم یعلمون، الا تاکلون، انک لانت یوسف، الانعام، اهدنا الصراط المستقیم، وآن هذا صراطی مستقیما، رسول، نبی، جبریل، میکائیل، شیطان، یا ابلیس، ما منعک ان تسجد؟ فبای آلاء ربکما تکذبان؟

اسی طرح دو تصدیق یا زیادہ کو ملا کر کسی نہ معلوم تصدیق کو معلوم کرتے ہیں جیسے ا۔ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ انسان جاندار ہے اور یہ بھی علم ہے کہ ہر جاندار جسم والا ہے اس دونوں باتوں کو تم نے ملایا تو تم کو اس بات کا علم ہوا کہ انسان جسم والا ہے۔

اور ان دونوں تصدیق معلوم کو جن سے نامعلوم تصدیق حاصل کرتے ہیں دلیل اور حجت کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں طریقے تصدیق نامعلوم کو جاننے کے لیے بھی ہیں اور یہ بات گزر چکی ہے کہ جو چیز ہمیں مخبر صادق ﷺ سے معلوم ہو گی اس کو ماننا مشاہدہ کی چیزوں کے ماننے سے زیادہ ضروری ہے۔

اب ہم مصنف کی عبارت کی وضاحت کے لیے مثال دیتے ہیں ارشاد باری ہے قال ابوھم اس میں لفظ ابو مرفوع ہے یہ نظری ہے اس کو ہم یوں ثابت کرتے ہیں کہ

لفظ ابو مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اور ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔

لفظ ابو کی علامت رفع واؤ ماقبل مضموم ہے۔ یہ نظری ہے۔ اس کو ہم یوں ثابت کرتے ہیں

علامت رفع واؤ ماقبل مضموم ہے کیونکہ اسماء ستہ مکبرہ موحدہ میں سے ہے۔ اور اسماء ستہ مکبرہ موحدہ کی حالت رفع کی علامت واؤ ماقبل مضموم ہے۔

اس طرح۲۔ دو علموں یا زیادہ کو ملا کر کسی شے نامعلوم کے معلوم کرنے۳۔

حاشیہ: ا۔ اس سے آسان یوں سمجھو کہ ایک شخص نو مسلم کو تم نے مسئلہ بتلایا کہ سود لینا گناہ ہے اور وہ یہ بات نہیں جانتا اس لیے وہ تم سے پوچھتا ہے کہ کیسے معلوم ہوا کہ سود لینا گناہ ہے؟ تم نے اس کو دو باتیں سمجھائیں۔ ایک بات یہ کہ خدا تعالی جس فعل کو برا کہے، وہ گناہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ دیکھو قرآن مجید میں خدا تعالی نے سود لینے کو برا کہا ہے۔ بس ان دو تصدیق کے ملانے سے وہ تصدیق جو معلوم نہ تھی، اس کو معلوم ہو گئی کہ سود لینا گناہ ہے۔ ۱۲ شف

۲۔ جس طرح حیوان اور ناطق کو اور "انسان جاندار ہے" اور "ہر جاندار جسم ہے" کو ملایا ہے اس طرح کہ ایک پہلے ہو، ایک بعد میں اور مجموعہ واحد ہو جائے۔ ۱۲م۔ ھذا

کو فکر اور نظر کہتے ہیں۔ کبھی اس ملانے اور ترتیب میں غلطی بھی ہو جاتی ہے ایسی غلطی کی اصلاح جس علم سے ہو وہ منطق ہے۔

اوپر گزرا کہ تصور نظری کو تعریف سے اور تصدیق نظری کو دلیل سے معلوم کرتے ہیں۔ تعریف اور دلیل دونوں کا مشترکہ نام نظر اور فکر ہے جس کا نقشہ درج ذیل ہے۔

نظر رفکر

تعریف ر معرف	دلیل ر حجت
دو یا زیادہ تصورات کا مجموعہ	دو یا زیادہ تصدیقات کا مجموعہ
اس سے تصور نظری کا علم ہوتا ہے	اس سے تصدیق نظری کا علم ہوتا ہے

مصنف کہتے ہیں کہ کبھی اس فکر و نظر میں غلطی ہو جاتی ہے۔ اس کو مثالوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ ایک دیہاتی پہلی مرتبہ سفر کی غرض سے ریلوے اسٹیشن گیا اور وہاں جا کر دہلی کا ٹکٹ لے لیا ٹکٹ بیچنے والے سے پوچھا کہ ریل کیسی ہے؟ اس نے بتایا کہ کالا رنگ ہے' دھواں نکلتا ہے وہ دیہاتی ٹکٹ لے کر پلیٹ فارم جاتا ہے وہاں ایک لمبا چوڑا سیاہ رنگ کا آدمی کالے کپڑے پہنے ہوئے ٹہل رہا تھا اور سگریٹ پی رہا تھا اس دیہاتی نے ٹکٹ ہاتھ میں پکڑا اور بھاگ کر اس پر سوار ہو گیا وہ سیاہ فام آدمی اس اچانک حملے سے گھبرا گیا اور کہنے لگے یہ کیا اس نے کہا دہلی جانا ہے اور دہلی کا ٹکٹ اس کو دکھایا وہ کہنے لگا میں کیا کروں؟ دیہاتی نے کہا بھائی میں نے کرایہ دیا ہے اور افسر نے بتایا کہ گاڑی کا رنگ کالا ہے اور دھواں نکلتا ہے اس جگہ تیرے سوا اور ایسا کون ہے؟

تو اس جگہ غلطی کا ایک سبب یہ ہے کہ تعریف ناقص تھی۔

دلیل میں غلطی کی مثال یہ کہ طلبہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی ترکیب میں کہتے ہیں اسم مجرور ہے کیونکہ اس کے آخر میں کسرہ ہے یا اس لیے کہ یہ مضاف ہے یا یہ کہ لفظ

مذهب القدماء المحققين ومن بعدهم وقال المتاخرون هو الترتيب

۱۲۔ج

اللہ مجرور ہے کیونکہ موصوف ہے۔

طلبہ ان دلیلوں میں غلطی کرتے ہیں جس کی تفصیل تصدیقات کی بحث میں ہو گی۔ اس غلطی کی وضاحت کے لیے ہم ان کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ سنو

تمہارے کہنے کے مطابق لفظ اسم مجرور ہے کیونکہ اس کے آخر میں کسرہ ہے (اور ہر وہ اسم جس کے آخر میں کسرہ ہو وہ مجرور ہوتا ہے) بین القوسین والی عبارت سن کر طلبہ اپنی غلطی تسلیم کرلیں گے کیونکہ مسلمات حالت نصب میں بھی مکسور الاخیر ہے۔ نیز طلبہ کے کہنے کے مطابق لفظ اسم مجرور ہے کیونکہ مضاف ہے (اور ہر مضاف مجرور ہوتا ہے) بین القوسین والی عبارت سن کر طلبہ شور کریں گے نہیں نہیں۔ اس کا صحیح جواب یہ ہو گا۔ لفظ اسم مجرور ہے کیونکہ حرف جر کے بعد ہے اور جو اسم بھی حرف جر کے بعد ہو وہ مجرور ہوتا ہے لہٰذا لفظ اسم مجرور ہے۔ لفظ اللہ اس جملہ میں مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اور ہر مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔

شاگرد: استاد جی ہم نے تو لفظ اسم کو مضاف اور لفظ اللہ کو موصوف ہی پڑھا ہے مضاف الیہ تو مل کر بنتا ہے۔

استاد: وہ ترکیب اجمالی یا مختصر ہے اور یہ ترکیب تفصیلی ہے اس کے اندر اسم کو مجرور بحرف الجر اور لفظ اللہ کو مضاف الیہ نہ کہیں گے تو جواب درست نہ آئے گا۔ جیسا کہ تم نے ملاحظہ فرمایا۔

> پس منطق وہ علم ہے جس سے کسی شے کی تعریف ۱۔ اور دلیل بنانے میں خطا ہونے سے حفاظت ہو اور غرض اس علم کی فکر اور غور ۲۔ کا صحیح ہونا ہوا۔

مندرجہ بالا مثالوں میں آپ نے دیکھا کہ ہم نے دلیل کو منطقی انداز میں مکمل کیا تو دلیل کا سقم یا اس کی صحت واضح ہو گئی اس کی ایک اور مثال یہ سمجھیں فلاسفہ کہتے تھے۔ العالم مستغن عن الموثر وکل ما ھذا شانہ فھو قدیم یعنی جہان کسی اثر کرنے والے سے مستغنی ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ قدیم ہے۔ پھر نتیجہ نکالتے ہیں العالم قدیم یعنی جہان قدیم ہے، ہمیشہ سے ہے، کسی کا پیدا کردہ نہیں ہے۔

حاشیہ: ۱۔ یعنی جانے ہوئے تصوروں اور تصدیقوں کو قاعدہ کے موافق ملانے میں۔ ۱۲

۲۔ نظر یعنی جانے ہوؤں کا ملانا۔ ۱۲ ج

منطق سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کا پہلا حصہ غلط اور دوسرا صحیح ہے یعنی یہ بات تو درست ہے کہ جو بھی مؤثر سے مستغنی ہو وہ قدیم ہے، مگر جہان مؤثر سے مستغنی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت چل رہا ہے۔

اور جو دلیل سچ جھوٹ سے مرکب ہو اس کا نتیجہ بھی جھوٹ ہوگا۔ یہ بھی جان لیں کہ اگر ہم منطق سے فکر و نظر کی درستگی میں مدد حاصل کر سکتے ہیں تو یہ علم ہمارے لیے مفید ہے ورنہ بے فائدہ ہے مثلاً سائیکل کی غرض آنے جانے میں سہولت ہے اگر ہم سائیکل کو خرید کر کمرے میں سجالیں اور اس لیے اسی کو استعمال نہ کریں کہ یہ پرانا نہ ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ سائیکل کا خریدنا بے فائدہ رہے گا بلکہ وہ پڑا پڑا زنگ آلود ہو سکتا ہے اسی طرح کسی بھی علم کو سیکھنے کے بعد اس کا اجراء نہ ہو، اس کا سیکھنا بے فائدہ ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس مقصد کے لیے بھیجا کہ انسانوں کو شرک و کفر کے اندھیروں سے نکال کر توحید و سنت کے نور کی طرف لے جائیں۔ انبیاء علیہم السلاۃ والسلام کو معجزات دیے جاتے ہیں معجزہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی جو بات کہہ رہا ہے وہ سچی ہے۔ معجزہ کے سامنے لوگ تین قسم کے ہو جاتے ہیں۔ ایک منکر یا معاند، دوسرے مصدق، تیسرے غالی۔ منکر و معاند تو معجزہ دیکھ کر بھی نہیں مانتے اس کو جادو وغیرہ کا طعنہ دیتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں مصدق معجزہ دیکھ کر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ صاحب معجزہ خداوند قدوس کا پیغمبر ہے اور اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ہے۔ اور نبی کا دعویٰ تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا مشکل کشا فریاد رس نہیں ہے۔

قال تعالیٰ قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا (سورہ جن) "آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا"

تیسرا فریق غالی ہوتا ہے وہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزات یا ولی کی کرامات دیکھ کر ولی یا نبی ہی کو حاجت روا مشکل کشا بنا لیتا ہے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام سے معجزات دیکھنے کے باوجود یہودی کافر رہے اور بعد والے نصاریٰ نے ان کے معجزات کے سہارے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ یہودی منکر اور معاند ہوئے۔ عیسائی غالی اور اہل اسلام مصدق ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول

ہیں۔

حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ السلام کے واقعہ سے وضاحت : حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل آتے رہتے تھے۔ حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ السلام نے سوال کیا تو کہنے لگیں ھو من عند اللہ اس پر حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی

ارشاد باری ہے ھنا لک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لد نک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء ترجمہ "اس موقع پر (حضرت) زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد۔ بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے"

اگر آج کا کوئی مشرک ہوتا تو وہ حضرت مریم ہی سے دعائیں شروع کر دیتا۔ اگر معجزہ اور کرامت کا مقصد ذہن نشین ہو جائے تو بہت سے اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد سمجھو کہ جس شے کے حالات سے کسی علم میں بحث ہو' وہ شے اس علم کا موضوع ہے۔

منطق کا موضوع وہ تعریفات ا۔ اور دلیلیں ہیں جن سے نہ جانے ہوئے تصور ۲۔ اور نہ جانی ہوئی تصدیق کا علم حاصل ہو۔

جس طرح طب کا موضوع بدن انسانی ہے۔ اور طب کے دو حصے ہیں ایک تعلیمی حصہ ہے دوسرا عملی اگر کسی نے قواعد طب تو خوب پڑھے مگر علاج نہیں کرتا' یا مریض کی نبض وغیرہ نہیں دیکھتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی عملی میدان میں معمولی طبیب معالج سے بھی پیچھے رہ جائے۔ ہاں اگر وہ عملی میدان میں پورے طور پر آ جائے تو بہت آگے نکل جائے گا۔

اسی طرح علم منطق کے قواعد کو ہم ہر تعریف اور دلیل عقلی کے جانچنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں اور عملی زندگی میں استعمال کرنے سے ہی اس علم کی وحشت دور کی جا سکتی ہے۔

حاشیہ : ا۔ جانے ہوئے تصورات و تصدیقات۔ ۱۲ ج ۲۔ یعنی وضع کرنے سے اور وضع کی تعریف آگے ہے۔ ۱۲

تدریب

۱۔ فکر و نظر کی تعریف بتاؤ
۲۔ منطق کی تعریف کرو
۳۔ منطق کی غرض کیا ہے؟
۴۔ موضوع کس کو کہتے ہیں؟
۵۔ منطق کا موضوع کیا ہے؟
۶۔ دلیل میں غلطی کی کوئی مثال دو پھر اس کو درست کرو۔
۷۔ تعریف کی غلطی کی مثال دو
۸۔ منطق سے وحشت کیسے دور ہو سکتی ہے؟
۹۔ معجزہ کی تعریف اور اس کی غرض واضح کرو؟
۱۰۔ معجزہ کے سامنے لوگوں کے کتنے موقف ہیں ہر موقف کو واضح کرکے یہ بتائیں کہ صحیح راستہ کونسا ہے؟
۱۱۔ قال ابوھم میں لفظ ابو کا اعراب کیا ہے اور صحیح دلیل کیا ہے؟
۱۲۔ قال ابوھم میں لفظ ابو کے اعراب میں طلبہ کیا غلطی کرتے ہیں اور اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟
۱۳۔ جو لوگ جہان کو قدیم مانتے ہیں' ان کی دلیل کیا ہے اور اس میں کیا خرابی ہے؟
۱۴۔ منطق سے فائدہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟
۱۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے سامنے عیسائی' یہودی اور اہل اسلام کے کیا موقف ہیں اور صحیح راستہ کون سا ہے اور کیوں؟

سبق چہارم

دلالت ا۔ و وضع اور دلالت کی قسمیں

دلالت: کسی شے کا خود بخود ۲۔ قدرتی طور سے یا کسی کے مقرر کرنے سے ۳۔ ایسا ہونا کہ اس کے جاننے سے کسی چیز نامعلوم کا علم ہو جاوے پہلی شے کو جس سے علم ہوا ہے دال دوسری چیز کو جس کا علم ہوا مدلول کہتے ہیں۔ جیسے دھوئیں کو جب تم دیکھو تو اس سے آگ کا علم تم کو ضرور ہو گا پس دھواں دال آگ مدلول اور دھویں کا اس طور پر ہونا کہ اس کے علم سے آگ کا علم ہوتا ہے دلالت ہے۔

لفظ دَلالت دل یدل از باب نصر کا مصدر ہے اس کا معنی ہے رہنمائی کرنا

قال تعالٰی فما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ (سورہ سبا آیت نمبر ۱۴) ترجمہ "تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا"

دوسری جگہ ارشاد ہے یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم (سورہ الصف آیت ۱۰) ترجمہ "اے ایمان والو' کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے؟"

نبی ﷺ کا ارشاد ہے' حضرت انس راوی ہیں ان الدال علی الخیر کفاعلہ (ترمذی ج ۲ ص ۹۱ طبع رشیدیہ دہلی و جامع الاصول ج ۹ ص ۵۶۸) نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

حاشیہ: ا۔ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ ذہن میں ہر چیز کی صورت آ جاتی ہے جسے علم کہتے ہیں۔ پھر اگر وہ صورت جملہ خبریہ یقینی کی صورت ہو تو تصدیق ورنہ تصور تھی اب ان صورتوں کو دوسروں کو سمجھانے کے واسطے لفظوں' اشاروں اور علامتوں وغیرہ کی ضرورت ہے' پھر ان چیزوں کا ایسا ہونا کہ ان کے جاننے سے وہ صورتیں معلوم ہو جائیں' یہ دلالت ہے۔ ۱۲ ج

۲۔ جیسے آواز سننے سے بولنے والے کا علم ہوتا ہے اور مقرر کرنے سے مثلاً نام سے نام والے کا علم۔ ۱۲ ج ۳۔ یعنی اصطلاح ٹھہرا لینے سے۔ ۱۲ شف

اہل منطق کی اصطلاح میں دلالت کا معنی یہ ہے کسی چیز کی جاننے سے دوسری چیز کا علم ہو خواہ قدرتی طور پر جیسے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم ہوتا ہے ابلتے پانی کو دیکھ کر اس کی گرمی کا علم ہوتا ہے۔ اور یا کسی کے مقرر کر دینے سے دوسری بات کا علم ہو جیسے چوک میں سرخ بتی دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اب گاڑی روکنا مطلوب ہے۔

دلالت مصدر ہے' دال اس سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس میں لام مشدد ہے جس طرح کہ ترمذی شریف کی روایت میں گزرا۔ مدلول اس سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس پر تشدید نہیں ہے عام طور پر معنی کو مدلول کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدلول وہ شخص ہے جو معنی کو سمجھتا ہے اور وہ معنی مدلول علیہ ہے۔ حامد نے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کو جانا تو دھواں دال' حامد مدلول اور آگ مدلول علیہ ہے۔ کتب نحو میں ہے الاسم ما دل علی معنی فی نفسه غیر مقترن باحد الازمنة الثلاثة اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ معنی مدلول علیہ ہے۔ چونکہ اصل مقصد اس بحث سے لفظ اور معنی ہے نیز عام طور پر مدلول کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا تو اختصارا معنی کو مدلول کہہ دیتے ہیں۔

وضع : ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ خاص کر دینا یا دوسری شے کے لیے مقرر کر دینا کہ پہلی شے کے علم سے دوسری شے کا علم ہو جائے۔ شے اول[۱] کو موضوع اور دوسری شے کو جس کا علم ہوا ہے[۲] موضوع لہ کہتے ہیں جیسے لفظ چاقو کو مجموعہ دستہ اور پھل کے لیے مقرر کر دیا گیا[۳] کہ لفظ چاقو تمہارے کان میں پڑتا ہے[۴] تو فورا" دستہ اور پھل اس کا ہی تمہاری سمجھ میں آتا ہے اور دوسری چیز نہیں آتی چاقو موضوع ہے اور وہ دستہ وغیرہ[۵] موضوع لہ ہے اور اس طرح مقرر کر دینا اور خاص کرنا وضع ہے۔

آپ نحو میں پڑھ چکے ہیں کہ لفظ کی دو قسمیں ہیں موضوع' مہمل۔ موضوع اس لفظ کو کہتے ہیں جس کا کچھ مفہوم ہو۔ پھر لفظ موضوع مفرد یا مرکب ہوتا ہے غرض کہ کلمہ کلام لفظ موضوع ہی ہوتے ہیں۔

حاشیہ : ۱۔ یعنی جس کو خاص یا مقرر کیا ہے۔ ۱۲اشف ۲۔ یعنی جس کے لیے خاص یا مقرر کیا ہے۔ ۱۲اشف ۳۔ یعنی لغت والوں نے مقرر کر دیا۔ ۱۲اشف ۴۔ یعنی جب کہ اس لغت کو تم جانتے ہو۔ ۱۲اشف ۵۔ یعنی پھل۔ ۱۲اشف

موضوع وضع سے اسم مفعول کا صیغہ ہے وضع کا لغوی معنی رکھنا ہے۔ وضع کی اصطلاحی تعریف متن میں موجود ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

لفظ مولانا کا لغوی معنی ہے ہمارا آقا' لیکن عرف میں ہر عالم دین کو مولانا یا مولوی کہا جاتا ہے تو یہ عرف عام کی وضع ہے۔

غیر مقلدین حضرات نے اپنا نام پہلے محمدی رکھا پھر اہل حدیث۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں

ھو سماکم المسلمین

قرآن کریم نے عیسائیوں کو اہل الانجیل کہا اس طرح اہل اسلام اہل قرآن بنتے ہیں' تو اہل حدیث کے بایں معنی وضع کرنے والے یہ لوگ خود ہی ہیں۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ انسان جیسا نام رکھتا ہو ویسا ہی کام بھی کرے اسی طرح یہ لوگ بے شمار احادیث کے خلاف کرنے کے باوجود دوسروں کو حدیث کے منکر قرار دیتے ہیں۔

رہا لفظ دیوبندی تو یہ لفظ علماء دیوبند نے ہرگز اپنے لیے علم نہیں بنایا تھا اور نہ ہی انہوں نے اس نام کے ساتھ اپنا تعارف شروع کرایا بلکہ اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ انڈیا کے صوبہ یوپی کے ضلع سہارنپور میں ایک بڑے قصبہ کا نام دیوبند ہے۔ جنگ آزادی کے بعد مجاہدین نے اسلام کو باقی رکھنے کی غرض سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو اس علاقے میں ایک مدرسہ قائم کیا کچھ عرصہ کے بعد وہ ترقی کر گیا اس کا نام دارالعلوم رکھ دیا گیا۔ اس دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت سے نوازا ملک و بیرون ملک اس کا فیض پہنچا وہاں کے فضلاء کو علماء دیوبند کہا جانے لگا یعنی دیوبند علاقے کے مدرسہ سے علم حاصل کرنے والے علماء۔ دیوبندی تو صرف ان علماء کو کہا جاتا تھا جو خاص دیوبند میں پیدا ہوئے جیسے مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ' مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

ان علماء کے مسلک سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو دیوبندی کہنے کا واضع عرف عام ہے۔ ان علماء نے ہرگز اس کو شروع نہ کیا وسیاتی المزید ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چاہئے تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے نام کی سند لاتے کیونکہ یہ اس نام کے واضع ہیں اور اپنے نام پر فخر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دیوبندی نام کہاں سے آیا؟ حالانکہ ہمارے اکابر اس کے واضع نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں جہاں سے بخاری کا نام آیا' وہیں سے دیوبندی سمجھ لیں۔ جب لفظ بخاری کو حدیث نبوی سے ثابت کر دیں گے تو

دیوبندی کا پوچھ ہیں۔ یہ لوگ مسلم شریف کا بھی نام لیتے ہیں، بخاری مسلم بخاری مسلم کی رٹ لگاتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ جس طرح لفظ دیوبندی کا مذاق اڑاتے ہو، لفظ بخاری کا بھی اڑاتے ہو؟ اگر کوئی بد بخت اس کو بخار کی طرف منسوب کر کے مذاق اڑائے یا امام مسلم کا نام لے کر سوال کرے کہ کیا باقی لوگ غیر مسلم تھے تو کیا جواب دو گے؟

دلالت کی دو قسمیں ہیں۔ لفظیہ و غیر لفظیہ
دلالت لفظیہ وہ دلالت [۱] ہے جس میں دال کوئی لفظ ہو جیسے زید [۲] کی دلالت اس کی ذات پر
دلالت غیر لفظیہ وہ دلالت ہے جس میں دال لفظ نہ ہو جیسے دھوئیں کی دلالت آگ پر۔

نحو میں آپ نے لفظ کی تعریف پڑھی ہے اس کے مطابق کلام خداوندی فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی کلام کی دلالت اس کے مفہوم پر دلالت لفظی میں شامل ہے۔
اگر انسانی کلمات ٹیپ وغیرہ کے واسطہ سے سنائی دیں ان کی دلالت بھی دلالت لفظی میں شامل ہے۔ انسان کے ذہن میں جو الفاظ آئیں ان کی اپنے معنی پر دلالت بھی دلالت لفظی ہی ہے۔ ان کے علاوہ جو چیز دلالت کرے اس کی دلالت غیر لفظی ہے۔ اگر جملہ میں کوئی لفظ مستتر یا محذوف مانا جائے تو اس کی دلالت بھی دلالت لفظی ہی ہو گی۔

دلالت لفظیہ کی تین قسمیں ہیں۔ وضعیہ، طبعیہ، عقلیہ
دلالت لفظیہ وضعیہ: وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت وضع [۳] کی وجہ سے ہو جیسے لفظ زید کی دلالت ذات زید پر۔ اگر لفظ زید ذات زید کے لیے موضوع نہ ہوتا تو دلالت نہ ہوتی۔

کسی لفظ کی وضع یا تو ذات کے لیے ہے یا وصف کے لیے اگر وصف کو وصف کے لیے

حاشیہ: [۱] دلالت کی تعریف کو ذہن میں رکھ کر تعریف کو سمجھو یعنی کسی چیز کا ایسا ہونا کہ اس سے دوسری سمجھی جائے اور پہلی چیز لفظ ہو تو دلالت لفظیہ ہے اور ایسے ہی سب دلالتوں کی تعریف کہو۔ ۱۲ج [۲] یعنی لفظ زید کی۔ ۱۲ اشف

[۳] یعنی لفظ سے اس کا مدلول اس وجہ سے سمجھ میں آتا ہو کہ مقرر کرنے والوں نے اس لفظ کو اس کے واسطے مقرر کر لیا ہے، جیسے یہ نام رکھ لیا۔ ۱۲ ج

وضع کیا جائے تو جب تک وہ وصف موجود ہو گا لفظ کا بولنا صحیح ہو گا ورنہ نہیں جیسے صاف پانی کا لفظ پانی پر اس وقت بولا جائے گا جب صاف ہو۔ اگر صاف پانی گندہ ہو جائے تو اس پر صاف پانی کا لفظ نہ بولا جائے گا۔

اور اگر ذات کے لیے لفظ وضع ہو اس کے لیے وصف کا پایا جانا ضروری نہیں ہے جیسے کسی انسان کا نام صالح ہو اگر وہ ہروقت برائیوں میں مبتلا رہتا ہو تب بھی اس کو صالح ہی کہتے ہیں۔

اہل حدیث کا نام محدثین کے لیے وصفی نام ہے چونکہ وہ حدیث نبوی سے اشغال رکھتے ہیں اس لیے حدیث والے کہلائے جبکہ موجودہ غیر مقلدین کے لیے یہ نام وصفی نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے فرقے کے لیے ازخود یہ نام رکھا ہوا ہے۔ بخاری شریف سے رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کی حدیث دیکھ کر یوں ظاہر کرتے ہیں جیسا انہوں نے ساری بخاری پر عمل کر لیا اور ان کا کوئی معمولی عمل بھی حدیث نبوی کے ذرا برابر اختلاف نہیں رکھتا۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ ایک لفظ بسا اوقات متعدد معانی کے لیے استعمال ہو جاتا ہے جیسے لفظ صحیح لغت میں تندرست کو کہا جاتا ہے پھر اس کو صرف' نحو' اصول حدیث وغیرہ علوم میں بطور اصطلاح کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے نزدیک اس کا خاص معنی ہے۔ کبھی ایک معنی کے لیے کئی الفاظ استعمال ہو جاتے ہیں جیسے قرآن' کتاب اللہ دونوں کا معنی ایک ہے۔

دلالت لفظیہ طبعیہ : وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت بوجہ طبیعت [1] کے اقتضاء کے ہو جیسے آہ آہ کی دلالت کسی رنج و صدمہ پر کہ تمہاری طبیعت رنج و صدمہ کے وقت اس لفظ کے بولنے کو مقتضی [2] ہے۔

• آہ آہ لفظ ہیں کیونکہ زبان سے نکلتے ہیں۔ مگر ان کو کسی معنی کی ادائیگی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ کہنے والا بے اختیار زبان سے نکالتا ہے۔ جیسے فصد کراتے وقت مگر سننے والا اس سے یہ جان لیتا ہے کہ اس کو تکلیف ہے حالانکہ آہ آہ کا معنی یہ نہیں ہے۔ اگر اس وقت وہ یہ کہے کہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے تو یہ دلالت لفظیہ طبعیہ نہیں بلکہ دلالت لفظیہ وضعیہ

حاشیہ : [1] یعنی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ جب اس میں یہ مدلول پایا جائے تو زبان پر یہ دال لفظ آ جائیں کہ جب رنج ہو تو زبان پر آہ آہ آئے' پھر آہ آہ رنج پر دلالت کرے گا۔ ۱۲ ج

[2] تو جو شخص یہ لفظ تم سے سنے گا یہ کہے گا کہ تم کو کچھ رنج ہے۔ ۱۲ شف

ہوگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے کہا تھا حاش للہ اس کلمہ کی ان کے تعجب پر دلالت' یہ دلالت لفظیہ طبعیہ ہے کیونکہ تعجب کے وقت انسانی طبیعت اس کے نکالنے کی مقتضی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس مقام پر ترجمہ و تشریح یوں کرتے ہیں "سو عورتوں نے جو ان کو دیکھا تو (ان کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور اس (حیرت میں) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں حاشا للہ" الخ

دلالت لفظیہ عقلیہ وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ ہو اور دلالت بوجہ عقل ۱؎ کے اقتضاء کے ہو جیسے دلالت لفظ دیز ۲؎ کی جو دیوار کے پیچھے سے سنا جاوے بولنے والے کے وجود پر۔۳؎

لفظ دیز (جو کہ زید کا الٹ ہے) عربی زبان میں مہمل لفظ ہے جب کوئی انسان اسی کو دیوار کے پیچھے سے بولے گا تو سننے والے کو لفظ سے کچھ بات سمجھ نہ آئے گی کیونکہ لفظ موضوع نہیں ہے البتہ سننے والا اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرے گا کہ دیوار کے پیچھے کوئی بولنے والا ہے جس کی یہ آواز ہے۔ اس لیے یہ دلالت لفظیہ عقلیہ ہے۔

لطیفہ : ایک آدمی کا بچہ زیادہ بیمار ہو گیا ڈاکٹر کو لائے' اس نے کہا کہ بچہ مرگیا ہے' بچہ بولا ابو جان میں زندہ ہوں۔ باپ غصے سے بولا خاموش تیری بات مانیں یا ڈاکٹر کی۔ اس بارے میں بچے نے ڈاکٹر سے مناظرہ نہ کیا بلکہ اس کی آواز سن کر انسانی عقل فیصلہ کرتی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ وہ بچہ کوئی اور لفظ بھی بولتا یا یوں ہی کہہ دیتا کہ ابو جان میں مرگیا ہوں تو بھی اس کی زندگی پر دلالت عقلی ہو جاتی۔ یہ دلالت لفظیہ عقلیہ کی مثال ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے فقالوا ابشر یھدوننا فکفروا یعنی لوگوں کے پاس رسل معجزات لے کر آئے تو لوگوں نے رسل کی نسبت کہا کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے تو اس قول کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔ تو ان کا یہ کہنا ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے اور یہ دلالت لفظیہ عقلیہ بنتی ہے۔ مفتی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں یعنی انہوں نے بشر کے رسول

حاشیہ ۱؎: یعنی صرف عقل اس کو چاہے اس طرح کہ یہ کسی اور چیز کا اثر ہو جیسے آواز بولنے والے کا اثر ہے۔۱۲ ۲؎۔ ایک بے معنی لفظ ہے۔۱۲ ۳؎۔ یعنی کان سے سننے والا اپنی عقل سے معلوم کرلیتا ہے کہ کوئی بولنے والا ضرور ہے۔۱۲ شف

ہونے کا انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی وناقہمی ہے۔ پھر بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا اور پتھر کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔ (کنز الایمان ص ۸۰۷)

اسی طرح دلالت غیر لفظیہ کی بھی تین قسمیں ہیں۔ وضعیہ، طبعیہ، عقلیہ۔

دلالت غیر لفظیہ وضعیہ وہ دلالت ہے کہ دال اس میں لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ وضع کے ہو جیسے لکھے ہوئے حروف ا۔ کی دلالت حروف پر مثلاً "زید" یہ نقوش ۲۔ لفظ زید پر دلالت کرتے ہیں۔

لفظ وہ ہے جو زبان سے نکلے جو کچھ ہم کاغذ پر لکھتے ہیں اس کو نقش کہا جاتا ہے مگر چونکہ یہ الفاظ پر دلالت کرتے ہیں اس وجہ سے ان کو لفظ یا اسم حرف وغیرہ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے ان نقوش کی الفاظ پر دلالت وضعی ہے کیونکہ ہر حرف کے لیے ایک خاص رسم الخط متعین ہے۔ اسی کو وضع کہتے ہیں۔ جب ہم زبان سے لا الہ الا اللّٰہ کہتے ہیں تو اس کی اپنے معنی پر دلالت لفظی وضعی ہے اور لکھے ہوئے کلمات کی دلالت غیر لفظی وضعی ہے۔

دلالت غیر لفظی وضعی کی مثالیں: فوج اور پولیس کے ہر ہر عہدہ کے مطابق الگ الگ وردی اور بیج ہوتا ہے۔ اس وردی یا بیج کی اس عہدہ پر دلالت، دلالت غیر لفظی وضعی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی دعا قبول کر لی تو حضرت زکریا نے درخواست کی کہ اے اللہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے تا کہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کو حمل قرار پا گیا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا آیتک ان لا تکلم الناس ثلاثۃ ایام الا رمزا "تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن تک باتیں نہ کر سکو گے بجز اشارہ کے۔" یہاں گفتگو پر قدرت کا نہ ہونا دال اور حمل کا ٹھہرنا مدلول ہے۔ یہ دلالت غیر لفظیہ وضعیہ ہے کیونکہ اس کو مقرر کیا گیا تھا۔

دلالت غیر لفظیہ طبعیہ وہ دلالت ہے کہ دال لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ طبیعت کے اقتضاء کے ہو جیسے گھوڑے کا ہنہنانا دلالت کرتا ہے گھاس دانے کی طلب پر۔

حیوان کی آواز اصطلاح میں لفظ نہیں کہلاتی (شرح جامی) اور چونکہ تجربہ سے ثابت

حاشیہ: ا۔ یعنی حروف کے نقش جو کاغذ پر بنے ہوئے ہیں اور حروف وہ ہیں جو زبان سے نکلتے ہیں تو ان نقشوں سے لفظ سمجھے گئے۔ ۱۲ ۲۔ جسے زبان سے کہتے ہیں۔ ۱۲

ہے کہ بھوک پیاس کے وقت گھوڑا ایسی آواز نکالتا ہے لہٰذا یہ دلالت غیر لفظیہ طبعیہ ہے۔
اسی طرح بلی کا میاؤں میاؤں کرنا دودھ کے لیے اور کتے کا بھونکنا اجنبی آدمی کی آمد پر یہ دلالت غیر لفظیہ طبعیہ ہیں۔ البتہ کتے کے بھونکنے کی دلالت کتے کے وجود پر یہ دلالت غیر لفظی عقلی ہے۔

ارشاد نبوی ہے اَلثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِکْرُ تَسْتَاْمَرُ وَاِذْنُهَا سُکُوْتُهَ (رواہ مسلم بحوالہ مشکاۃ ج ۲ ص ۹۳۷) ترجمہ "ثیبہ اپنی جان کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا سکوت ہے" تو باکرہ کی خاموشی اس کی اجازت پر دلالت کرتی ہے اور یہ دلالت غیر لفظیہ طبعیہ ہے کیونکہ اس کی طبیعت خاموشی کا تقاضا کرتی ہے بخلاف ثیبہ کے۔

دلالت غیر لفظیہ عقلیہ : وہ دلالت ہے کہ دال لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ عقل کے ہو۔ جیسے دھویں کی دلالت آگ پر یہ کل چھ قسمیں دلالت کی ہوئیں ان کو خوب یاد کرلو۔

ہم کسی چیز سے دوسری چیز کو معلوم کریں اور اس کا سبب طبیعت کا تقاضا یا بندوں کی طرف سے تعیین نہ ہو اس کو دلالت عقلیہ کہتے ہیں جیسے حکیم نبض سے مرض معلوم کرتا ہے، ڈاکٹر ایکسرے یا خون ٹیسٹ وغیرہ کے ذریعہ بیماری کا اندازہ کرتے ہیں یہ سب دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔

لطیفہ ملا نصیر الدین کے پاس اس کا ایک دوست آیا اس سے گدھا مانگا ملا صاحب کہنے لگے گدھا کوئی لے کر گیا ہوا ہے اتنے میں گدھے کے بولنے کی بلند آواز آئی۔ وہ دوست کہنے لگا ملا صاحب گدھا تو موجود ہے ملا صاحب نے کہا کمال ہے آپ میری بات نہیں مانتے گدھے کی مانتے ہیں۔ اس قصے میں ملا کے دوست نے گدھے کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی اس کی آواز کا مقصد سمجھ سکے بلکہ گدھے کی آواز اس کے وجود پر دال ہے یہ دلالت غیر لفظیہ عقلیہ کی مثال ہے۔

کسی جنگل میں عمارت کے کھنڈرات وہاں کی تہذیب کا پتہ دیتے ہیں۔ ماہرین اس سے تاریخ قدیم مرتب کرتے ہیں یہ سب دلالت عقلیہ غیر لفظیہ ہی ہے۔

جس طرح کھنڈرات عمارت پر اور عمارت معمار پر دلالت کرتی ہے اس طرح یہ نظام کائنات اور خود انسان کا اپنا وجود اور اس کے تغیرات ایک خالق قیوم پر دال ہیں۔ اور یہ

دلالت، دلالت غیرلفظیہ عقلیہ ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے سورج چاند اور ستاروں کے تغیر سے اس پر دلیل پکڑی کہ یہ عبادت کے حق دار نہیں یہ دلالت غیرلفظیہ عقلیہ ہے۔

ارشاد باری ہے ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن "اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے" معلوم ہوا کہ پاؤں مارنا مخفی زیور پر دال ہے اور یہ دلالت غیرلفظیہ عقلیہ ہے۔

سوالات

(۱) دلالت کی تعریف بتاؤ

(۲) وضع کی تعریف کرو

(۳) دلالت لفظی و غیرلفظی کی تعریف اور ان دونوں کی قسمیں بتائیں اور ہر ایک کی قرآن کریم یا حدیث شریف سے مثالیں ذکر کریں

(۴) خالی جگہ پر کرو، پہلی مثال حل شدہ ہے:

دال	مدلول	دلالت لفظیہ / غیرلفظیہ	دلالت وضعیہ / طبعیہ / عقلیہ
کھانا کھانا	الہ نہ ہونا	دلالت غیرلفظیہ	عقلیہ
سر کا ہلانا	ہاں		
سر کا ہلانا	نہیں		
سرخ جھنڈی	ریل کا ٹھہرانا		
تار کے کھٹکے کی آواز	تار کا مضمون		
لفظ، قلم، تختی، مدرسہ			
زید	انسان		
دھوپ	اس کا مفہوم		
آہ اوہ اوہ	درد		
یا اللہ مدد سے جلنا	توحید سے دشمنی		

دال	مدلول	دلالت لفظیہ/غیر لفظیہ	وضعیہ/طبعیہ/عقلیہ
بلند مینارے	مسجد		
برقعہ	عورت		
بیساکھی کا استعمال	لنگڑاپن		
مسجد سے تعلق	ایمان بالآخرۃ		
پانی کا ابلنا	پانی کی گرمی		
مردانہ لباس	مرد		
زنانہ لباس	عورت		
باکرہ کی خاموشی	رشتہ کی رضامندی		
ثیبہ کی صراحت	رشتہ کی رضامندی		
کم تولنے کی عادت	ایمان بالآخرۃ کی کمی		
غیر محرم سے آواز کی نرمی	حیا کی قلت		

(۵) دال، مدلول اور مدلول علیہ کو مثال دے کر واضح کریں

(۶) وصف کو بطور وصف اور بطور علم وضع کرنے میں کیا فرق ہے؟

(۷) لفظ اہل حدیث اور لفظ دیوبندی پر مختصر نوٹ لکھیں

سبق پنجم

دلالت لفظیہ[1] وضعیہ کی قسمیں

دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مطابقہ 'تضمن' التزام
دلالت مطابقہ [2]۔ وہ دلالت لفظیہ ہے کہ لفظ اپنے پورے موضوع لہ پر
دلالت کرے [3]۔ جیسے انسان کی دلالت مجموعہ حیوان ناطق پر۔
لفظ کو واضع نے جس معنی کے لیے وضع کیا ہے' لفظ بول کر اگر وہی معنی کامل طور پر

حاشیہ : ا۔ چونکہ اور دلالتوں سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچتا اور لفظیہ وضعیہ سے فائدہ سب سے زیادہ ہوتا ہے' اس لیے اس ہی کو بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲ج ۲۔ اس میں قدرے شرح کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے پورے معنی ٹھہرائے گئے ہیں کہ ایک جاندار عقل رکھنے والا۔ حیوان ناطق کا یہی مطلب ہے۔ اور یہ بھی ظاہر بات ہے کہ اس پورے معنی کے دو جزو ہیں یعنی حیوان اور ناطق۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کسی مجموعہ کا علم ہوتا ہے' اس کے اجزاء کا بھی علم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو انسان کے ناطق یعنی عاقل ہونے کا علم ہوگا' وہ ضرور یہ بھی سمجھے گا کہ جن علوم کے حاصل کرنے کے لیے عقل کافی ہے' انسان ان علوم کے حاصل کرنے کی ضرور قابلیت رکھتا ہے۔ پس قابلیت علوم خاصہ کا مفہوم انسان کے لوازم میں سے ہوئی اور یہ بھی ضروری بات ہے کہ جب کسی شے کا علم ہوتا ہے تو اس کے لازم کا بھی ضرور ہوتا ہے۔ اب سمجھو کہ لفظ انسان موضوع ہوا اور حیوان ناطق کا مجموعہ اس کا موضوع لہ۔ حیوان اور ناطق اس کے جزو ہوئے اور قابلیت علوم اس موضوع لہ کا لازم ہوا۔ پس جس وقت لفظ انسان بول کر حیوان ناطق مراد لی جاتی ہے' اس کی دلالت مجموعہ حیوان ناطق پر بھی ہوئی اور صرف ناطق اور قابل علوم خاصہ پر بھی ہوئی۔ مگر اتنا فرق ہے کہ مجموعہ حیوان ناطق پر قصداً" ہوئی اور صرف حیوان اور صرف ناطق اور قابل علوم خاصہ پر بلا قصد ہوئی۔ سو اس مجموعہ پر قصداً" دلالت مطابقت ہے اور ایک ایک جزو پر بلا قصد دلالت تضمن ہے اور لازم پر بلا قصد التزام ہے۔ استاد سے خوب سمجھ لینا چاہئے۔ ۱۲۔ شفیع ۳۔ یعنی اس سے پورا موضوع لہ سمجھا جاوے اور پورا ہی سمجھنا مقصود ہو۔ ۱۲

مراد لیا جائے تو لفظ کی دلالت مطابقی ہوگی۔ پھر اگر لفظ کا مصداق معنی کلی ہے تو مصداق فرد واحد بھی ہو سکتا ہے جسے اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفة (سورہ یس) "کیا انسان نے نہ دیکھا کہ ہم نے اس کو ایک نطفے سے پیدا کیا"

یہ آیات العاص بن وائل یا ابن ابی خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ تو الانسان سے وہی مراد ہے اور یہ معنی مطابقی ہی ہے۔

اور اگر لفظ کا مصداق کل ہو یعنی مختلف اجزاء سے مرکب ہو تو دلالت مطابقی تب ہوگی جب کل مراد ہو جیسے آپ کہیں میں نے قرآن پاک حفظ کیا تو اگر پورا قرآن پاک حفظ کیا تو دلالت مطابقی ہوگی۔

دلالت تضمن یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہ کے جزء پر دلالت کرے [۱]۔ جیسے انسان کی دلالت حیوان پر یا ناطق پر۔

اگر انسان کوئی ایسا لفظ بولتا ہے جو کئی اجزاء سے مرکب ہے اگر اس سے مکمل مجموعہ مراد ہو یہ دلالت مطابقی ہے اور اگر اجزاء ضمنی طور پر سمجھ میں آ جائیں تو دلالت تضمنی ہے جیسے کوئی کہے میں نے قرآن پاک حفظ کر لیا اس سے مکمل قرآن کریم کا معنی دلالت مطابقی سے ہے اور ہر ہر سورت کا معنی دلالت تضمنی سے سمجھ آتا ہے' اس کی صراحت یا ارادے کی ضرورت نہیں ہے۔ (دیکھئے حاشیہ حضرت تھانویؒ)

البتہ کبھی لفظ بول کر کسی جزء پر ہی دلالت مقصود ہوتی ہے جیسے میں نے آج فتح الباری کا مطالعہ کیا یہاں فتح الباری سے اس کا کچھ حصہ مراد ہے' ساری فتح الباری نہیں' وہ تو ۱۴ جلدوں کی ضخیم کتاب ہے۔ تو اگر جزء ہی مراد ہو' یہ مجاز کہلاتا ہے نہ کہ دلالت تضمنی

انظر شرح ملا مبین علی سلم العلوم ج ۱ ص ۵۹ والتوضیح مع التلویح ج ۱ ص ۱۵۸ والتقریر والتحبیر ج ۱ ص ۱۰۰۔

دلالت التزام یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے [۲]۔ جیسے انسان کی دلالت قابلیت علم پر۔

حاشیہ: [۱] یعنی جزو سمجھا جائے مگر مقصود ہو پورا' اور جزو اس واسطے بلا قصد سمجھا جاتا ہو کہ پورا سمجھنا بدون جزو کے نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

[۲] یعنی لازم بھی سمجھا جاتا ہو بلا قصد کے اور مقصود موضوع لہ ہی ہو۔ مثال =

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب المستصفی ص ۱۴ میں دلالت التزام کی مثال دی ہے جیسے چھت کی دلالت دیوار پر یعنی چھت کا وجود بغیر دیوار یا ستون کے نہیں ہوتا تو جب کوئی کہے کہ میں نے چھت تعمیر کی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ پہلے دیواریں یا ستون بنائے پھر چھت بنائی۔ اگر کوئی آدمی کہے میں نے کل مکان کی چھت بنائی اس کے جواب میں یہ کافی ہو گا کہ تیرے مکان کی تو ابھی بنیادیں نہیں ہیں یا تیرے مکان کی ابھی تک ستون یا دیواریں نامکمل ہیں چھت کیسے ہو گئی۔ اس طرح اگر کوئی مرد یہ کہے کہ فلاں بچہ میرا حقیقی بیٹا ہے' اس کے جواب میں یہ کافی ہو گا کہ تیری تو ابھی تک شادی نہیں ہوئی' نکاح کے بغیر بیٹا کیسے ہو گا۔ اور اگر بغیر نکاح کے حمل ٹھہر بھی جائے تو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہو گا۔ زانی نہ تو باپ کہلائے گا اور نہ ہی زانی کے لیے خرچہ یا وراثت کے احکام ثابت ہوں گے۔

اگر کسی چیز کے تصور سے اس کی ضد کا تصور ضروری ہو تو یہ بھی دلالت التزامی کہلاتی ہے۔ جیسے نابینا کے تصور کرنے سے بینا کا تصور ضرور آ جاتا ہے' غیر مسلم کے تصور سے مسلم کا تصور ضرور ہوتا ہے۔ غیر مقلد کے تصور سے مقلد کا تصور آتا ہے۔ یہ سب دلالت التزامی کی مثالیں ہیں۔

فائدہ : مزید فیہ اور مزید علیہ کے درمیان میں عموماً دلالات ثلاث میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے یعنی مزید فیہ کا مدلول یا تو بعینہٖ مزید علیہ کا مدلول ہو گا جیسے مصدر میمی کی معنی مصدری پر نیز خاصہ موافقت کے وقت مجرد اور مزید فیہ دونوں کی ایک دوسرے کے مدلول پر دلالت مطابقی ہوگی۔ اور یا مزید فیہ کا معنی مزید علیہ کے معنی کا جز ہو اس وقت مزید فیہ کی دلالت مزید علیہ کے مدلول پر تضمنی ہو گی جیسے مصدر سے افعال یا مشتقات نکالتے ہیں افعال یا مشتقات میں معنی مصدری پایا جاتا ہے۔

ضرب = ضرب + زمانہ ماضی + نسبت الی الفاعل

ضارب = ضرب + کرنے والا

اتخاذ کے خاصہ میں بھی فعل کی دلالت ماخذ کے مدلول پر دلالت تضمنی ہے جیسے توسد الحجر بمعنی اتخذ الحجر وسادۃ اسی طرح اعطاء ماخذ' طلب' حسبان' لیاقت' مبالغہ' قصر' الباس' تحول' صیرورت' تصییر کے اندر لفظ کی اپنے ماخذ پر دلالت تضمنی ہے۔

ـه حاشیہ میں سمجھ لیجئے۔ ۱۲ ج

کبھی مزید فیہ کے تصور کے ساتھ مزید علیہ کا تصور ضروری ہے اس وقت مزید کی دلالت مزید علیہ کے مدلول پر التزامی ہوگی جیسے سلب ماخذ تعدیہ' مطاوعت اور الزام میں لفظ کی اپنے ماخذ پر دلالت التزامی ہے۔ جیسے اخرج خالد حامداً اس میں خروج کا تصور لازم ہے هَدَيْتُهُ فَاهْتَدٰى۔ اِهْتَدٰى میں ماخذ کا تصور دلالت التزامی سے ہو رہا ہے۔ أَحْمَدَ یعنی قابل تعریف ہوا اس میں حمد کا تصور لازمی ہے۔ البتہ خاصہ ابتداء اور اقتضاب کے وقت تینوں دلالتوں میں سے کوئی دلالت نہیں ہوگی۔

کسی کے لیے مجہول یا مفعول کا صیغہ بولنے سے دلالت التزامی کے طور پر فاعل کا تصور ہوتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ صیغہ بھی مجہول کا ہو اور فاعل بھی کوئی نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ام خلقوا من غير شيءٍ ام هم الخالقون یعنی اپنے آپ کو مخلوق کہنے سے دلالت التزامی سے خالق کے وجود کا اقرار لازم آتا ہے۔

فائدہ : دلالت کے ساتھ مطابقت وغیرہ کو اگر بذریعہ اضافت ملایا جائے تو عبارت یوں ہوگی دلالة مطابقة' دلالة تضمن' دلالة التزام اور کبھی حرف جر کا واسطہ لاکر یوں کہتے ہیں دلالة بالمطابقة وغیرہ اور کبھی موصوف صفت کرتے ہیں اس وقت یا نسبت آ جاتی ہے یوں ہوگا دلالة مطابقية' دلالة تضمنية' دلالة التزامية اردو میں عموما مطابقی' تضمنی' التزامی بغیر تا کے استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ : عام طور پر دلالات ثلاثہ کے لیے انسان ہی کی مثال دی جاتی ہے اگرچہ ہم نے اس مقصد کے لیے آسان مثالیں کافی دی ہیں مگر اصل مثال کو حل کرنا ضروری ہے انسان کی دلالت حیوان ناطق پر اصل وضع کے اعتبار سے ہے یعنی انسان وہ ہوتا ہے جو جاندار ہو اور اس میں بولنے کی صلاحیت ہو عند ارتفاع الموانع یا انسان جاندار عقلمند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر علم کی صلاحیت بھی رکھی ہے۔ اس کو قابلیت علم سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب عام آدمی لفظ انسان بولتا ہے اس کا مصداق اگرچہ حیوان ناطق ہے مگر عام آدمی ان اجزاء کا تصور ذہنی میں نہیں لاتا منطقی کے نزدیک لفظ انسان بیک وقت حیوان پر بھی دلالت کرتا ہے ناطق پر بھی یا یوں سمجھو کہ لفظ انسان کے معنی کے ضمن میں حیوان بھی آگیا اور ناطق بھی اس وجہ سے یہ دلالت تضمنی ہے۔

اسی طرح کسی مرکب پر اس کے نام کا اطلاق کیا جائے تو سارے اجزاء اس کے ضمن

میں آ جاتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی جوارش جالینوس کا لفظ بولتا ہے عام انسان تو اس سے تیار شدہ دوائی سمجھے گا۔ لیکن ایک طبیب اس سے اجزاء کا تصور بھی کرے گا۔ پھر اس کا فائدہ بھی ذہن میں آئے گا اگر فائدہ نہ ہوا تو سمجھے گا کہ دوائی صحیح نہیں ہے۔ جوارش جالینوس کی دلالت تیار شدہ دوائی پر مطابقی' اس کے اجزاء پر تضمنی اور فائدے پر التزامی ہے۔

دلالات ثلاث کی وضاحت ایک اور مثال سے : ایک طبیب بازار سے خمیرہ گاؤ زبان لینے کے لیے کسی کو بھیجتا ہے۔ پنساری کے پاس خمیرہ گاؤ زبان ہے تو اس کو دے گا اور اگر نہیں ہے تو اس کے مفردات یعنی اجزاء دے دے کہ حکیم صاحب سے کہو خود بنا لے اور یا اس کی جگہ کوئی اور دوائی دے دے کہ یہ لے جاؤ ویسا ہی فائدہ دیتی ہے۔ پہلی صورت میں جب خمیرہ ہی دے' دلالت مطابقی ہے اور اجزاء دیتا ہے تو دلالت تضمنی ہے اور اگر کوئی اور دوا دیتا ہے ایک جیسا فائدہ دیکھ کر تو یہ دلالت التزامی ہے کہ اس کے لازم یعنی دوائی کے فائدہ کو مد نظر رکھا ہے۔

تدریب

(ا) خالی جگہ پر کریں

دال	مدلول	دلالت کی نوع
نابینا	آنکھ	
لنگڑا	ٹانگ	
درخت	شاخیں	
نکٹا (جس کا ناک کٹا ہو)	ناک	
ہدایہ	کتاب الصوم	
ہدایہ النحو (ا)	المقصد الاول	
چاقو	اس کا دستہ	
باپ	بچہ	

(ا) مطبوعہ نسخوں میں ہدایہ النور ہے۔ چونکہ ہدایہ النحو میں ہے المقصد الاول فی المرفوعات اس لیے یہ تصحیح کی گئی۔

بیٹا	بیوی
استغفار	مغفرت
یَابط	ابط
خرجت	خروج
تعالیٰ	علا
قرآن پاک	ایک سورت
تیسیر المنطق	درس پنجم

(۲) دلالت لفظیہ وضعیہ کی تینوں قسمیں بمع مثال ذکر کریں

(۳) مندرجہ ذیل میں دلالت تضمنی کی صحیح مثال کون سی ہے؟

۱۔ انسان کی دلالت حیوان پر یا ناطق پر

۲۔ انسان کی دلالت صرف حیوان پر یا صرف ناطق پر

(۴) مندرجہ ذیل الفاظ سے دلالت التزامی سے کیا سمجھ آتا ہے؟

چھت، حقیقی بیٹا، باپ، نابینا، غیر مقلد، بے ایمان، ناکافی، ناجائز

(۵) مزید فیہ، مزید علیہ کے درمیان دلالات ثلاثہ میں سے عموماً کوئی ایک پائی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت مثالوں سے کریں

(۶) کس خاصہ میں ماخذ پر دلالت مطابقی ہے، کس میں تضمنی اور کس میں التزامی؟ بمع مثال

(۷) فعل مجہول فاعل پر دلالت کرتا ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ بتائیں کہ کس دلالت سے؟

(۸) جب ہم کہتے ہیں مجلس = مکان + جلوس تو اس سے کون سی دلالت سمجھ آتی ہے؟

(۹) لفظ انسان تینوں دلالتوں کی مثال کس طرح بنتا ہے؟

(۱۰) دلالات ثلاثہ کی وضاحت کے لیے کوئی اور آسان مثالیں ذکر کریں

سبق ششم

مفرد و مرکب

مفرد وہ لفظ ہے کہ اس کے جزء سے اس کے معنی کے جزء پر دلالت کا قصد نہ ہو جیسے لفظ زید کہ اس کے جزء "ز" سے مثلاً اس کے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ نہیں بلکہ دلالت ہی نہیں۔ ا۔

مفرد مرکب مختلف علوم میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں مصنف یہاں صرف وہ معنی ذکر کرتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے مخلوق کے ہر فرد کو مرکب کہا وہ یہ فرماتے ہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ وجود اور عدم سے مرکب ہے کسی آدمی کا قد چھ فٹ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ چھ فٹ تک وجود اور باقی ساری کائنات کے عدم سے مرکب ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ مرکب نہیں ہے وہاں عدم کا نام و نشان نہیں ہے سب صفات کمالیہ اس کے لیے ہیں وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ عدم سے بڑھ کر اور کون سا عیب ہو گا۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے وجود سے پاک ہے تو یہ تو خود بڑا کمال ہے کیونکہ مخلوقات کا وجود حادث ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے (انظر تقریر دل پذیر ص ۱۳۴، ۱۳۵)

لفظ زید اگرچہ موضوع ہے مگر اس کے تینوں حرف الگ الگ کوئی معنی نہیں دیتے بلکہ مہمل ہیں۔

مفرد کی چار قسمیں ہیں اول: اس لفظ کا جزء نہ ہو جیسے لفظ "کہ" ۲۔ اردو میں

حاشیہ: ا۔ کیونکہ جب لفظ زید بول کر اس کی ذات مراد لیتے ہیں تو یہ نہیں ہے کہ حرف "ز" کی دلالت زید کے ایک جزو پر اور حرف "ی" کی دلالت ایک جزو پر اور حرف "د" کی دلالت ایک جزو پر ہو۔ ۱۲ شف

۲۔ اس میں جو ہا ہے، وہ حرف کسرہ ظاہر کرنے کے واسطے ہے اور اصل لفظ "ک" ہی ہے۔ ۱۲

اسی طرح عربی زبان میں "ب، ت، ک، ل، و" حروف جارہ مفرد ہیں ان کا جزء ہی نہیں ہے جب ادا ہوں گے مکمل ہی ادا ہو جائیں گے۔ ان کے علاوہ اور بھی مفرد حروف عربی زبان میں کامل معنی دیتے ہیں مثلاً "ق" فعل امر ہے "ت" ضمیر مخاطب اسم ہے۔ اردو زبان میں حرف "کہ" "نہ" "وہ" اور "یہ" چار ایسے کلمات ہیں جن کے اجزاء نہیں ان کے آخر میں "ہ" لکھی جاتی ہے، پڑھی نہیں جاتی۔ اور یہ یا عربی زبان میں ہائے سکتہ کے مشابہ ہے جو کہ ایک حرفی کلمہ کے آخر میں لکھی جاتی ہے جیسے ق سے قہ پھر اگر ق صیغہ امر کے اندر انت ضمیر نکالیں تو یہ مرکب ہو جائے گا۔

فائدہ اگر کہنا سے امر کا صیغہ لکھیں تو آخر میں ایک اور ہا بڑھا کر یوں لکھتے ہیں "کہہ" تا کہ "کہہ" اور "کہ" میں فرق ہو جائے۔

فائدہ "وہ" اور "یہ" کے بعد جب "ہی" لگایا جائے تو یہ زائد ہا گر جاتا ہے' "وہی' یہی" پڑھتے ہیں۔ البتہ فیروز اللغات میں ہے "یہی' یہ ہی کا مخفف ہے" (انظر فیروز اللغات جدید ص ۱۴۷۹) واللہ اعلم

دوم : لفظ کا جزء ہو مگر وہ معنی دار نہ ہو جیسے انسان کہ الف ونون' سین وغیرہ کے کچھ معنی نہیں

لفظ انسان مکمل طور پر انسان کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ہمزہ سے انسان کے بازو' نون سے چہرہ وغیرہ مراد ہو بلکہ مکمل لفظ سے مکمل معنی ہی مراد ہے۔ تو لفظ انسان موضوع ہے' اس کا ایک ایک حرف مہمل ہے۔

شاگرد : استاد جی انشاء مفرد ہے یا مرکب؟

استاد : اگر اسے انشا ینشیٔ کا مصدر بنائیں تو مفرد ہے اور اگر ان حرف شرط اور شاء فعل ماضی ہو تو مرکب ہے۔ قرآن کریم میں دونوں طرح اس کا استعمال ہوا ہے۔ سورۃ کہف میں ہے

ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ترجمہ "اگر اللہ نے چاہا' آپ مجھے صابر پائیں گے"

اور سورہ واقعہ میں ہے

انا انشأناهن انشاء ترجمہ "ہم نے ان عورتوں کو خاص طور سے بنایا ہے"

شاگرد : پھر تو ایک ہی لفظ مفرد بھی ہو گیا اور مرکب بھی۔

استاد : بالکل نہیں جو مصدر ہے وہ اور لفظ ہے۔ اس کو انشاء لکھیں گے اور جو حرف شرط اور ماضی سے مرکب ہے وہ اور لفظ ہے۔ اس کو ان شاء لکھیں گے۔

سوم لفظ کا جزء ہو اور معنی دار بھی ہوں لیکن جو معنی تم کو مقصود ہیں' اس (کے کسی جزء) پر (لفظ کا جزء) دلالت نہ کرتا ہو جیسے لفظ عبد اللہ کسی کا نام ہو تو عبد ۱ے اور اللہ (اس لفظ عبد اللہ) کے معنی دار جزء ہیں مگر جس شخص کا یہ نام ہے اس کے جزء پر دلالت نہیں کرتے۔

اس طرح جتنے اعلام مرکب ہیں وہ علمیت سے قبل الگ الگ مفہوم دیتے ہیں جیسے غلام محمد' عبد اللہ' عبد صالح' امتہ اللہ وغیرہ' ان سب کا جزء اول اور معنی دیتا ہے اور جزء ثانی اور' لیکن علمیت کے بعد مرکب ناقص ذات کاملہ پر بولا جاتا ہے۔

لفظ اہل حدیث علمیت سے پہلے وصفیت کا معنی دیتا ہے یعنی علم حدیث سے اشغال رکھنے والے لوگ لیکن علمیت کے بعد ایک خاص فرقہ کے لوگ ہیں تو اہل حدیث محدثین کے لیے لفظ مرکب ہے اور غیر مقلدین کے لیے لفظ مفرد ہے واللہ اعلم۔

اس طرح لفظ دیوبندی جبکہ عرف عام میں ایک مکتب فکر کے لیے استعمال ہوا ہے تو اب اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو علماء دیوبند سے عقائد میں متفق ہوں گے۔ اس کے ایک ایک حرف سے الگ الگ معنی نکالنا علماء کی شان کے لائق نہیں ہے ورنہ تو کوئی لفظ بھی صحیح معنی نہیں دے سکے گا۔

البتہ بعض الفاظ مخفف ہوتے ہیں ان کے ہر ہر جزء کا الگ الگ معنی لیا جاسکتا ہے جیسے واپڈا کا لفظ مخفف ہے۔ ڈی سی کا لفظ مخفف ہے۔ کنز الدقائق میں ہے مسئلۃ البئر جحط یہ بھی مخفف ہے۔ مگر دیوبند کا لفظ مخفف نہیں ہے۔

چہارم : لفظ کے جزء معنی دار ہوں اور جو معنی تم کو مقصود ہیں اس کے جزوں پر بھی دلالت کریں لیکن اس دلالت کا تم نے ارادہ نہیں کیا جیسے حیوان ناطق ۲ے کسی شخص کا نام رکھ دیں تو معنی مقصود کے جزوں پر اس کے جزء دلالت کرتے ہیں مگر نام رکھنے کی حالت میں تم کو یہ دلالت مراد نہیں۔

حاشیہ : ۱ے بندہ۔ اور اللہ : خدا یعنی وہ ذات جو تمام کمال کی صفتوں کی جامع ہے۔ ۱۲

۲ے کیونکہ جس آدمی کا نام ہے' وہ حیوان ناطق ہی ہے مگر خاص خاص حالتوں کے ۱۲

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آپ کسی جوان آدمی کا نام جوان آدمی رکھ دیں یا کسی سہل ترین کتاب کا نام آسان کتاب رکھ دیں یا کسی شریر ترین آدمی کا نام نفس امارہ رکھ دیں اب معنی میں دونوں باتیں ہیں مگر نام رکھنے کے بعد جب آپ یہ الفاظ بولیں گے تو جزء کی جزء پر دلالت مراد نہیں ہوتی بلکہ دونوں جزوں کی مسمیٰ پر من حیث المجموعہ دلالت ہوگی لہٰذا علمیت کے بعد یہ کلمات مفرد ہوں گے۔

مفرد کی تیسری اور چوتھی قسم عموماً" علم کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

مرکب وہ لفظ ہے کہ اس کے جزء سے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ کیا جاوے جیسے زید کھڑا ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے [ا] کہ اس کے جزء سے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ کیا گیا (ہے)

زید کھڑا ہے جب جملہ ہو تو مرکب ہے اور اگر کسی کا نام رکھ دیا جائے تو یہ بھی مفرد ہو جائے گا جیسے کوئی بہت تیز چلنے والا ہو اس کا نام رکھ دیا جائے "وہ گیا" ایک کتاب کا نام ہے محمد رسول اللہ اس وقت یہ مفرد ہے اگر علم نہ ہو تو مرکب ہے فعل ماضی اور فعل مضارع کا پہلا صیغہ مفرد یضربان، تضربان وغیرہ مرکب ہیں البتہ اَضرِبُ، نَضرِبُ کو منطقی مرکب مانتے ہیں کیونکہ ہمزہ اور نون متکلم پر دال ہیں۔ تضرب واحد مونث غائب مفرد ہے اور تَضرِبُ واحد مذکر حاضر کو مرکب لکھتے ہیں لیکن اس میں اشکال ہے۔ وہ اس طرح کہ باب تَفَعُّل کا ماضی اور امر بظاہر ایک جیسا ہے، اسی طرح تَضرِبُ کی تا اگر مخاطب پر دال ہو تو اِضرِبْ میں مخاطب پر کس کی دلالت ہوگی؟ ہمزہ تو گر سکتا ہے، لہٰذا اس کو بھی مفرد کہنا

ـ ساتھ ہے تو موضوع لہ بھی حیوان ناطق مع خاص حالتوں کے ہوا اور موضوع بھی حیوان ناطق ہے تو حیوان کی حیوان پر، ناطق کی ناطق پر دلالت ہوئی مگر نام میں یہ مراد نہیں ہوا کرتی۔ ۱۲ ج

[ا] کیونکہ اس عبارت کے کئی جزو ہیں اور اس عبارت کے معنی کے بھی کئی جزو ہیں اور عبارت کے ایک ایک جزو سے معنی کے ایک ایک جزو پر دلالت کرنا مقصود بھی ہے۔ ۱۲ شف

چاہئے۔ واللہ اعلم

اسم میں واحد اور جمع مکسر مفرد ہیں لیکن تثنیہ اور جمع سالم مرکب ہیں جیسے کتاب کی جمع کتب ہے اس میں ترکیب نہیں جبکہ (رجلان) = (رجل + ان)، (مسلمون) = (مسلم + ون)، اس لیے (رجلان - ان) = (رجل)، (مسلمون - ون) = (مسلم)، کتب اگرچہ کتاب + کتاب + کتاب کے برابر ہے مگر کتب سے کسی کو نکال کر کتاب نتیجہ نہیں نکال سکتے۔

جس اسم کے ساتھ لام تعریف یا تنوین ہے اس کو بھی مرکب کہہ سکتے ہیں کیونکہ الف لام تعریف کا اور تنوین عموماً "تنکیر کا معنی دیتی ہے۔ واللہ اعلم

تدریب

س (۱) ان مثالوں میں بتاؤ کون سا لفظ مفرد ہے کون سا مرکب: [1]

احمد، مظفر نگر، اسلام آباد، عبد الرحمٰن، ظہر کی نماز، رمضان کا روزہ، ماہ رمضان، جامع مسجد، دہلی کی جامع مسجد خدا کا گھر ہے۔

س (۲) خالی جگہ پر کرو

لفظ	مدلول	مفرد / مرکب
محمد رسول اللہ	محمد اللہ کے رسول ہیں	
محمد رسول اللہ	ایک کتاب کا نام	
حی علی الفلاح	کامیابی کی طرف آؤ	
حی علی الفلاح	کتاب کا نام	
شرح تہذیب	تہذیب کی شرح	
شرح تہذیب	کتاب کا نام	
عینان	دو چشمے	
ازالہ الریب	شک کو دور کرنا	
ازالہ الریب	کتاب کا نام	
راہ سنت	سنت کا راستہ	

[1] ان کے موضوع لہ بھی بتاؤ۔

راہ سنت	کتاب کا نام
عبد الرحمٰن	آدمی کا نام
عباد الرحمٰن	رحمٰن کے بندے
بڑے میاں	بوڑھا آدمی
بڑے میاں	کسی کا نام
بارک اللہ	اللہ برکت دے
حیوان ناطق	ہینکے والا جاندار
ابن عباس	نام
ابن حامد	حامد کا بیٹا
حدیث شریف	عزت والا کلام
رسول اللہ	اللہ کے رسول
مومنون	کئی ایمان والے

س (۳) مفرد کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام بیان کر کے مثالیں دیں

س (۴) لفظ زید کے تینوں حروف موضوع ہیں یا مہمل اور کیوں؟

س (۵) اللہ تعالی کی سوا موجودات مرکب ہیں' کس طرح؟

س (۶) عربی اردو کے کچھ ایسے کلمات ذکر کریں جو ایک حرف پر مشتمل ہیں

س (۷) لفظ قِ' رَ مفرد بھی ہو سکتا ہے مرکب بھی' وہ کس طرح؟

س (۸) لفظ انشاء مفرد ہے یا مرکب

س (۹) اہل حدیث محدثین کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور غیر مقلدین کے لیے بھی' کب مفرد ہے اور کب مرکب اور کیوں؟

س (۱۰) لفظ دیوبند کے ایک ایک حرف سے معانی نکالنا کیسا ہے؟

س (۱۱) چند مخفف الفاظ تحریر کریں

س (۱۲) مفرد کی چوتھی قسم کی کچھ مثالیں ذکر کریں

س (۱۳) ماضی' مضارع اور امر کے صیغے کب مفرد ہیں اور کب مرکب؟

س (۱۴) مفرد' تثنیہ' جمع سالم' جمع مکسر میں سے کون سی قسم مفرد ہے اور کون سی مرکب اور

کیوں؟

س (۱۵) خالی جگہ پر کریں

(کتاب+کتاب) = (　　　)

(امراتان- امراۃ) = (　　　)

(مسلمة+ مسلمة+ مسلمة) = (　　　)

سبق ہفتم

کلی و جزئی کی بحث

مفہوم (یعنی جو شے ذہن میں آتی ہے) کی دو قسمیں ہیں کلی و جزئی۔

جب انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے یا کوئی لفظ سنتا ہے تو اس کے ذہن میں جو معنی آتا ہے اس کا نام مدلول اور مفہوم ہے۔ یعنی معنی مفہوم اور مدلول ایک ہی چیز ہے کلی کل کی طرف اور جزئی جزء کی طرف منسوب ہے اس کے آخر میں یا مشدد ہے۔ کل اور کلی نیز جزء اور جزئی کا فرق عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

جزئی وہ مفہوم ہے کہ اس میں شرکت نہ ہو سکے ا۔ یعنی ایک شے معین پر صادق آوے جیسے زید کہ ایک خاص شخص کا نام ہے۔

انسان کسی بھی خاص شے کو دیکھتا ہے تو اس کی جو صورت ذہن میں آتی ہے وہ کسی اور پر فٹ نہیں بیٹھتی حتی کہ دو جڑواں بھائیوں میں سے ایک کی صورت دوسرے سے الگ ذہن میں آتی ہے۔ ایسی چیزوں کو جزئی کہا جاتا ہے۔

کلی وہ مفہوم ہے کہ اس میں شرکت ہو سکے یعنی کئی چیزوں پر صادق آوے ۲۔ جیسے آدمی کہ زید عمرو بکر ان سب کو آدمی کہنا صحیح ہے۔

کلی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا مفہوم صرف ایک چیز کے ساتھ خاص نہ ہو خواہ اس کے افراد موجود ہوں یا ممکن یا ممتنع

کلی کی چند مثالیں:

۱) واجب الوجود (وہ ذات جس کا وجود ضروری ہے اس پر عدم نہیں آ سکتا) اگرچہ اس کا مفہوم عام ہے مگر صرف اللہ تعالٰی ہی واجب الوجود ہے باقی ساری کائنات ممکن

حاشیہ: ا۔ یعنی کئی چیزوں پر بولے جانے کا احتمال ہی نہ ہو جیسے زید اور یہ گھوڑا وغیرہ۔ ۱۲ ج

۲۔ یعنی صادق آنے کا احتمال ہو، چاہے صادق آئے چاہے نہ بھی آئے جیسے سونے کا پہاڑ ایک کلی ہے کہ بہتوں پر صادق آ سکتا ہے مگر چونکہ اس کا وجود نہیں، اس لیے صادق کسی پر نہیں آتا۔ ۱۲ ج

الوجود ہے۔ دوسرا واجب الوجود نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

۲) ملء الارض ذھبا زمین کے برابر سونا اگرچہ موجود نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اس کا مفہوم عام ہے اگر مختلف جگہوں میں زمین کے برابر سونا ہو اس پر یہی لفظ بولا جائے گا۔

۳) خاتم النبیین ۔ اس کا مفہوم اگرچہ کلی ہے مگر اس کا صرف ایک ہی فرد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے مگر کرے گا نہیں۔

۴) لفظ رسول، نبی، انسان، ملک وغیرہ یہ بھی کلی ہیں اور ان کے افراد بھی متعدد ہیں۔

مندرجہ بالا مثالوں سے معلوم ہوا کہ کلی کے لیے متعدد افراد کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ مفہوم عام ہو۔

کلی جن چیزوں پر بولی جاتی ہے وہ اس کے جزئیات و افراد کہلاتے ہیں۔ جیسے انسان کے افراد وجزئیات زید عمرو بکر وغیرہ ہیں اور حیوان کے جزئیات انسان بکری بیل وغیرہ ہیں۔

کلی و جزئی کی وضاحت کے لیے ایک مثال سمجھ لیں۔

زید عمرو بکر ہر ایک کی الگ الگ شخصیت ہے ان سب کے اندر علاوہ انسان ہونے کے الگ الگ تشخصات پائے جاتے ہیں گویا۔

زید = انسان + زید کا تشخص

عمرو = انسان + عمرو کا تشخص

بکر = انسان + بکر کا تشخص

اسی طرح انسان گھوڑا گدھا سب اپنا الگ تشخص رکھتے ہیں مگر حیوان ہونے میں برابر ہیں۔ گویا

انسان = حیوان + ناطق

گھوڑا = حیوان + صاہل

گدھا = حیوان + ناہق

اس سے معلوم ہوا کہ زید عمرو بکر تینوں کا ایک جزء انسان ہے تو جب ہم نے ان تینوں کو انسان کہا تو گویا ہم نے ان کو ان کی حقیقت کے ایک جزء کی طرف منسوب کر دیا۔

گویا ہم نے یوں کہا زید و عمرو وبکر منسوبون الی الانسان الذی ھو جزء من حقیقتھم' اس لیے ان کو بہ نسبت انسان کے جزئیات کہا ہے اور جب انسان کو زید عمرو بکر کی طرف نسبت کرتے ہیں تو وہ کل کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لیے اس کو کلی کہتے ہیں یعنی کل والا۔

فائدہ : جزئی کا لفظ کبھی تو ان افراد پر بولا جاتا ہے جن میں بالکل شرکت نہ ہو سکے اور کبھی ان پر بھی بولا جاتا ہے جن پر بڑی کلی صادق آتی ہو جیسے مصنف نے کہا کہ حیوان کے جزئیات انسان بکری بیل ہیں۔

فائدہ : جس طرح اسم علم (خاص چیز کا نام) اور اسم اشارہ جزئی ہے' اس طرح اسم نکرہ کلی اضافت الی الجزئی اور ندا سے بھی جزئی بن جاتا ہے۔ مثالیں : ھذا الکتاب کتابک یا رجل

فائدہ لفظ شمس کلی ہے' اگرچہ اس کا ایک ہی فرد ہے کیونکہ اگر بالکل اسی قسم کا کوئی اور روشن جسم ہو تو اس کو بھی شمس ہی کہا جائے گا۔

شاگرد : استاد جی ! سورج کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ممکن ہے ہر روز نیا سورج نکلتا ہو' ہم اس پر مہر لگا کر تو نہیں بھیجتے۔

استاد : ارشاد باری تعالیٰ ہے وجعلنا سراجا وھاجا ترجمہ "اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا" مراد آفتاب ہے۔

دوسری جگہ ہے والشمس تجری لمستقر لھا واللہ اعلم

تدریب

سوال : مندرجہ[1] ذیل اشیاء میں غور کر کے بتاؤ کہ کون کلی ہے اور کون جزئی :

گھوڑا' بکری' میری بکری' زید کا غلام' سورج' یہ سورج' آسمان' یہ آسمان' سفید چادر' سیاہ کرتہ' ستارہ' دیوار' یہ مسجد' یہ پانی' میرا قلم۔

سوال : کلی اور جزئی کی وجہ تسمیہ ذکر کرو۔

سوال : اسم اور کلمہ دو لفظ ہیں۔ ان میں سے کون سا کل ہے کون سا جز ہے کون سا کلی ہے اور کون سا جزئی ہے؟ وضاحت سے بیان کریں

---

[1] ایک ضروری بات یہ سمجھو کہ کلی کبھی اسم اشارہ لانے سے کبھی جزئی کی طرف مضاف کرلینے سے کبھی منادی بنانے سے وغیرہ وغیرہ صورت میں ایک سے خاص ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ جزئی بن جاتی ہے۔ ۱۲ ح

سوال : کیا کوئی ایسی بھی کلی ہے جس کا ایک ہی فرد ہو؟ بمعہ مثال واضح کریں
سوال : خط کشیدہ میں کلی اور جزئی کو جدا جدا کریں۔
رب موسی وهرون' اذهبا الی فرعون' لکل فرعون موسی' جاء نی اُفَیْضِلُ وأُفَیْضِلٌ اٰخَرَ' ذلک الکتاب' ذلکم اللّٰہ ربکم' ءالٰه مع اللّٰہ' هل من خالق غیر اللّٰہ' ان هذا لمکر
لفظ اللہ ٭ بمعنی واجب الوجود و معبود بالحق' لفظ اللہ (جب ذات مقدسہ کا علم ہو)'
راہ ہدایت (ہدایت کا راستہ)' راہ ہدایت (نام کتاب)
سوال : کیا کلی کے لیے کثیر افراد کا خارج میں پایا جانا ضروری ہے؟
سوال : کلی کو جزئی بنانے کے کیا طریقے ہیں؟

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ نے دلالت کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ مطابقی' تضمنی' التزامی' تفطنی۔ فرماتے ہیں :

دلالة اللفظ علی ما وضع له مطابقة وعلی جزءه تضمن وعلی الخارج للزوم فهمه التزام ولمرجح آخر تفطن ومنه المستنبط ومقصد اللغز والمعمی (تکمیل الاذہان ص ۴۴)

اس عبارت کی وضاحت ان شاء اللہ کسی اور مقام پر کریں گے۔ صرف ایک دو مثالیں ضروری ہیں۔ الکلمة کو کلم سے مشتق مانتے ہیں کیونکہ کلم کا معنی زخمی کرنے کے ہیں اور کلمات بھی بسا اوقات دلوں کو زخمی کرنے کا باعث بنتے ہیں لیکن یہ لازم نہیں ہے اس لیے کلمہ کی دلالت کلم کے مدلول پر دلالت تفطنی ہوگی۔

تمسکن کا معنی ہے مسکین ہونا اور سکن کا معنی رہائش کرنا' ٹھہرنا۔ مسکین کو ٹھہرنا لازم نہیں ہے البتہ مسکین کو آنے جانے میں مشکلات ہوتی ہیں تو مسکین کی دلالت سکن کے مدلول پر دلالت تفطنی ہوگی۔

التزامی اور تفطنی میں فرق یہ ہے کہ التزامی میں مدلول کی طرف ذہن ضرور جاتا ہے اور تفطنی میں ذہن کا مدلول کی طرف منتقل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ عموماً غور و فکر کے بعد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

سبق ہشتم

حقیقت و ماہیت شے کی بحث اور کلی کی قسمیں

حقیقت یا ماہیت ۱؎ کسی شے کی وہ چیزیں ہیں کہ جن سے ۲؎ وہ شے مل کر بنے اور اگر ان میں سے ایک چیز نہ ہو تو وہ شے موجود نہ ہو جیسے مثلاً انسان ہے ان کی حقیقت حیوان ناطق ہے اور جو چیزیں حقیقت کے سوا ہیں وہ عوارض کہلاتی ہیں جیسے انسان کے اندر کالا گورا عالم یا جاہل ہونا عوارض ہیں کہ ان پر انسان کا وجود ۳؎ موقوف نہیں ہے۔

حیوان کا معنی ہے جاندار اور ناطق کا معنی ہے بولنے والا۔

شاگرد: استاد جی انسان کے لیے حیوان ہونا ضروری ہے تو فوت کیوں ہو جاتا ہے؟

استاد: جب موت آ جائے پھر انسان نہیں اس کی لاش رہ گئی۔ رہی بات عالم برزخ کی تو ہماری ظاہری نگاہ میں قبر کے اندر انسان نہیں اس کی لاش ہی ہوتی ہے اور قبر کی حیات برزخیہ کا ادراک انسانی حواس نہیں کر سکتے اور منطقیوں کے قواعد ظاہری نظر پر مبنی ہیں۔

شاگرد: استاد جی گونگا اور اس طرح جس کی زبان پر فالج ہو گیا ہو یا چھوٹا بچہ ناطق نہیں

حاشیہ: ۱؎ بناء علی ترادفهما فی بعض الاوقات وفی الاکثر یفرق بینهما باعتبار الوجود فی الحقیقة والمراد بالشئ الذی اضیف الیه الماهیة والحقیقة هو المرکب باعتبار المقام والا فالماهیة عامة للبسیط والمرکب۔ ۱۲ شف

۲؎ یعنی جن کے آپس میں ملنے سے وہ چیز بن جائے کہ سب مل جائیں تو چیز بن جائے اور ایک بھی نہ ہو تو نہ بنے جیسے صرف حیوان سے جبکہ اس کے ساتھ ناطق نہ ہو اور ایسے ہی صرف ناطق سے جبکہ اس کے ساتھ حیوان نہ ہو' انسان کی حقیقت نہیں بن سکتی یعنی انسان نہیں بن سکتا اور دونوں مل جائیں تو انسان بن جائے۔ ۱۲ ج

۳؎ یعنی انسان سے انسان نہیں بنا اگرچہ بغیر ان میں سے کسی ایک بات کے پایا بھی نہ جائے۔ ۱۲

ہوتا حالانکہ انسان تو ہے۔
استاد: ہم نے ناطق کا معنی پہلے بیان کر دیا ہے کہ موانع کے نہ ہونے کے وقت بولنے پر قدرت رکھتا ہو اور ان تینوں میں مانع موجود ہے مانع اٹھ جائے تو بولنے لگیں گے۔
شاگرد: استاد جی طوطا باتیں کرتا ہے؟
استاد: وہ بغیر سمجھے کے بولتا ہے انسان سمجھ کر اپنی فطرت سے بولتا ہے نطق میں بات کو سمجھانا ضروری ہے انسان ہاتھوں سے تالی بجاتا ہے اس آواز کو نطق نہیں کہتے لیکن یہی ہاتھ قیامت کو انسان کے خلاف گواہی دیں گے ان کی بات سمجھ آئے گی اس کو نطق کہا جائے گا قرآن پاک میں ہے انطقنا اللہ الذی انطق کل شی "ہمیں اللہ تعالی نے بولنے والا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویائی دی"
شاگرد: استاد جی پھر تو یہ اعضاء بھی ناطق ہوئے بلکہ ہر چیز ناطق ہے قرآن پاک میں زمین و آسمان کا کلام منقول ہے قالتا اتینا طائعین ترجمہ "زمین و آسمان نے کہا ہم فرماں بردار ہو کر آتے ہیں" انسان کی خصوصیت نہ رہی۔
استاد: منطقیوں کے قواعد ظاہری نظر پر مبنی ہیں اعضاء کا کلام یا زمین و آسمان کی گفتگو ان کے ادراک سے باہر ہے اس لیے انہوں نے اس کو انسان کے ساتھ خاص سمجھا مگر چونکہ قرآن کریم نے ان کو ذکر کیا ہے اس لیے ہمارا اس پر ایمان جازم ہے۔
اس طرح بھیڑیے کی یا بیل کی گفتگو حدیث پاک میں ہدہد وغیرہ کا کلام خدا تعالی نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے ہمارا ان سب پر ایمان جازم ہے اور یہ چیزیں ایمان بالغیب کے قبیل سے ہیں لہٰذا منطقیوں کے اس قول کے خلاف نہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے۔
لفظ ناطق کے معنی پر منطق کی متداول کتابوں میں کوئی خاص بحث نہیں ملتی اس لیے فائدہ کے لیے مزید چند باتیں لکھی جاتی ہیں:
ناطق کا ایک معنی (مع مالہ وما علیہ) کے ذکر کر دیا ہے۔
ناطق کا دوسرا معنی ہے بیان کرنے والا' کھولنے والا۔ لغت کی مشہور کتاب المصباح المنیر میں ہے ونطق الکتاب: بین واوضح (ج ۲' ص ۲۸۱)
حیوان کے دیگر افراد کی نسبت انسان ہی اپنے مافی الضمیر کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے۔
ارشاد باری ہے الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان ترجمہ "رحمان نے

قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا (پھر) اس کو گویائی سکھائی"
دوسرے جاندار اگر اپنی بات کو واضح کرتے ہوں تو انسان اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ معجزات کا مسئلہ الگ ہے۔

تیسرا معنی: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تیسیر المنطق ہی کے حاشیہ میں دلالت مطابقہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: انسان کے پورے معنی ٹھہرائے کہ "ایک جاندار عقل رکھنے والا" حیوان ناطق کا یہی مطلب ہے۔

معلوم ہوا کہ ناطق کا معنی یہاں عاقل ہے۔

حضرت صوفی عبد الحمید صاحب سواتی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حیوان کا معنی ہے جوهر جسم نام حساس متحرک بالارادة اور ناطق کا معنی مدرک الکلیات والجزئیات ہے (تشریحات سواتی ص ۱۱ ماخوذ از تکمیل الاذہان' شاہ رفیع الدینؒ)

لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے

يقال "الانسان حيوان ناطق" يعني انه عاقل (المنجد ص ۸۱۶)

لغت کی دوسری مشہور کتاب المعجم الوسیط میں ہے

والانسان حيوان ناطق مفكر (المعجم الوسیط ج ۲، ص ۹۳۱)

ان سب عبارتوں سے یہی حاصل ہوتا ہے کہ ناطق کے معنی عاقل کے ہیں اور یہ انسان ہی ہے۔ دیگر جاندار باوجود روح اور جسم رکھنے کے ایک ہی حالت پر چلے آ رہے ہیں۔ شہد کی مکھی جس طرح آج چھتہ بناتی ہے اسی طرح آج سے دو ہزار سال قبل بناتی تھی مگر انسان اپنی عقل کے بل بوتے پر روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اس لیے ناطق انسان کا فصل قرار دیا گیا۔ [۱]

۱۔ اتمام فائدہ کے لیے علامہ راغب اصفہانی سے نطق کی بحث نقل کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں

(نطق) النطق في التعارف الاصوات المقطعة التي يظهرها اللسان وتعيها الأذان قال مالكم لا تنطقون ولا يكاد يقال الا للانسان ولا يقال لغيره الا على سبيل التبع نحو الناطق والصامت فيراد بالناطق ما له صوت وبالصامت ما ليس له صوت ولا يقال للحيوانات ناطق الا مقيدا او على طريق التشبيه كقول الشاعر (باقی اگلے صفحہ پر)

ماہیت و عوارض میں فرق

انسان اگر تعمیر شدہ عمارت خرید تا ہے اس کی دیواریں، چھتیں، دروازے کھڑکیاں وغیرہ

عَجِبْتُ لَهَا اَنّٰى يَكُوْنُ غِنَاؤُهَا فَصِيْحًا وَلَمْ تَفْغَرْ لِمَنْطِقِهَا فَمًا

والمنطقيون يسمون القوة التى منها النطق نطقا واياها عنوا حيث حدوا الانسان فقالوا هو الحى الناطق المائت فالنطق لفظ مشترک عندهم بين القوة الانسانية التى يكون بها الكلام وبين الكلام المبرز بالصوت

وقد يقال الناطق لما يدل على شئى وعلى هذا قيل لحكيم ما الناطق الصامت فقال الدلائل المخبرة والعبر الواعظة

وقوله لقد علمت ما هولاء ينطقون اشارة الى انهم ليسوا من جنس الناطقين ذوى العقول وقوله قالوا انطقنا الله الذى انطق كل شئ فقد قيل اراد الاعتبار فمعلوم ان الاشياء كلها ليست تنطق الا من حيث العبرة وقوله علمنا منطق الطير فانه سمى اصوات الطير نطقا اعتبارا لسليمان الذى كان يفهمه فمن فهم من شئ معنى فذلک الشئ بالاضافة اليه ناطق وان كان صامتا وبالاضافة الى من لا يفهمه عنه صامت وان كان ناطقا

وقوله هذا كتابنا ينطق عليكم بالحق فان الكتاب ناطق لكن نطقه تدركه العين كما ان الكلام كتاب يدركه السمع وقوله وقالوا لجلودهم لم شهدتم علينا قالوا انطقنا الله الذى انطق كل شئ فقد قيل ان ذلک يكون بالصوت المسموع وقيل يكون بالاعتبار والله اعلم بما يكون فى النشاة الاخرى

وقيل حقيقة النطق اللفظ الذى هو كالنطاق للمعنى فى ضمه وحصره والمِنْطَقُ وَالْمِنْطَقَةُ مَا يُشَدُّ بِهِ الْوَسَطُ (المفردات للراغب ص ۵۱۶، ۵۱۷)

اس عبارت میں انسان کی حد یوں بیان کی ہے هو الحی الناطق المائت کہ انسان وہ زندہ ہے جس میں نطق کی قوت ہو اور مرنے والا ہو۔ کیونکہ انسان فانی ہے۔ مائت موت سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور حال یا استقبال کا معنی دیتا ہے جبکہ لفظ میت سے دوام سمجھ آتا ہے۔ ناطق کی کچھ بحث نبراس شرح "شرح العقائد ص۲۷" میں بھی دیکھیں۔

اس کے بنیادی اجزاء ہیں اس کے برعکس پنکھے' بلب' ٹیوب لائٹ وغیرہ چیزیں بنیادی حیثیت نہیں رکھتی۔ بیچنے والے عموماً ان چیزوں کو نکال لیتے ہیں لیکن بنیادی اجزاء میں سے کوئی نکال لے تو خریدار اس کے خلاف دعویٰ کر سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے یہ نہ ہو تو انسان بے ایمان ہو جاتا ہے جب تک انسان کے دل میں تصدیق ہے اور عذاب خداوندی سے بے خوفی نہیں اعمال صالحہ کی کمی سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

اکراہ کے وقت اگرچہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دے مگر جب تک دل میں تصدیق ہے اور کلمہ کفر کو برا جان رہا ہے وہ کافر نہیں ہے۔

اکراہ کے وقت کلمہ کفر نکالنا جائز ہے مگر اس کی وجہ سے کہنا کہ کفر و شرک جائز ہے بڑی جہالت کی بات ہے۔

ایک غیر مقلد اپنے امام مولانا عبد الوہاب کی تعریف اور ان کے کمالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

مسئلہ اکراہ آیت من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کے تحت مسئلہ اکراہ پر طبع آزمائی ہوئی۔ بعض علماء نے کہا تھا کہ شرک کفر کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں' بالآخر بحث ومباحثہ کرتے کراتے اس کے جواز کے قائل ہو گئے' نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ جواز شرک وکفر پر کتابیں لکھیں۔ سینکڑوں دلائل بیان کیے۔
(صحیفہ اہل حدیث کراچی ص ۵۔ ۱۶ ذو القعدہ ۱۳۹۵ھ)

یہ ہے ترک تقلید کا نتیجہ' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

فائدہ: کسی ملک کا ویزا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو مرزائی یا عیسائی کہہ دینے یا لکھ دینے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بھلا جو انسان خود اپنے آپ کو کافر کہہ رہا ہے خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ اس کو اہل ایمان کے ساتھ جنت میں داخل کر دے اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔

ویزا لینا یا زکوٰۃ کو معاف کرانا ہرگز ہرگز اکراہ میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ: بسا اوقات ایمان کے تقاضا پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ایمان کی نفی کر دی جاتی ہے جیسے لا ایمان لمن لا امانۃ لہ

فائدہ : بعض جہلاء نے اپنی بدعات کو کلی ایمان سمجھ رکھا ہے مثلا جو گیارہویں کا ختم نہ دلائے اس پر فتویٰ لگا دیا حالانکہ نہ وہ ایمان ہے نہ ایمان کا تقاضا ہے بلکہ ایمان کا تقاضا تو ایسی بدعات سے دور رہنا ہے۔

کلی کی دو قسمیں ہیں ذاتی عرضی
کلی ذاتی وہ کلی ہے جو اپنی جزئیات کی پوری حقیقت ہو یا پوری حقیقت نہ ہو لیکن اس کا ایک جزء ہو اول کی مثال جیسے انسان کہ اپنی جزئیات یعنی زید عمرو بکر کی عین حقیقت [۱] ہے اور دوسرے کی مثال حیوان ہے[۲] کہ اپنی جزئیات یعنی انسان بکری بیل کی حقیقت کا جزء ہے۔ ۲

مختلف چیزوں کو ملا کر حقیقت کے بارہ میں سوال کریں تو جواب کے دو طریقے ہیں یا تو ہر ہر چیز کا الگ الگ جواب دیں اور یا مشترک طور پر ایک لفظ ایسا بولیں جس سے سب کی حقیقت واضح ہو جائے۔ پھر مشترکہ جواب دو ہو سکتا ہے یا تو مکمل حقیقت آئے یا حقیقت کا ایک حصہ مندرجہ ذیل مثالوں پر غور کریں۔
جب کوئی سوال کرے کہ ۱۵، ۷۵، ۹۹، ۱۲۳ کیا ہیں۔ اسے یا تو الگ الگ جواب دیں کہ ۱۵، پانچ اور دس کا مجموعہ ہے مثلا اور یا مشترکہ جواب دیں کہ یہ طاق اعداد ہیں اس کے اندر ان کی مکمل حقیقت آ جاتی ہے اور یا ان کا عاد اعظم ذکر کریں اور وہ تین ہے اور یہ کہیں کہ یہ سارے تین سے تقسیم ہونے والے عدد ہیں۔ زید عمرو بکر انسان ہیں۔ انسان ہونا ان کی مکمل حقیقت ہے۔ رہا لمبا چھوٹا ہونا تو یہ حقیقت نہیں ہے، عوارض میں سے ہے۔
انسان بکری بیل کے اندر حیوان مشترک ہے مگر حیوان (جاندار) ان کی پوری حقیقت نہیں ہے۔ حیوان بمنزلہ حروف اصلیہ (مادہ) کے ہے اور انسان بکری بیل ان کلمات کی طرح ہیں جن میں حرف زائد لگا ہوا ہو۔
جیسے منصور، ناصر، ننصر، انصروا کے اندر ن، ص، ر مشترک ہے اس طرح انسان بکری بیل کے اندر حیوان مشترک ہے۔

حاشیہ : [۱] کیونکہ زید و عمرو کی حقیقت حیوان ناطق ہے اور یہی بعینہ انسان کے معنی ہیں۔ ۱۲۔ [۲] کیونکہ مثل بیل کی حقیقت حیوان ذو خوار اور بکری کی حقیقت حیوان ذو ورغا اور حیوان ان کا جزء ہے۔ ۱۲

کلی عرضی وہ کلی ہے جو اپنی جزئیات کی نہ پوری حقیقت ہو اور نہ حقیقت کا جزء ہو بلکہ حقیقت سے خارج ہو جیسے ضاحک انسان کے لیے نہ حقیقت ہے[۱] اور نہ حقیقت کا جزء ہے۔

جیسے دوائی کی حقیقت اس کے اجزاء کا مجموعہ ہے اس کا فائدہ نہ اس کی حقیقت نہ اس کا جزء ہے' یہ عارض ہے۔

اسم کی حقیقت تو وہ کلمہ ہے جو مستقل معنی رکھے اور تینوں سے ایک زمانہ سے خالی ہو۔

اسم کے خواص الف لام یا حرف جر کا داخل ہونا' یہ اس کے حقیقت سے خارج ہیں۔

اسم' فعل' حرف کے درمیان مشترک چیز کلمہ ہے جو ان کی حقیقت کا جزء ہے

تدریب

۱) اشیاء ذیل میں سمجھو کہ کون کلی کس کے لیے ذاتی وعرضی ہے:

(جسم رنامی[۲])' (درخت ر درخت انار)' (میٹھا ر انار)' (سرخ ر انار)' (حیوان ر فرس[۳])' (قوی ر گھوڑا)' (کشادہ ر مسجد)' (جسم ر پتھر)' (سخت ر پتھر)' (لوہا ر چاقو)' (تیز ر چاقو)(ر تیز تلوار)

۲) هل كنت الا بشرا رسولا' وما محمد الا رسول' انما انا بشر' ان انتم الا بشر مثلنا' ان نحن الا بشر مثلكم' انت طالب' انا مسلم

۳) ذاتی اور عرضی کو جاننے کا کیا فائدہ ہے؟ بمعہ مثال واضح کریں۔

۴) انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے تو انسان مرکیوں جاتا ہے؟

۵) ناطق کا کیا معنی ہے اور انسان کے ساتھ کس طرح خاص ہے؟

حاشیہ: [۱] کیونکہ پوری حقیقت تو حیوان ناطق ہے اور ضاحک کے معنی اس کے پورے معنی ہیں نہ اس کے جزو کے بلکہ ہنسنے والے ہیں۔۱۲ - [۲] بڑھنے والا جسم

[۳] گھوڑا۔ فرس کی حقیقت حیوان صاہل (ہنہنانے والا) ہے۔ انسان کی حیوانِ ناطق، اور حیوان کی جسم نامی متحرک بالارادہ ہے اور جسم کی جوہر قابل ابعاد ثلاثہ (لمبائی، چوڑائی اور گہرائی قبول کرنے والا) ح

۶) زمین و آسمان نیز ہدہد وغیرہ کا کلام قرآن پاک میں مذکور ہے تو پھر انسان کا فصل کس طرح ہوا؟

۷) ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کیا کفر کسی وقت جائز ہے؟

۸) کسی ملک کا ویزا لینے کے لیے اپنے آپ کو مرزائی لکھ دینے والا کیسا ہے؟

۹) جب مختلف چیزوں کو ملا کر ان کی حقیقت کے بارہ میں سوال کریں تو جواب کس طرح ہوگا؟

۱۰) کلی عرضی کی تعریف کریں اور مثالیں ذکر کریں

۱۱) دوائی اور اسم کی حقیقت اور عوارض ذکر کریں

سبق نہم

(کلی) ذاتی اور عرضی کی قسمیں

(کلی) ذاتی کی تین قسمیں ہیں جنس، نوع، فصل

جنس وہ کلی ذاتی ہے جو ایسے جزئیات پر بولی جائے کہ ان جزئیات کی حقیقتیں الگ الگ ہوں جیسے حیوان کہ اس کی جزئیات انسان [۱] وبقر و غنم کی حقیقت جدا جدا ہے۔

جنس کا لغوی معنی قسم ہے اسم کی باعتبار جنس کے دو قسمیں مذکر و مونث ہیں یہاں جنس سے مراد قسم ہی ہے لیکن خاص ناحیت سے، جنسی امراض سے صرف وہی امراض مراد ہیں جو صرف مردوں کی قسم کو یا صرف عورتوں کی قسم کو لاحق ہیں، دونوں میں مشترک نہیں ہیں۔ جدید عربی میں جنسی امراض کا لفظ ان چند بیماریوں پر بولا جاتا ہے جو بے حیائی کی پیداوار ہیں جیسے ایڈز وغیرہ۔ حقیقت میں ان کو امراض الزنا واللواط کہنا چاہیے۔

نحو کی اصطلاح میں اسم جنس کا ایک معنی تو یہ کیا جاتا ہے کہ لفظ ایک فرد یا زیادہ افراد پر بولا جاسکے مگر ایک فرد کی تعیین کے لیے تا زیادہ کردی جائے اسی لیے مصدر کو اسم جنس کہتے ہیں جیسے ضرب مارنا ایک مرتبہ ہو یا زیادہ مگر ضربۃ کا معنی ایک مرتبہ مارنا۔ کبھی اسم جنس کا لفظ اس اسم نکرہ پر بھی بولا جاتا ہے جس پر الف لام داخل کر کے اس کو معرفہ بنانا ممکن ہو۔

نوع وہ کلی ذاتی ہے جو ایسی جزئیات پر بولی جاوے کہ ان جزئیات کی حقیقت ایک ہو جیسے انسان کہ زید عمرو بکر وغیرہ کی نوع ہے اور ان کی حقیقت ایک ہے۔

نوع کا لغوی معنی قسم ہے اور اصطلاحی معنی مصنف نے ذکر کر دیے ہیں اس مقام پر اشکال ہوتا ہے کہ زید کی حقیقت صرف انسان ہونا نہیں بلکہ اس کی مکمل شخصیت ہے اگر انسان ہونا پوری حقیقت ہوتا تو زید عمرو اور عمرو زید ہو جاتا۔

حاشیہ: [۱] انسان کی حقیقت حیوان ناطق اور بقر یعنی گائے، بیل کی حیوان ذو خوار اور غنم یعنی بکری کی حیوان ذو رغاء۔ ۱۲ ح

اس کا جواب یہ ہے کہ نوع کلی ذاتی ہے کلی کا مفہوم ہمیشہ کئی چیزوں پر بیک وقت صادق آتا ہے۔ زید عمرو بکر خالد حامد وغیرہ پر سب سے زیادہ جو مفہوم اشتراک رکھتا ہے وہ انسان ہی ہے رہا کسی کا بڑا ہو کسی کا چھوٹا ہونا سو وہ عرضیات ہیں ذات کا جزء نہیں ہے۔

شاگرد : استاد جی زید عمرو بکر کے درمیان انسان سے زیادہ مشترک چیز رجل ہے اس کو نوع کہنا چاہیے۔

استاد : اگرچہ ان کے درمیان رجل ہونا مشترک ہے لیکن رجل کو نوع نہیں بلکہ صنف کہتے ہیں مرد و عورت دونوں کی نوع انسان ہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا و نساء

ترجمہ "جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں"

اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر ذکر کیا کہ باوجود یہ کہ جو تم ایک نوع ہو کس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر زوجین بنائے۔ یہی وجہ ہے عربی زبان میں بہت سے کلمات مذکر و مونث دونوں پر بولے جاتے ہیں جیسے بقر' بقرۃ (۱) غنم۔

نکتہ : دو چیزوں کو ملانے سے جو چیز بنے گی وہ کوئی تیسری چیز ہو گی نمک اور چینی کو باہم ملانے سے نہ نمک رہے نہ چینی بلکہ ایک اور مرکب تیار ہوگا۔ یہ بھی خدا کی قدرت کی عظیم نشانی ہے کہ مذکر و مونث کے میل سے کوئی تیسری چیز نہیں تیار ہوتی بلکہ دونوں میں

---

(۱) بقرہ بقر کی مونث نہیں بلکہ یہ تا وحدت کی ہے بقرۃ کا لفظ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے قرآن پاک سورہ بقرہ میں ایک مقام پر ہے

ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (بالتاء) "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو"

اسی قصہ میں دوسری جگہ ہے

ان البقر تشابہ علینا (بدون التاء) اسی کا ترجمہ بھی بیل کرتے ہیں دیکھئے (بیان القرآن) مزید دیکھئے المصباح المنیر ج ۱ ص ۶۴' شرح فتح القدیر ج ۲ ص ۱۷۸۔ اردو زبان میں بھی بعض لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے استعمال ہو جاتے ہیں جیسے مگرمچھ' مچھلی

سے ایک ہوتی ہے اگر مرد و عورت الگ الگ انواع ہوتے تو پیدا ہونے والا ان سے الگ ہوتا جیسے خچر نہ گدھے جیسا ہے نہ گھوڑے جیسا۔ نیز مرد عورت ایک کے نطفے سے پیدا ہوتے ہیں۔

فصل وہ کلی ذاتی ہے جو ایسی جزئیات پر بولی جاوے کہ ان کی حقیقت ایک ہو اور دوسری حقیقتوں سے ا۔ اس حقیقت کو جدا کرے جیسے ناطق انسان کا فصل ہے کہ زید عمرو بکر پر بولا جاتا ہے او ان کی حقیقت یعنی انسان کو دیگر حقائق مثلاً بقر و غنم وغیرہ سے جدا کرتا ہے۔ ۲۔

فصل کے لغوی معنی کاٹنے اور جدا کرنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنی مصنف نے ذکر کیے ہیں۔
جب بھی کسی چیز کی اقسام کی جاتی ہیں تو ہر قسم کسی خصوصیت کی وجہ سے الگ قسم بنتی ہے اگر وہ خصوصیت اس کی ذات کا جزء ہو تو فصل کہتے ہیں ورنہ خاصہ۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل نقشہ پر غور کریں جس میں لفظ کی تقسیم کی گئی ہے۔

حاشیہ : ا۔ یعنی ان جزئیات وافراد کی حقیقت کو جنس میں کی شریک حقیقتوں سے جدا کرے۔ ۱۲ ج ۲۔ کیونکہ زید عمرو بکر کی حقیقت انسان ہے جس کے معنی حیوان ناطق ہیں۔ اگر اس میں ناطق نہ ہو تو صرف حیوان رہ جاتا ہے اور حیوان ہونے میں بقر و غنم وغیرہ سب شریک تھے، ناطق نے ان سے انسان کو الگ کر دیا۔ ۱۲ ج

لفظ (جو کچھ انسان زبان سے ادا کرتا ہے)

موضوع (معنی دار)

مہمل (بے معنی)

مفرد (اکیلا)

مرکب (دو یا زیادہ کا مجموعہ)

معنی مستقل والا

معنی غیر مستقل والا اور وہ حرف ہے

ناقص (بات پوری نہ ہو)

تام جملہ (بات پوری ہو جائے)

انشائیہ سچا جھوٹا نہ ہو سکے

خبریہ سچا یا جھوٹا کہہ سکیں

دال بر زمانہ

غیر دال بر زمانہ
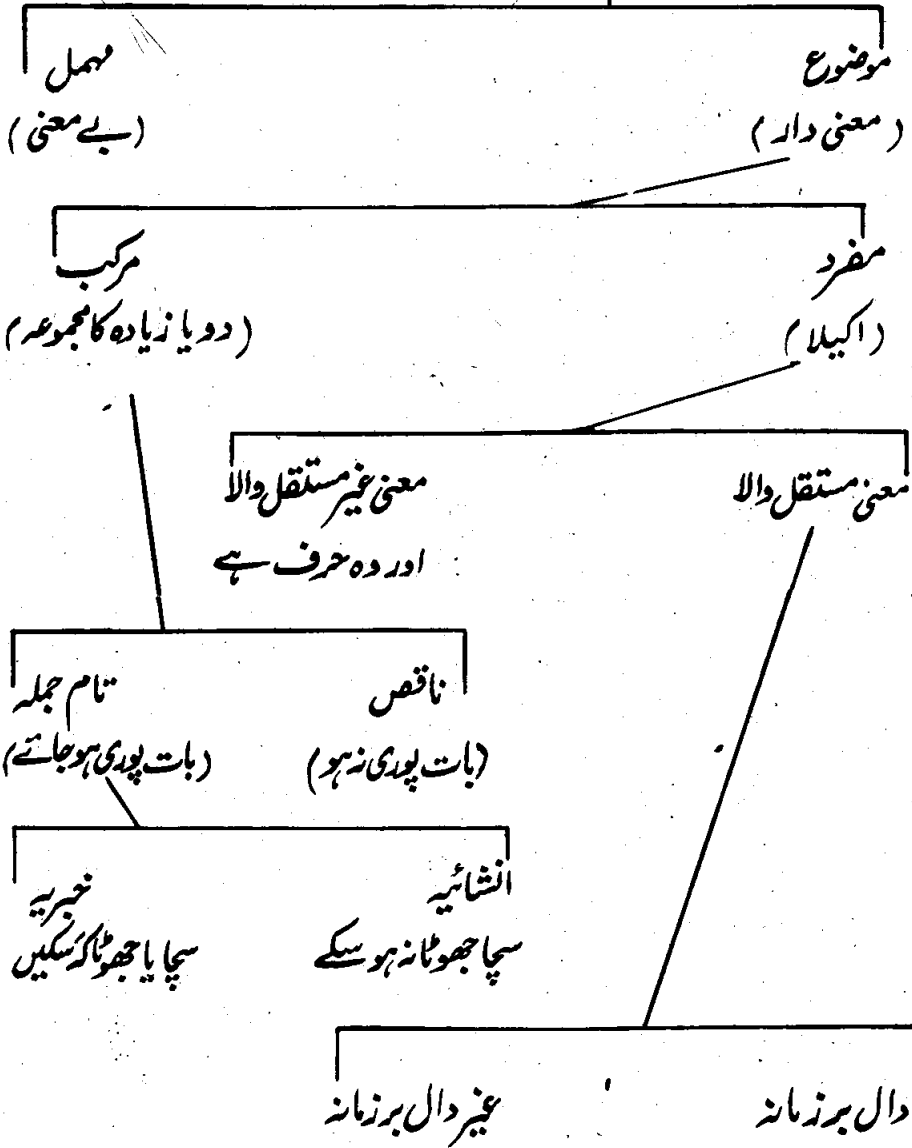
اس نقشہ میں لفظ بمنزلہ جنس ہے' اس کی دو نوع ہیں : موضوع' مہمل۔ موضوع کا فصل "معنی دار" مہمل کا فصل "بے معنی"

پھر موضوع جو کہ لفظ کی بہ نسبت نوع ہے اس کی دو قسمیں ہیں مفرد مرکب ان کے لیے موضوع بمنزلہ جنس کے ہے اور یہ دونوں اس کے لیے بمنزلہ نوع کے پھر مفرد کا فصل (اکیلا) اور مرکب کا فعل (دو یا زیادہ کا مجموعہ) ہے۔

کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں۔ خاصہ' عرض عام۔

خاصہ وہ کلی عرضی ہے جو ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہو جیسے ضاحک انسان کا خاصہ ا۔ ہے اور زید عمرو بکر (کہ جن کی حقیقت ایک ہے) کے ساتھ خاص ہے۔۲

اہل منطق کی اصطلاح میں خاصہ اور فصل کا فرق یہ ہے کہ فصل حقیقت کا جزء ہوتا ہے جنس کے اندر شریک افراد سے اس کو جدا کرتا ہے جیسا کہ آپ کے گزشتہ نقشہ میں ملاحظہ فرمایا جبکہ خاصہ حقیقت کا جزء نہیں ہوتا اس لیے خاصہ اس کا بھی ہو سکتا ہے جس کے لیے جنس فصل نہ ہو۔ اللہ جل شانہ کی ذات اقدس جنس فصل سے منزہ ہے مگر بہت سی صفات و افعال اس کے ساتھ خاص ہیں۔ ہم عرض عام کی بحث کے بعد قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات و افعال مختصر کا ذکر کرتے ہیں۔

عرض عام وہ کلی عرض ہے جو چند مختلف حقیقتوں عہ کے افراد پر صادق آوے جیسے ماشی (پاؤں سے چلنے والا) انسان و بقر وغیرہ کا عرض عام۳۔ ہے اور انسان کی حقیقت اور ہے اور بقر کی دوسری ہے پس کلی کی خواہ ذاتی ہو یا عرضی پانچ قسمیں ہیں جنس' نوع' فعل' خاصہ' عرض عام۔

حاشیہ : ا۔ اور ان کی حقیقت یعنی حیوان ناطق سے خارج بھی ہے اس لیے عرضی اور خاصہ ہوئی۔۱۲ ۲۔ یعنی بمقابلہ فرس بقر و غنم وغیرہ پس اس میں جن کے وجود ضحک کا انکار نہیں۔۱۲ شف

۳۔ اور ان کی حقیقتوں سے خارج بھی ہے' ان کی حقیقتیں جنس کی تعریف کے حاشیہ میں دیکھئے۔۱۲

عہ مطبوعہ نسخہ میں عبارت یوں ہے "جو چند مختلف افراد کی حقیقتوں پر صادق آوے" ہم نے =

ان اقسام کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

کلی

ذاتی

عرضی

نوع
حقیقتِ کاملہ

جنس
مختلف حقائق کا
جزو مشترک

فصل
ایک حقیقت
کا جزوِ ممتاز

خاصہ
ایک حقیقت کے
ساتھ خاص

عرضِ عام
مختلف حقائق کو
عارض آنے والا
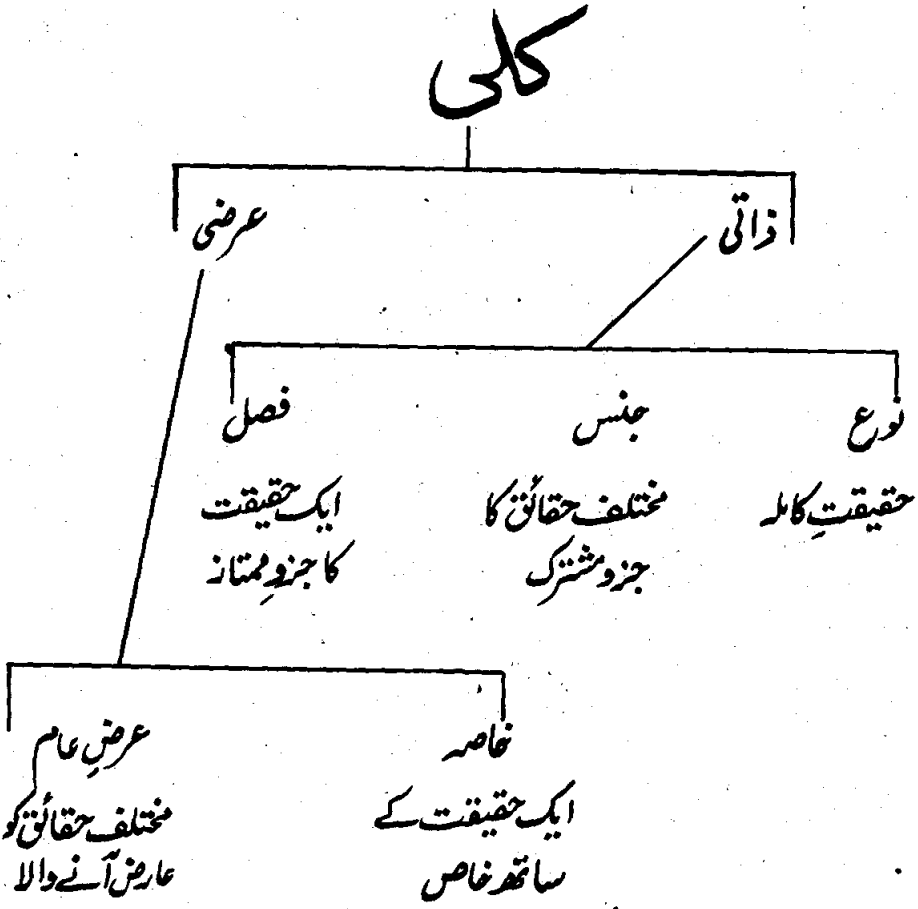
= خاصہ کی تعریف کے مطابق کر دیا تا کہ وضاحت ہو جائے۔

خاصہ اور عرض عام دونوں معنی کلی ہیں۔ جنس کا خاصہ ماتحت انواع کے لیے عرض عام ہوتا ہے مثلا ماشی حیوان کا خاصہ ہے جسم نامی کے بقیہ افراد اشجار وغیرہ میں نہیں پایا جاتا اور بہ نسبت انسان بقر وغیرہ کے یہ عرض عام بن جاتا ہے۔

شاگرد : استاد جی ہر انسان بحیثیت اپنی شکل و صورت اور اوصاف کے دوسروں سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کے خواص دوسروں سے الگ ہوتے ہیں۔

استاد : اصطلاح منطق میں خاصہ اس معنی کلی کو کہا جاتا ہے جو صرف ایک نوع کے افراد میں پایا جائے۔ اس کی خصوصیت بہ نسبت نوع کے ہوتی ہے بہ نسبت ایک فرد کے نہیں۔

فائدہ: لغوی حیثیت سے خاصہ ہر اس چیز پر صادق آتا ہے جو کسی کے ساتھ خاص ہو۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب ازالۃ الریب ص ۵۱ میں فرماتے ہیں علم الغیب خاصہ خداوندی ہے۔

فائدہ: اللہ جل شانہ کی ہر ہر صفت اور اس کا ہر ہر فعل کائنات سے جدا ہے۔ کوئی مخلوق کسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرح نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے لیس کمثلہ شیٔ

اس مقام پر مناسب ہے کہ قرآن کریم کی سورت نمل سے چند آیات اپنے مدعی پر پیش کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قل الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی آللہ خیر اما یشرکون ○ امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله بل هم قوم یعدلون ○ امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ءاله مع الله بل اکثرهم لا یعلمون امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءاله مع الله قلیلا ما تذکرون ○ امن یهدیکم من ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریح بشرا بین یدی رحمته ءاله مع الله تعالی الله عما یشرکون ○ امن یبدؤ الخلق ثم یعیده ومن یرزقکم من السماء والارض ءاله مع الله قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین ○ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله وما یشعرون ایان یبعثون ○

ترجمہ "کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ یا وہ ذات جس نے آسمان وزمین کو بنایا اور اس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعے سے ہم نے رونق دار باغ اگائے۔ تم سے تو یہ ممکن نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگا سکو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں زیادہ تو سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات

ہو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔ یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راستہ سوجھاتا ہے اور جو کہ ہواؤں کو بارش سے پہلے خوش کر دینے کے لیے بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان لوگوں کے شرک سے برتر ہے۔ یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے' پھر ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور جو کہ آسمان اور زمین سے تم کو رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہئے تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں' کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ کے اور ان مخلوقات کو یہ خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کیے جاویں گے"

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے زمین میں دریا پہاڑ بھی اس کے بنائے ہوئے ہیں۔

(۲) بارش بھی وہی اتارتا ہے اس کے ساتھ پھل پھول بھی وہی اگاتا ہے۔

(۳) پریشان حال مجبور آدمی کی دعاء بھی وہی سنتا ہے اس کی حاجت روائی مشکل کشائی بھی وہی کرتا ہے۔

(۴) پہلی مرتبہ بھی وہی پیدا کرتا ہے دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا۔

(۵) زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے۔

(۶) اولاد وہی دیتا ہے۔

(۷) رزق دینے والا بھی وہی ہے۔

(۸) غیب کا علم بھی وہی رکھتا ہے اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔

شاگرد: استاد جی آپ نے تو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت مخلوق سے الگ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بولے جاتے ہیں اور بندے کے لیے بھی مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے

لیس کمثلہ شیٔ وھوالسمیع البصیر اللہ کی مانند کوئی چیز نہیں ہے' اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

فجعلناہ سمیعا بصیرا پھر ہم نے انسان کو سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

پہلی آیت میں سمیع بصیر اللہ تعالیٰ کے لیے بولا ہے دوسری میں انسان کے لیے تو یہ دونوں لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہ رہے۔

استاد: بعض الفظ ایسے ہیں ایک لحاظ سے اللہ جل شانہ پر اور دوسرے لحاظ سے بندے پر بولے جاتے ہیں۔ اور بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا غیر اللہ پر بولنا قطعا ناجائز ہے۔ سمیع بصیر بندے پر بھی بولا جاتا ہے اللہ جل شانہ پر بھی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ بولا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ

اللہ تعالیٰ خود سمیع بصیر ہے بغیر کسی کے بنانے کے

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع بصیر ہے اور ہمیشہ رہے گا یعنی ازلی ابدی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسموع کو سنتا ہے ہر مبصر کو دیکھتا ہے۔

اور جب بندے پر سمیع وبصیر کا اطلاق ہو گا تو اس معنی میں کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے سمیع و بصیر ہے۔

بندے کو جب سے اللہ تعالیٰ نے سمیع بصیر بنایا سمیع بصیر ہے اس سے پہلے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب چاہے، بندے سے ان صفات کو سلب کر سکتا ہے۔

بندہ صرف ان چیزوں کو سنتا ہے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کو سنانا یا دکھانا چاہتا ہے ان کے علاوہ نہیں۔

شاگرد: وہ کون سی صفات ہیں جن کو بندے کے لیے ثابت کرنا درست نہیں ہے

استاد: جو صفات اللہ تعالیٰ نے بندے کو نہیں دیں ان کا اطلاق بندے کے لیے درست نہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو علم غیب نہیں دیا لہذا کسی بندے کے لیے علم غیب ثابت کرنا یا اس کو عالم الغیب کہنا ناجائز ہے۔

شاگرد: استاد جی، اگر انسان مخلوق کے لیے عالم الغیب بایں معنی بولے کہ مخلوق کے لیے علم غیب عطائی ہے جبکہ خالق کے لیے علم غیب ذاتی ہے۔

استاد: جو صفت اللہ تعالیٰ نے بندے کو عطا ہی نہیں کی اس کو عطائی ماننا بھی غلط ہے۔

اس کی مزید تفصیل عنقریب آئے گی ان شاء اللہ (تعریفات کی بحث میں)

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم ﷺ کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ [1] چند خصوصیات یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ کو علمی معجزہ قرآن کریم عطا کیا گیا۔

۲۔ آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہوگا۔

۳۔ آپ ﷺ سب سے افضل نبی ہیں۔ بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہوتا تو آپ کے درجہ کو نہیں پا سکتا تھا۔

۴۔ آپ ﷺ کو ساری مخلوق کے لیے نبی بنایا گیا ہے۔

۵۔ آپ ﷺ کی امت سب انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے بڑی امت ہے۔

---

[1] نبی کریم ﷺ کے فضائل ومناقب اور آپ کے خصائص بہت زیادہ ہیں۔ علماء اسلام نے اس موضوع پر مستقل تصنیفات لکھی ہیں۔ اس مقام پر مشکوۃ شریف سے چند احادیث نقل کرتا ہوں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "انا سيد ولد آدم يوم القيامة واول من ينشق عنه القبر واول شافع واول مشفع (رواہ مسلم)

وعن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " آتى باب الجنة يوم القيامة فاستفتح فيقول الخازن من انت؟ فاقول محمد فيقول بك امرت ان لا افتح لاحد قبلك (رواہ مسلم)

وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "انا اول شفيع فى الجنة ولم يصدق نبی من الانبياء ما صدقت وان من الانبياء نبيا ما صدقه من امته الا رجل واحد (رواہ مسلم)

وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من الانبياء نبی الا وقد اعطى من الايات ما مثله آمن عليه البشر وانما كان الذى اوتيت وحيا اوحى الله الى وارجوا ان اكون اكثرهم تابعا يوم القيامة (متفق علیہ)

وعن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فضلت على الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لى الغنائم وجعلت لى الارض مسجدا وطهورا وارسلت الى الخلق كافة وختم بى النبيون (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ج ۳، ص ۱۶۰۰، ۱۶۰۱)

حضرت رسول اللہ ﷺ کا سب سے افضل ہونا اہل اسلام کا متفقہ بنیادی عقیدہ ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:

"پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا" (براہین قاطعہ ص ۴)

المہند میں فرماتے ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے)

"ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ ہے کہ سیدنا و مولانا و حبیبنا و شفیعنا محمد رسول اللہ ﷺ تمامی مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے قرب و منزلت میں کوئی شخص آپ کے برابر تو کیا' قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ سردار ہیں جملہ انبیاء و رسل کے اور خاتم ہیں سارے برگزیدہ گروہ کے جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی دین و ایمان۔ اس کی تصریح ہمارے مشائخ متعدد تصانیف میں کر چکے ہیں۔ (المہند علی المفند ص ۳۸' مترجم طبع جہلم)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں

"ان (اہل اسلام) کے نزدیک بعد خدا سب میں افضل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ نہ کوئی آدمی ان کے برابر نہ کوئی فرشتہ۔ نہ عرش و کرسی ان کے ہم سر' نہ کعبہ ان کا ہم پلہ" (قبلہ نما ص ۷)

ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ علماء دیوبند معاذ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کے گستاخ ہیں' خالص جھوٹ اور افترا نہیں تو اور کیا ہے؟

تدریب

س: امثلہ ذیل میں دو دو شے لکھی ہیں ان میں غور کر کے بتاؤ کہ اول شے دوسری شے کے لیے جنس ہے یا نوع یا فصل یا خاصہ یا عرض عام: (۱) حیوان' فرس (۲) جسم نامی' شجر انار (۳) حساس' حیوان (۴) صاہل' فرس (۵) کاتب' انسان (۶) قائم' انسان (۷) جسم مطلق' فرس (۸) ماشی' غنم (۹) ناہق' حمار (۱۰) ہندی' انسان۔

س: جنس کا خاصہ انواع کے لیے کیا بنتا ہے بمعہ مثال بتائیں۔

س: کیا ہر ہر چیز کے لیے جنس فصل ہے یا کوئی اس کے بغیر بھی ہے۔

س : کیا خاصہ اس کے لیے بھی ہو سکتا ہے جس کے لیے فصل نہ ہو۔
س : فصل کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ ذکر کریں۔
س : اللہ جل شانہ کی صفات اس کے ساتھ خاص ہیں یا کسی اور میں بھی پائی جا سکتی ہیں؟
س : نبی کریم ﷺ کی پانچ صفات مختصہ ذکر کریں۔
س : اللہ تعالیٰ کی چند صفات مختصہ کا ذکر کریں۔
س : سمیع بصیر کا اطلاق بندے پر بھی ہوتا ہے خدا تعالیٰ پر بھی کیا فرق ہے؟
س : کیا عالم الغیب کا اطلاق غیر اللہ کے لیے کسی تاویل کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ وجہ بھی ذکر کریں۔
س : کلی ذاتی کی اقسام بمع نقشہ ذکر کریں
س : زید' عمرو' بکر کی نوع انسان ہے یا رجل؟ نیز رجل کو کیا کہیں گے؟
س : مرد و عورت کے ایک نوع ہونے کی دلیل بتائیں۔ نیز مذکر مونث کے اختلاط سے کسی نوع جدید کا پیدا نہ ہونا کس پر دلالت کرتا ہے؟
س : علماء دیوبند کا نبی کریم ﷺ کی فضیلت کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ بمع حوالہ ذکر کریں
س : مندرجہ ذیل صفات میں اللہ تعالیٰ کی اور نبی کریم ﷺ کی صفات الگ الگ کریں

عالم الغیب' خاتم الانبیاء' خالق و رازق' انبیاء کے سردار' حاجت روا' مشکل کشا' اول شافع' اول مشفع' اولاد دینے والا' ساری مخلوق کے نبی' فریاد رس' پہلی دفعہ پیدا کرنے والا' دوبارہ زندہ کرنے والا' نبی القبلتین

سبق دہم
اصطلاح "ما ھو؟" کا بیان

جاننا چاہیے کہ منطقیوں نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے اور نیز محاورہ[۱] بھی ہے کہ لفظ "ما ھو؟" (کیا ہے وہ ؟) سے کسی شے کی حقیقت کا سوال کرتے ہیں جیسے کہیں "الانسان ما ھو؟" (انسان کیا ہے؟) تو مطلب اس کا یہ ہو گا کہ انسان کی حقیقت کیا ہے؟

اہل منطق نے کسی بھی قسم کے سوال کو کل چار کلمات میں منحصر کیا ہے مَا اَیٌّ هَلْ لِمَ (سلم العلوم ص ۳۰)

مَا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا جواب دیا جائے جس سے مسئول عنہ کا تصور حاصل ہو جائے اس لیے اس کے جواب میں نوع یا جنس یا ایسی عرضیات بتائی جاتی ہیں جس سے مسئول عنہ کا تصور حاصل ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

واما من خفت موازینه فامه هاویة وما ادراک ما هیه نار حامیة ترجمہ "اور جس کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔"

سوال مَا هِیَ ہے' اس کے جواب میں نار حامیة فرمایا جس سے اس کی حقیقت واضح ہو گئی۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ما رب العالمین مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا ادراک ناممکن ہے اس کی صفات ہی سے اس کی معرفت ہوتی ہے اس لیے موسیٰ ؑ نے جواب دیا رب السموات والارض وما بینهما [۲]

حاشیہ: [۱] یعنی اکثر۔ ۱۲ شف

[۲] فی تفسیر الجلالین: (قال فرعون) لموسی (ومارب العالمین) الذی قلت انک رسوله ای ای شیٔ هو ولما لم یکن سبیل للخلق الی معرفة حقیقته تعالیٰ وانما یعرفونه بصفاته اجابه موسی علیه السلام ببعضها (قال رب السموات=

شاگرد: استاد جی ارشاد باری ہے و ما تلک بیمینک یا موسیٰ قال ھی عصای اس کے اندر جواب میں نہ ذاتیات کا ذکر ہے نہ عرضیات کا؟

استاد: کیوں نہیں عصا اس مشار الیہ کی نوع ہے۔

شاگرد: پھر اس کا کیا جواب ہو گا

واصحاب الیمین ما اصحاب الیمین فی سدر مخضود و طلح منضود

"اور داہنے ہاتھ والے' کیا ہیں داہنے ہاتھ والے' بغیر کانٹے کی بیریوں میں اور تہہ بہ تہہ کیلوں میں"

استاد: اس مقام پر متعلق محذوف ہے یعنی

ھٰؤلاء خالدون فی سدر مخضود اور اس سے ان کے احوال اخرویہ کا تصور قائم ہوتا ہے اور یہی مطلوب ہے۔

ای' تعیین کے لیے ہے اور یہ تعیین باعتبار مضاف الیہ کے ہو گی۔ اگر مضاف الیہ متعدد ہو اس کی تعیین کرنا مطلوب ہوتا ہے جس میں مذکور صفت ہو جیسے سلیمانؑ نے فرمایا یاایھا الملا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین۔ "اے دربار والو! تم میں سے کون ایسا ہے جو میرے پاس اس کا تخت حاضر کر دے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرماں بردار ہو کر حاضر ہوں"

اور اگر مضاف الیہ صفت ہو جیسے ای شئ ھو فی ذاتہ تو اس کا منشا یہ ہو گا کہ فصل ذکر کی جائے جو اس کو جنس کے مشارکات سے جدا کر دے۔

ھل سے نسبت خبریہ کے وقوع یا عدم وقوع کی بابت سوال ہوتا ہے جیسے ھل زید قائم' ھل محمود موجود؟

شاگرد: استاد جی' قرآن مجید میں ہے قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا "تو کہہ سبحان اللہ' میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا" کہتے ہیں کہ معنی یہ ہے ما

= والارض وما بینھما) ای خالق ذلک (ان کنتم مومنین) بانہ تعالی خالقہ فامنوا بہ وحدہ (قال) فرعون (لمن حولہ) من اشراف قومہ (الا تستمعون) جوابہ الذی لم یطابق الجواب وفی الجمل و فی البیضاوی الا تستمعون جوابہ سالتہ عن حقیقتہ وھو یذکر افعالہ (ص ۲۷۶ ج ۳ جلالین مع الجمل)

کنت الا بشرا رسولا

استاد: وہاں ھل استفہام کا معنی نہیں دیتا اور ہماری بحث ادوات استفہام سے ہے۔

لِمَ (کیوں) یہ لام جار اور ما استفہامیہ سے مرکب ہے یہ نسبت خبریہ کا سبب دریافت کرنے کے لیے ہے جیسے لِمَ غِبۡتَ (تو غائب کیوں رہا) جواب میں ہو لِاَنِّیۡ کُنۡتُ مَرِیۡضًا کیونکہ میں بیمار تھا

فائدہ: اول دو مطلب کا جواب تصورات اور تیسرے کا تصدیقات سے ہوگا اور چوتھے کا لام تعلیل مقدرہ یا ظاہرہ سے جیسے لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا "تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت عذاب دینے والے ہیں؟" کے جواب میں ہے قالوا معذرة الی ربکم ای للمعذرة الی ربکم

شاگرد: استاد جی ارشاد باری تعالیٰ وماتلک بیمینک یا موسیٰ کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا ھی عصای اور یہ تو تصدیق ہے۔

استاد: دراصل جواب تو عصای ہے' ھی تو اسی تلک سے عبارت ہے۔

شاگرد: استاد جی اگر کوئی کہے ھل اللہ خالق کل شئ تو جواب ہو گا نعم اللہ خالق کل شئ اس کے اندر بھی اصل جواب تو خالق کل شئ ہے اور وہ تصور ہے' فرق کیا ہوا؟

استاد: فرق یہ ہوا کہ ما ھذا کے جواب میں تصور درست ہے مثلاً ما ھذا کے جواب میں کتاب درست ہے لیکن ھل ھذا کتاب؟ کے جواب میں کتاب درست نہیں' نعم' ھذا کتاب یا لا' ھذا لیس بکتاب کہنا ہوگا اگر صرف نعم یا لا کہا جائے تو تب بھی ھذا کتاب یا ھذا لیس بکتاب ماننا ہوگا اور وہ تصدیق ہے۔

شاگرد: استاد جی استفہام کے کلمات تو اور بھی کافی ہیں آپ نے صرف چار بتائے؟

استاد: باقی کلمات بھی انہیں میں سے کسی کا معنی دیتے ہیں ادوات استفہام تین قسم پر ہیں۔ حروف استفہام اور وہ دو ہیں ھمزہ اور ھل۔ اسماء استفہام جیسے من' ما' این' متی' انی' کیف' ای وغیرہ۔

افعال استفہام جیسے حدیث جبریل میں ہے اخبرنی عن الاسلام "مجھے اسلام کے

بارے میں خبر دیجئے"
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے انبؤنی باسماء ھؤلاء "مجھ کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ"
نیز فرمایا یا دم انبئھم باسمائھم "اے آدم' ان کو ان چیزوں کے نام بتلا دو"
نیز فرمایا ویستنبؤنک احق ھو "اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ عذاب واقعی امر ہے؟"

نکتہ : مندرجہ بالا مثال میں ایک فعل استفہام ہے دوسرا حرف استفہام چونکہ مقصد ایک ہے اس لیے ایک ہی جواب دیا گیا وہ ہے قل ای وربی انہ لحق "آپ کہہ دیجئے قسم میرے رب کی وہ واقعی امر ہے" فعل استفہام سے کبھی جملہ انشائیہ بنتا ہے جیسے اخبرنی اور کبھی جملہ خبریہ جیسے یستفتونک

شاگرد : استاذ جی یہ بات تو پھر رہ گئی کہ بقیہ ادوات استفہام ان چار میں کیسے داخل ہیں؟

استاد : ہمزہ تو ھل کا ہم معنی ہے۔ مَنْ' اَیْنَ' مَتٰی' اَنّٰی' کیف' اَیُّ کی طرح طلب تعیین کے لیے مثلاً اَیْنَ تعیین مکان' مَتٰی تعیین وقت' کَیْفَ تعیین حال اور انی تعیین حال یا تعیین مکان طلب کرنے کے لیے ہیں عموماً اور مَنْ تعیین شخص طلب کرنے کے لیے ہے اور تعیین کی طلب کے لیے ای استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سارے ای میں داخل ہو گئے۔ ہاں اگر کَیْفَ سبب دریافت کرنے کے لیے ہے تو لم کا تابع ہوگا۔

رہے افعال استفہام تو وہ ما یا اَیُّ میں داخل ہوں گے۔ ما کی مثال اخبرنی عن الاسلام' اَیُّ کے معنی کی مثال یسالونک عن الخمر والمیسر ان میں حقیقت کی دریافت نہیں بلکہ حلت یا حرمت کی تعیین مقصود ہے۔

شاگرد : استاذ جی قرآن کریم میں ہے ویستنبؤنک احق ھو اس کا جواب ہے ای وربی انہ لحق اس سے معلوم ہوا کہ یہ ھل کے معنی میں ہے

استاد : ھل کا معنی فعل کی وجہ سے نہ آیا بلکہ فعل کی بعد ہمزہ بھی تو موجود ہے وہ ھل کا معنی دے رہا ہے۔

فائدہ : قیامت کے بارہ میں جب متی سے سوال ہو تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اللہ ہی جانتا ہے ارشاد باری ہے ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین قل انما

العلم عند اللہ

تو قیامت کے وقوع کا وقت صرف رب تعالیٰ جانتا ہے لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ قیامت کیا ہے؟ قیامت پر تو ہمارا ایمان ہے نفس قیامت سے لاعلمی ظاہر کرنا کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا قول ذکر فرمایا ہے

مَا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ "ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے، محض ایک خیال سا تو ہم کو ہوتا ہے اور ہم کو یقین نہیں"

شاگرد: استاد جی آپ نے لِمَ کی بابت نہ بتایا یہ اسم فعل حرف میں سے کیا ہے؟

استاد: یہ لام جار اور مَا استفہامیہ سے مرکب ہے

شاگرد: اس کو الگ مطلب شمار کیا اس طرح تو مِنْ اَیْنَ، عَمَّ، مِمَّ، فِیْمَ، وغیرہ سب کو شمار کرنا چاہئے بعض کا استعمال بھی قرآن کریم میں ہے قال تعالی عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ وقال: فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ وقال فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرَاهَا وقال فَنَاظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ

استاد: دراصل مسائل منطق چار قسم پر ہیں جیسا کہ نقشے میں ہے۔
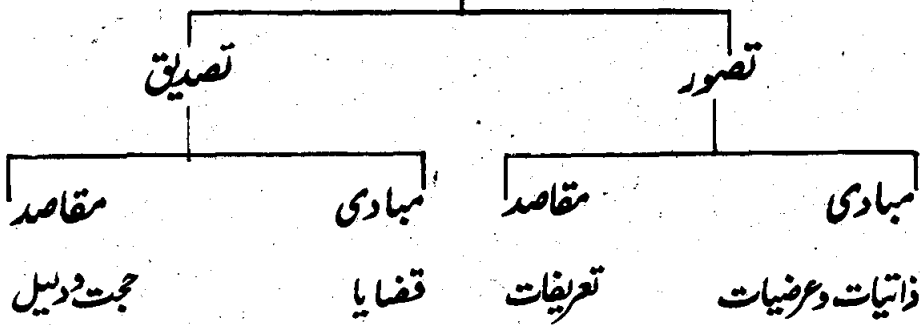
تعریفات کی طلب کے لیے "مَا" ہے، قضایا کے لیے "ھَلْ" ذاتیات و عرضات کے لیے کبھی مَا اور کبھی اَیُّ ہے حجت اور دلیل کے لیے کوئی لفظ مفرد نہیں تھا اس کے لیے لِمَ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ادوات مرکبہ مِنْ اَیْنَ، عَمَّ وغیرہ سے تعین کا سوال ہوتا ہے لہٰذا وہ اَیُّ میں داخل مانے جاتے ہیں۔

اگر ما ھو سے سوال ایک شے کو لے کر کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی وہ حقیقت جو اس کے ساتھ مخصوص ہے بتاؤ اور جواب میں حقیقہ مخصوصہ آوے گی جیسے کہیں الانسان ما ھو تو جواب اس کا حیوان ناطق ہوگا اس لیے کہ یہی اس کی حقیقت مختصہ ہے۔

لیکن یہ تبھی ہے جب حقیقت مطلوب ہو۔ کبھی ما کے جواب میں کسی خاص وصف کو ذکر کرنا مطلوب ہوتا ہے جیسے

وما ادراک ما یوم الدین ثم ما ادراک ما یوم الدین یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ دوسری جگہ ارشاد ہے

واصحاب الشمال ما اصحاب الشمال فی سموم و حمیم وظل من یحموم

حقیقت مختصہ کی مثال یہ کہ جب ہم سوال کریں الاسم ما ھو؟ اور جواب میں نحوی تعریف ہو تو یہ اس کی حقیقت مختصہ ہے۔

اور اگر دو شے یا زیادہ کو لے کر سوال کریں تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقت بتاؤ جو ان سب میں تمام مشترک ہے یعنی وہ مشترک جزء ا۔ بتاؤ کہ جس قدر اجزاء ان چیزوں میں مشترک ہیں وہ سب اس میں آ جاویں، کوئی مشترک اس سے باہر نہ ہو جیسے یوں پوچھیں۔ الانسان والبقر والغنم ما ھی؟ (۱) (انسان اور بیل اور بکری کیا ہیں) تو جواب میں حیوان آوے گا جسم نہیں آوے گا اس لیے حیوان ہی ان کی پوری حقیقت مشترکہ ہے اور جسم تمام مشترک نہیں ہے اس لیے کہ حیوان ۲۔ میں سب مشترک اجزاء آ گئے اور جسم میں نہیں ۳۔ آئے۔

اور اگر ان کے ساتھ کسی درخت مثلا درخت انار کو شامل کر لیں تو جواب

حاشیہ: ا۔ اسی جزو کو تمام مشترک کہتے ہیں۔ ۱۲ ج ۲۔ کیونکہ جو جزو ان میں مشترک ہیں، وہ جسم، نامی، حساس، متحرک بالارادہ ہیں اور حیوان ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ ۱۲ ج

۳۔ کیونکہ بعضے اجزاء مشترک انسان و غنم وبقر میں یہ بھی ہیں: نامی، حساس، متحرک بالارادہ اور یہ جسم میں نہیں آئے۔ ۱۲ شف

(۱) کتاب میں ما ھم؟ ہے۔ ھم ضمیر ذوی العقول کے لیے ہے اس لیے یہاں ما ھی بہتر

جسم نامی (بڑھنے والا جسم) ہوگا اس لیے کہ اس وقت یہی تمام مشترک ہے اور اگر پتھر بھی ان کے ساتھ ملایا جاوے اور سوال یہ کیا جاوے کہ الانسان والبقر وشجرۃ الرمان والحجر ما ھی؟ (انسان اور بیل اور درخت اور انار اور پتھر کیا ہیں) تو جواب جسم ہوگا اس لیے کہ یہی ان کی تمام حقیقت مشترکہ ہے۔

تمام مشترک وہ چیز جس سے زیادہ کوئی اور مشترک نہ ہو جیسے کوئی پوچھے کہ ۸۴۰ اور ۱۲۶۰ کے درمیان تمام مشترک عدد کون سا ہے اس کا جواب صرف ایک عدد ۴۲۰ ہے حالانکہ دونوں عدد مندرجہ ذیل اعداد پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۱۰، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۳۰، ۶۰، ۷۰، ۸۴، ۱۰۵، ۱۴۰، ۲۱۰۔ مگر سب سے زیادہ مشترک ۴۲۰ ہے لہٰذا جواب میں وہی ہوگا۔

اس کے بعد صاحب کتاب کی عبارت بالکل واضح ہے ہم صرف ایک مثال کا اضافہ کرتے ہیں۔ نحو کے اندر لفظ کی تقسیم یوں ہے۔
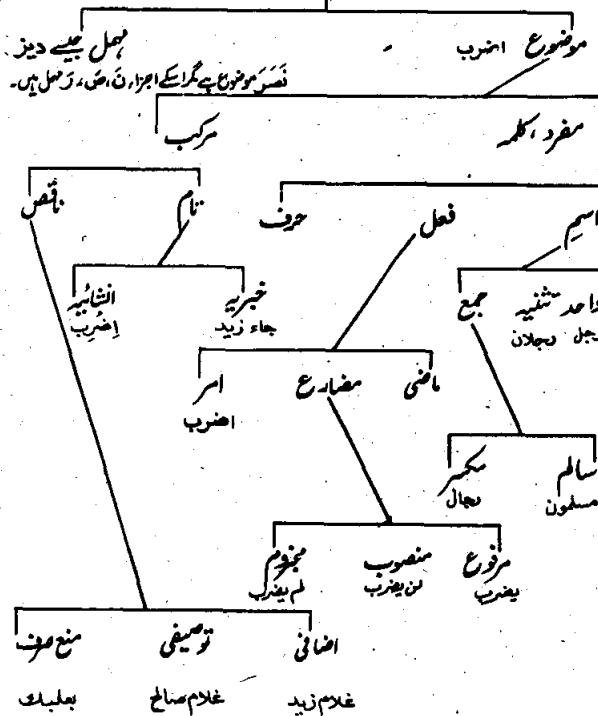
اب ان میں سے جو سب سی نچلی اقسام ہیں ان کی امثلہ کو لیا جائے تو جواب میں اس سے اوپر والا نام آئے گا مثلاً لن یضرب کو مضارع منصوب کہیں گے۔ اگر ایک درجہ کی دو قسموں کو لیا جائے تو جواب میں اوپر والا لفظ آئے گا مثلاً رجل اور رجلان دونوں کے بارہ میں مشترکہ جواب اسم ہو گا۔ اور اگر ایک لفظ ایک تقسیم کی اقسام سے اور دوسرا دوسری تقسیم کی اقسام سے لیا جائے تو جواب میں وہ لفظ آئے گا جو دونوں کے لیے مقسم ہو جیسے یضرب اور عن کیا ہے جواب میں کلمہ ہو گا کیونکہ وہی دونوں کے اوپر ہے موضوع یا لفظ جواب نہ ہو گا کیونکہ مفرد ان سے نیچے موجود ہے۔

شاگرد: استاد جی اضرب کو فعل کی اقسام میں بطور مثال ذکر کیا اور فعل مفرد ہوتا ہے دوسری طرف مرکب یعنی جملہ کی قسم انشائیہ کی مثال بھی اضرب دے ڈالی تو ایک ناحیت سے یہ لفظ مفرد ہو گیا اور دوسری ناحیت سے یہ مرکب ہو گیا۔ پھر اگر ان دونوں کا مقسم دیکھیں تو دونوں پر لفظ موضوع صادق آتا ہے۔ یہ کیسے؟

استاد: اگر اضرب میں انت مستتر مانیں تو جملہ انشائیہ ہے اور اگر انت نہ مانیں تو مفرد ہے اور اگر دونوں طرف سے قطع نظر کریں تو لفظ موضوع ہے گویا اضرب بشرط شے (انت) مرکب، اضرب بشرط لا شے (انت نہ ہو) مفرد اور اضرب لا بشرط شے (دونوں سے قطع نظر کر کے) لفظ موضوع ہے۔

تدریب

س: اشیاء ذیل جو یکجا یا علیحدہ علیحدہ لکھی ہیں ان کے جواب بتاؤ [۱]
(۱) فرس و انسان (۲) فرس وبقر و غنم (۳) درخت انگور و حجر (۴) آسمان زمین زید (۵) شمس و قمر و درخت انبہ (آم) (۶) مکھی چڑیا، گدھا (۷) انسان (۸) فرس (۹) حمار (۱۰) بکری اینٹ پتھر ستارہ (۱۱) پانی ہوا حیوان۔

س: اہل منطق کے ہاں امہات المطالب صرف چار ہیں ما، ان، ھل، لم ان کے معانی ذکر کریں نیز یہ بتائیں کہ کون کون سے تصور کے لیے اور کون سے تصدیق کے لیے ہیں۔ نیز ان چار قسموں میں منحصر کرنے کی وجہ بتائیں۔

---

[۱] یعنی جب ان کو لے کر ماھو سے سوال کریں تو کیا جواب ہو گا۔ ۱۲ ج

س: کلمات استفہام کی تین قسمیں ہیں ہر قسم کی مثال دیں۔
س: مَنْ، همزہ، عَمَّ، اَنّٰی کس کے تحت داخل ہوں گے۔
س: منطقی کہتے ہیں کہ لفظ مَا طلب تصور کے لیے ہے حالانکہ اس کے جواب میں تصدیق بھی آ جاتی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک واله آبائک ابراهیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب الها واحدا ونحن له مسلمون ایسا کیوں ہے؟
س: فرعون نے کہا تھا ما رب العالمین؟ اس سوال میں کیا غلطی ہے؟
س: لِمَ اسم ہے یا فعل یا حرف؟ نیز بِمَ، عَمَّ وغیرہ کو کیوں ذکر نہیں کیا جاتا؟
س: مَا هٰذَا، هَلْ هٰذَا كِتَابٌ کے اندر کیا فرق ہے؟
س: قیامت کا علم کس کے پاس ہے؟ نیز کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے اور کیوں؟
س: تمامِ مشترک کیا ہے؟ کوئی آسان مثال بھی ذکر کریں
س: اِضْرِبْ کو مفرد اور مرکب اور ان کا مقسم مانتے ہیں، وہ کس طرح؟ مفرد و مرکب دونوں ایک چیز پر تو صادق نہیں آ سکتے
س: افعال استفہام کو امہات المطالب میں ذکر کیوں نہ کیا؟
س: افعال استفہام سے جملہ انشائیہ بنے گا یا خبریہ؟

سبق یازدہم (گیارھواں سبق)

جنس اور فصل کی قسمیں

جنس کی دو قسمیں ہیں جنس قریب، جنس بعید۔

جنس قریب: کسی ماہیت کی وہ جنس ہے کہ اس کی جزئیات میں جن دو جزئی یا زیادہ سے سوال کیا جائے تو جواب میں وہی جنس واقع ہو جیسے حیوان انسان کی جنس قریب ہے کہ حیوان کے افراد میں سے جن دو یا زیادہ سے سوال کریں جواب میں حیوان ہی ہو گا۔ [1]

حیوان کی ہزارہا اقسام ہیں۔ مثلاً انسان، گھوڑا، گدھا، خچر، بکری، مکھی، مچھلی، چیونٹی، سانپ، بچھو،

ان میں سے جن دو، تین یا زیادہ کو لے کر سوال کریں تو جواب میں حیوان ہی ہو گا حالانکہ یہ جسم نامی اور جسم میں بھی مشترک ہیں لہٰذا حیوان ان سب انواع کے لیے جنس قریب ہے۔

جنس بعید: کسی ماہیت کی وہ جنس ہے کہ اس کے افراد میں سے جن دو یا زیادہ سے سوال کیا جاوے تو جواب میں اس جنس کا آنا ضروری نہیں کبھی وہ جواب میں آوے کبھی دوسری جیسے جسم نامی انسان کی جنس بعید ہے کہ اگر انسان اور فرس اور درخت [2] سے سوال کریں تو جواب میں جسم نامی آوے گا [3] اور اگر صرف انسان اور فرس [4] سے سوال کریں تو جواب میں حیوان آوے گا جسم نامی نہ ہو گا۔

علماء منطق کل مخلوقات کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں جوہر، عرض

جوہر: وہ جس کا وجود (بظاہر) قائم بنفسہ ہو جیسے ارواح و اجسام۔

---

[1] مثلاً الانسان والفرس ما هما؟ جواب حیوان ہے۔ اور الانسان والغنم والفرس والبقر والذباب والحمار ما هم؟ تب بھی جواب حیوان ہے۔ ۱۲ ح

[2] کہ جسم نامی کے افراد ہیں۔ ۱۲ شف [3] کیونکہ ان تینوں میں جو مشترک جزو ہیں، وہ جسم اور نمو ہے لہٰذا جواب جسم نامی ہے اور بس۔ ۱۲ [4] کہ یہ بھی جسم ہی کے افراد ہیں۔ ۱۲ شف

عرض : وہ جس کا وجود قائم بغیرہ ہو جیسے کتاب کی لمبائی، رنگت کتاب کے ساتھ قائم ہیں جب کتاب جائے گی تو ساتھ ہی اس کی لمبائی اور رنگت بھی جائے گی تو ہر ذات جوہر ہے اور اس کی صفات اعراض ہیں۔ جوہر کی تقسیم کا نقشہ حسب ذیل ہے۔
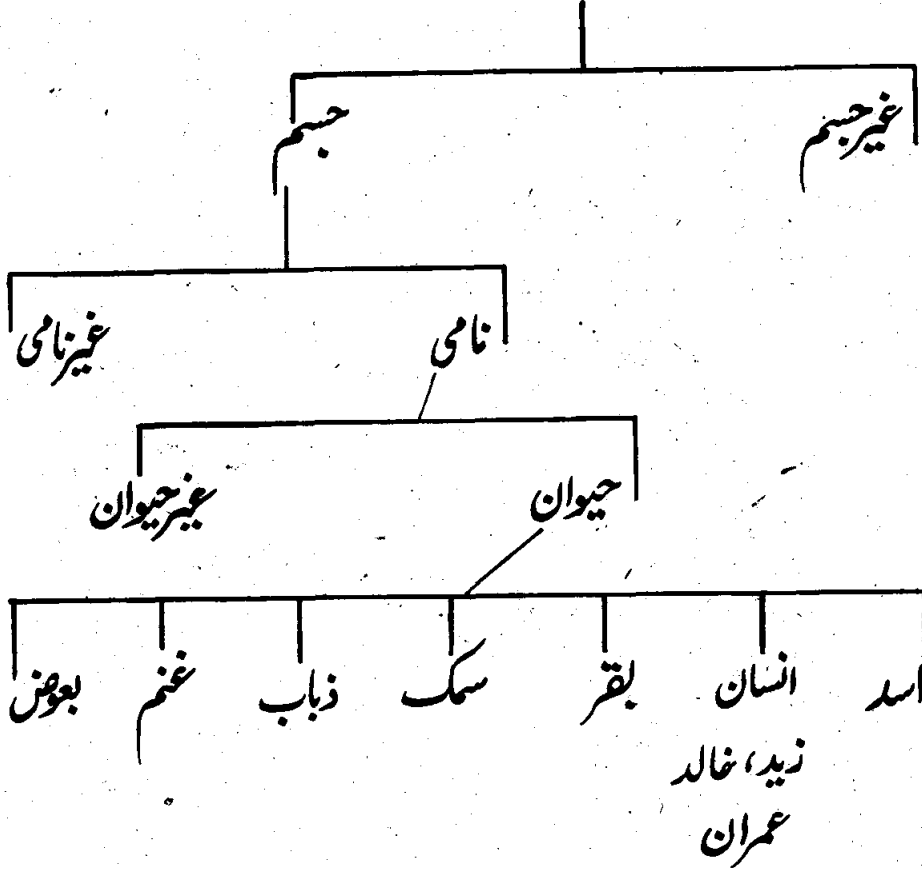
اس نقشہ میں سب سے نیچے زید، خالد، عمران تین آدمیوں کے نام ہیں یہ جزئیات ہیں اس سے اوپر سب کلیات ہیں۔ یہ تینوں انسان ہیں تو انسان ان کے لیے نوع ہے کیونکہ یہ اپنے افراد کی مکمل حقیقت ہے انسان جنس نہیں کیونکہ جنس حقیقت کاملہ نہیں بلکہ حقیقت کا جزء ہوتی ہے البتہ حیوان جنس ہے اور یہ جنس قریب ہے لیکن جسم نامی انسان، بقر وغیرہ کے لیے جنس بعید ہے اس میں سب درخت آ جاتے ہیں۔ جسم نامی کے اوپر جسم ہے وہ جنس ابعد ہے اور جمادات یعنی پتھر وغیرہ کو بھی شامل ہے جو ہر کو جنس الاجناس کہتے ہیں۔

پھر حیوان اور غیر حیوان کے لیے جسم نامی جنس قریب اور جسم جنس بعید ہے۔ مزید

وضاحت کے لیے ایک اور نقشہ ملاحظہ کریں۔

اسم

- **معرب**
  - **معرب بالحرکات**
    - معرب بالحرکات الثلاث
      - معرب بالاعراب اللفظی
        - مفرد منصرف صحیح
        - قائم مقام صحیح
        - جمع مکسر منصرف
      - معرب بالاعراب التقدیری
        - منقوص
        - مقصور
    - معرب بالضمۃ والفتحۃ
      - غیر المنصرف
        - اعراب تقدیری: موسیٰ، اعلیٰ
        - اعراب لفظی: علماء، مساجد
    - معرب بالضمۃ والکسرۃ
  - **معرب بالحروف**
    - معرب بالالف والیاء: مثنیٰ وملحقاتہ — اجلان، کتابان
    - معرب بالواؤ والیاء: اسماء ستہ مکبرہ — ابوک
    - معرب بالواؤ والیاء
      - معرب بالواؤ والیاء لفظا: جمع مذکر سالم وملحقاتہ — مسلمون۔ مصطفَونَ۔ مصطفَینَ
      - معرب بالواؤ التقدیریۃ والیاء لفظا: مُسلِمِیَّ
- **مبنی**: ذانِ۔ ایاہم

اس نقشہ میں جو سب سے نچلی اقسام ہیں وہ اپنے افراد کے لیے نوع ہیں ان کا مقسم ان کے لیے بطور جنس قریب کے اس سے اوپر والا بطور جنس بعید کے ہے جیسے ابوک وغیرہ کے لیے معرب بالواو والالف و الیاء بمنزلہ نوع ہے اور معرب بالحروف بمنزلہ جنس بعید کے اور اسم بمنزلہ جنس ابعد کے ہے۔

فصل کی بھی دو قسمیں ہیں فصل قریب، فصل بعید
فصل قریب کسی ماہیت کا وہ فصل ہے کہ جنس قریب میں جو جزئیات اس ماہیت کے شریک ہیں، وہ فصل ان جزئیات سے اس ماہیت کو جدا کر دے جیسے انسان بقر غنم حمار فرس۔ دیکھو حیوان ہونے میں سب [۱] شریک ہیں اور حیوان انسان کی جنس قریب ہے اور ناطق انسان کو بقر و غنم وغیرہ سے جدا کرتا ہے تو ناطق انسان کے لیے فصل قریب ہے۔

اس کی آسان مثال یہ ہے کہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ دونوں کی جنس جملہ ہے۔ جملہ اسمیہ کو فعلیہ سے جدا کرنے والی چیز یہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ مسند الیہ یا مسند اسم ہوتا ہے (خواہ اسم صریحی ہو یا موول یا جملہ بمنزلہ مفرد ہو کر خبر مقدم بنے) اور جملہ فعلیہ کا فصل یہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ مسند فعل ہوتا ہے۔

فصل بعید: کسی ماہیت کا وہ فصل ہے کہ جنس بعید میں جو جزئیات اس ماہیت کے شریک ہیں وہ فصل ان جزئیات سے ان ماہیت کو علیحدہ کر دے اور جنس قریب میں جو شریک ہیں ان سے جدا نہ کرے جیسے حساس انسان کا فصل بعید ہے کہ جسم نامی میں جو انسان [۲] کے شریک ہیں ان سے حساس تمیز دیتا ہے اور حیوان میں جو شریک ہیں ان سے [۳] جدا نہیں کرتا۔

جب کسی علم میں کسی چیز کی تقسیم در تقسیم کرتے ہیں تو ہر قسم دوسری قسم سے جس وجہ سے امتیاز رکھتی ہے وہ فصل ہے جیسے لفظ موضوع کی دو قسمیں ہیں مفرد مرکب موضوع

۱۔ انسان کے ساتھ۔ ۱۲

۲۔ جیسے درخت گھاس وغیرہ۔ ۱۲ ۳۔ مثلاً غنم بقر وغیرہ سے نہیں کیونکہ وہ بھی حس رکھنے والے ہیں۔ ۱۲

جنس اور مفرد مرکب دونوں انواع ہیں مفرد کا فصل یہ ہے کہ اس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہیں کرتا مرکب کا فصل یہ ہے کہ اس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے۔ پھر مفرد و مرکب ہر ایک کی اقسام ہیں ان اقسام کو جب نوع سمجھیں گے تو مفرد مرکب جنس بن جائیں گے مفرد کی انواع اسم فعل حرف اور مرکب کی تام اور ناقص ہیں پھر ہر ایک کے لیے فصل ہے مثلاً اسم کا فصل معنی مستقل بدون احد الازمنہ الثلاثہ ہے۔ پھر اسم کی انواع مذکر مونث ہیں۔ ہر ایک کے لیے فصل ہوتا ہے۔ حفصہ لفظ موضوع مفرد ہے۔ پھر مفرد سے اسم مونث ہے مونث کا فصل تو یہ کہ اس کے آخر میں علامت تانیث ہے۔ یہ فصل قریب ہے اور اگر یہ فصل بتائی کہ معنی مستقل بدون احد الازمنہ الثلاثہ ہے تو یہ فصل بعید ہے کیونکہ اس سے فعل تو نکل گیا مگر مذکر نہ نکلا اور اگر اس کے لیے یہ فصل بتائیں کہ اس کا جزء معنی کے جز پر دلالت نہیں کرتا تو یہ فصل ابعد ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

شاگرد: استاد جی فصل قریب اور فصل بعید کے جاننے سے کیا غرض؟

استاد: غرض یہ ہے کہ جب ہم کسی سے اس کی امتیازی صفت دریافت کریں تو ہمیں مغالطہ نہ دے سکے مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر مسلمان پر ضروری ہے لیکن غیر مقلدین حضرات اس کو اپنے فرقے کی امتیازی صفت بناتے ہیں اور کہتے ہیں۔

اہل حدیث کے دو اصول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول

ان ظالموں سے کوئی پوچھے کہ بتلاؤ کیا مسلمانوں کے دوسرے فرقے اس کے منکر ہیں؟ اس طرح بریلوی حضرات اپنی امتیازی صفت یہ بتاتے ہیں کہ انہیں نبی کریم ﷺ سے بہت محبت ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے محبت کا کوئی مسلمان منکر نہیں ہے امتیازی صفت تو وہ ہوتی ہے جو دوسروں میں نہ ہو۔

اب ہم آپ کے سامنے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے مشہور فرقوں کا تعارف اور ان کے امتیازی اوصاف ذکر کرنا چاہتے ہیں مگر مناسب یہ کہ پہلے ایمان و کفر پر مختصر بحث ہو جائے۔

ایمان کی تعریف: ایمان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کامل تصدیق کرنا

آپ ﷺ سے جو بات انسان کو تفصیلی معلوم ہو جائے اس پر تفصیلی ایمان لانا ہو گا۔ مثلاً قرآن کریم نبی ﷺ کے واسطہ سے ہمیں ملا ہے اس پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اور

قرآن کریم کی ذکر کردہ جس جس بات کا ہمیں علم ہوتا جائے گا اس پر ایمان لانا واجب ہے ایمان بالآخرۃ' ایمان بالملائکہ وغیرہ ایمان بالرسول کی وجہ سے ہیں۔

ایمان کے تقاضے : اللہ تعالیٰ سے محبت' رسول ﷺ سے محبت' آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام سے بھی محبت ہو نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت' رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اولو الامر کی اطاعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوا الامر کی" فرمایا

فاسالوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون "پس اہل علم سے سوال کرو اگر تم علم نہ رکھتے ہو"

اور اگر ان اوصاف کو ایمان کے خواص کہا جائے تو تمام فرقوں کے لیے یہ اوصاف بمنزلہ عرض عام کے ہوں گے اور جس فرقے کے اندر یہ اوصاف نہ ہوں وہ افراط یا تفریط کا شکار ہو گا۔ مسلمانوں کے فرقے تو بہت ہوئے ہیں اور ابھی خدا جانے کتنے فرقے اور پیدا ہوں گے۔

فرقے کیسے بنتے ہیں؟ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ کوئی شرپسند امت مسلمہ کے سب فرقوں کو غلط کہہ کر صرف خود کو ہدایت یافتہ بتاتا ہے۔ اس کے فتوے یا تقریروں سے پہلے فرقے تو ختم نہیں ہو جاتے البتہ اس کی تصدیق کرنے والی ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے اور یہ اس کا فرقے کا بانی بن جاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی یا جو فرقہ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ حقیقت میں بھی مسلمان ہو کیونکہ زبانی دعویٰ بغیر تصدیق قلبی کے بیکار ہے اور تصدیق قلبی کا قطعی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ (۱)

ارشاد باری ہے

---

(۱) کسی کے اقرار یا اعمال کو دیکھ کر اس کے ایمان کی شہادت ظن غالب پر مبنی ہے ورنہ ایسا قطعی علم جس کا انکار کفر ہو کسی کے ایمان پر ہم نہیں لگا سکتے مگر یہ کہ وحی سے معلوم ہو جیسے ایمان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا واللہ اعلم۔

ومن حولکم من الاعراب منافقوں ومن اھل المدینہ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم "اور کچھ تمہارے گرد وپیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں"

اب ہم اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے مشہور فرقے اور ان کے خواص بیان کرتے ہیں۔

مسلم (خود کو مسلم کہنے والے)

- **خارجی**: خلیفہ رابع، دامادِ نبیؐ، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرنے والے
- **اہل السنۃ والجماعۃ**: یہ وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور اجماعِ اُمّت پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں
  - **بریلوی**: احمد رضا خان بریلوی کی اتباع کرنے والے
  - **دیوبندی**: جمہورِ اُمّت کے مسلک پر چلنے والے
  - **مودودی**: ابوالاعلیٰ مودودی مصنّف خلافت وملوکیت کی اتباع کرنے والے
  - **غیر مقلد**: اسلافِ اُمّت پر اعتماد نہ کرنے والے، دوسروں سے حدیث کا مطالبہ اور خود مخالفت کرنے والے
- **شیعہ (رافضی)**: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالفت کرنے والے
- **منکرین حدیث**: صرف قرآن کریم کا نام لیتے ہیں اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔

اب ہم ان فرقوں کے خواص ذکر کرتے ہیں گزشتہ صفحات میں ایمان کے مقتضیات ذکر کیے ہیں ان کے ساتھ تقابل بھی کرنا نہ بھولیں۔

فرقہ خارجیہ کے خواص : اس فرقہ کا خاصہ یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں یزید کو برحق سمجھتا ہے۔ حالانکہ حضرت حسینؓ اہل بیت سے اور صحابی تھے نیز تقویٰ میں نہایت اونچا مقام رکھتے تھے۔ یہ لوگ خلافت راشدہ حق چاریار کا نعرہ برداشت نہیں کرتے۔ اہل بیت کے فضائل بیان نہیں کرتے۔

خواص شیعہ : نبی ﷺ کی سیرت بیان نہیں کرتے۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات بیان نہیں کرتے' صرف غزوہ خیبر کا وہ حصہ جس میں حضرت علیؓ کی منقبت کا ذکر ہے اور ہم اس کے ہرگز منکر نہیں۔ خلافت راشدہ کا کوئی کارنامہ ذکر نہیں کرتے بلکہ مشاجرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (جنگ صفین' جنگ جمل وغیرہ) کو اچھالتے ہیں جس کا باعث صرف غلط فہمی یا منافقین کی چالاکی ہے نیز جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی تو اب ہم دخل کیوں دیں؟

ان لوگوں کا ایک خاصہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا ذکر کرتے کرتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو طعنہ دینے لگ جاتے ہیں حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے والی فوج میں ایک بھی صحابی نہ تھا اور نہ ہی کسی صحابی نے اس فعل شنیع کو اچھا کہا ہے۔

شیعہ کا ایک خاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں۔ اس کو اصلی قرآن نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اصلی قرآن شیعہ کے مہدی کے پاس ہے (اصول کافی بحوالہ ایرانی انقلاب ص ۲۵۹) اور جب دنیا میں تین سو تیرہ شیعہ ہو جائیں گے تو وہ مہدی غار سے نکلے گا۔ (ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی طبع ایران ص ۲۳۰ بحوالہ ایرانی انقلاب از مولانا منظور نعمانی ص ۱۷۸)

منکرین حدیث : یہ لوگ قرآن کا محض نام لیتے ہیں مانتے نہیں ہیں اس لیے کہ قرآن کریم نے خود نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے دوسری بات یہ کہ قرآن پر ایمان لانا نبی ﷺ کی تصدیق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آپ کی زبان سے قرآن ملا آپؐ نے فرمایا کہ میرے اوپر خدا کی طرف سے قرآن نازل ہوتا ہے قرآن پاک کی آیات کتاب وحی سے لکھوا لیا کرتے تھے۔ حدیث اور قرآن کا فرق بھی آپؐ کے بتانے سے معلوم ہوا ہے۔ اگر بالفرض

آپؐ قرآنی آیات کو خدا کی طرف منسوب نہ کرتے تو ہمیں کیسے علم ہوتا کہ یہ قرآن ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی ہر بات کی تکذیب کریں اور آپ نے جب یہ کہا کہ یہ قرآن ہے خدا کی کتاب ہے اس بات میں تصدیق کر دیں۔

منکرین حدیث کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں اندرونی مسائل کا بیان آتا ہے ان کو ذکر کر کے نوجوانوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ دیکھو بخاری میں کیسے مسائل لکھے ہیں۔ اور کبھی حدیث پر یوں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں آیت سے یا فلاں حدیث سے متعارض ہے یا سائنس کی تحقیق کے خلاف ہے۔

مودودی : فرقہ مودودیہ کا خاصہ یہ ہے کہ فرقہ واریت کا نام استعمال کر کے سب کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ ہر شخص قابل تنقید ہے اس لیے یہ لوگ ہر امام وبزرگ پر حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ بسا اوقات انبیاء علیہم السلام پر بلا تکلف تنقید کر لیتے ہیں یا برداشت کر لیتے ہیں مگر مودودی پر تنقید برداشت نہیں کرتے۔ اس کی ہر بات کو اعلیٰ درجہ کی تحقیق سمجھتے ہیں۔

غیر مقلدین : ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنا نام نہ صرف خود وضع کیا بلکہ انگریز کے دور میں باقاعدہ طور پر اس کو حکومت سے رجسٹری کرایا پھر اس نام کی وجہ سے اپنے آپ کو بخشے بخشائے جنتی سمجھنے لگے حالانکہ یہ نام خود ایک بدعت ہے وسیاتی برہانہ۔ اور اپنے آپ کو جنتی یقین کرنا خود منع ہے۔

دوسرا خاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف اور صرف حدیث کا نام لیتے ہیں۔ دوسروں سے حدیث ہی کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم بالاجماع اول درجہ میں ہے۔ گویا یہ لوگ عملی طور پر تارک قرآن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہے۔

شاگرد : استاد جی یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک پر بھی حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متانی (زمر ۲۳) احسن الحدیث سے مراد قرآن پاک ہے۔ (بیان القرآن)

استاد : لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ حدیث ہر کلام پر صادق آتا ہے مگر مسلمانوں کے عرف عام میں قرآن کو حدیث نہیں کہا جاتا جس طرح قرآن پاک کا ایک نام الکتاب ہے لیکن اہل کتاب میں مسلمان مراد نہیں اسی طرح حدیث کا لفظ اگر قرآن پر بولا بھی جاتا ہو مگر

اہل حدیث کے لفظ میں یہ معنی مراد نہیں ہے۔

غیر مقلدین کا ایک خاصہ یہ ہے کہ فقہ کے غیر مفتی بہا مسائل سے عوام کو پریشان کرتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح ضعیف حدیث صحیح کے مقابل غیر مقبول ہے اسی طرح فقہ کے غیر مفتی بہ اقوال ناقابل اعتراض ہیں کیونکہ وہ تو ہم نے خود ترک کر دیے ہیں۔ جیسے مدۃ رضاعت ڈھائی سال غیر مفتی بہ ہے (انظر بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۱۷' تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۸۵) جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک بوڑھا آدمی بھی رضاعت سے محرم بن جاتا ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۳۰۔ الروضہ الندیہ ج ۲ ص ۸۴)

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ کتب فقہ سے اندرونی مسائل لے کر پریشان کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ بعینہ منکرین حدیث کا ہے وہ لوگ انکار حدیث کے لیے جو طریقہ استعمال کرتے ہیں' غیر مقلدین فقہ دشمنی کے لیے اس کے شیدائی ہیں۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ فقہاء نے وہ صورتیں لکھ کر شریعت کا کوئی حکم بھی لکھا ہے یا نہیں؟ نیز اگر اس صورت مسئلہ کے بارہ میں غیر مقلدین سے کوئی استفسار کرے تو حلت یا حرمت کا فتویٰ لگے گا یا نہیں؟ علاوہ ازیں غیر مقلدین کی کتب بھی ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں مگر ان کو بس فقہ سے بیر ہے۔

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مگر حنفیہ کے خلاف سارے کے سارے ایک ہیں۔ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے بھی دیے اور جس وجہ سے ایک دوسرے کو کافر کہا اس سے رجوع بھی نہ کیا مگر حنفیہ کے مقابلہ میں سب ایک ہیں' اہل حدیث جو ہوئے۔

ہمیشہ فروعی اختلاف بیان کرتے ہیں نمازیوں کو وسوسے ڈالتے ہیں کہ تیری نماز نہیں ہوتی۔ بے نماز کو نمازی بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ مجھے ایک ثقہ آدمی نے بیان کیا کہ ایک غیر مقلد نے اسے خود بتایا کہ ایک مرتبہ ایک مرزائی اور دیوبندی کا مناظرہ ہوا مرزائی کے مقابلہ میں دیوبندی نے ختم نبوت پر بطور دلیل یہ حدیث پیش کی "لا نبی بعدی" اور یہ کہا کہ لا نفی جنس کا ہے معنی یہ ہوا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ مناظرہ کے وقت ایک غیر مقلد بھی موجود تھا وہ عین مناظرہ میں کھڑا ہو کر دیوبندی کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہاں تجھے لا نفی کا نظر آتا ہے اور لا صلاۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب میں نظر کیوں نہیں

آتا۔ اس پر وہ دیوبندی چپ ہو گیا تمت الحکایۃ دونوں جگہ لا کا فرق کیا ہے اور حنفیہ کی دلیل کیا ہے؟ اس کا ذکر تو ان شاء اللہ آگے آ رہا ہے۔ مگر سوچنے کا مقام تو یہ ہے کہ اس نازک موقعہ پر غیر مقلد نے کس کی طرفداری کی؟ مسلمان کی یا مرتد کی مگر ان کو اس سے کیا؟ حنفی خاموش ہو اور بس

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے مقابلہ میں بعض ایسے مسائل کو پیش کر دیتے ہیں جو ان کی اپنی کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں ان کے مصنفین کی خوب مدح کرتے ہیں۔ جیسے مسئلہ وحدۃ الوجود اس کے قائلین میں شاہ اسماعیل شہید شاہ ولی اللہ وغیرہ حضرات ہیں' اسی طرح علامہ وحید الزمان کی کتب میں ابن عربی کی مدح موجود ہے مگر یہ لوگ وحدۃ الوجود کو یوں پیش کرتے ہیں جیسے اس کے معتقد صرف علماء دیوبند ہیں اور بس۔ اسی مسئلہ پر مختصر کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

شاگرد: استاد جی یہ لوگ اتنے ضدی کیوں ہوتے ہیں؟

استاد: اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو اس لیے کہ یہ لوگ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں جاتے ہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل

"نہیں گمراہ ہوئی کوئی قوم اس ہدایت کے بعد جس پر وہ تھے مگر ان کو جھگڑا دیا گیا" (مشکوۃ ج ۱ ص ۶۳)

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان غیر مقلد اس وقت ہوتا ہے جب یہ سمجھتا ہے کہ اس کی نماز ہوتی ہے دوسروں کی نہیں جو بھی فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی بالکل نہیں ہوتی خواہ کوئی ہو اس طرح امت کی اکثریت کو بے نماز مانتا ہے کیونکہ تمام نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کا قول ایک شاذ قول ہے جس کی تفصیل کتاب احسن الکلام میں ہے اسی طرح غیر مقلدین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ طلاق و مسئلہ تراویح میں اچھا نہیں جانتے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور جمہور امت کی عداوت کی وجہ سے ان سے حق بات کی قبولیت نکال لی جاتی ہے۔

حدیث قدسی ہے من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (بخاری ج ۴ ص ۱۲۹ حاشیہ سندی)

ترجمہ "جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی، میرا اس کو اعلان جنگ ہے"

غیر مقلدین کی نماز کے خواص : ان کی نماز میں اطمینان نہیں ہوتا پاؤں سے پاؤں ملانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں کندھے ملیں یا نہ ملیں، پاؤں بلکہ سب سے چھوٹی انگلی ضرور مل جائے بھلا دوران نماز ایک دوسرے سے الجھنا کسی حدیث کے مطابق ہے۔ جان بوجھ کر سر کو ننگا رکھتے ہیں۔ قرآن پاک کی قراءت اکثر غلط کرتے ہیں۔ خشوع کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس کے باوجود اپنی نمازوں کو صحیح اور دوسرے مسلمانوں کی نمازوں کو باطل کہتے ہیں۔

غیر مقلدین کے اندر روز بروز نئے نئے فرقے بنتے رہتے ہیں۔ ۱۳۹۵ھ میں ایک نئے فرقے نے جنم لیا ہے۔ اس فرقہ کا بانی مسعود احمد ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو جماعت المسلمین کہتے ہیں۔

جماعت المسلمین کے خواص : یہ لوگ صرف اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اپنے نام نہاد امام کی اتباع کو جزء ایمان قرار دیتے ہیں۔ جس حدیث پاک میں یہ وارد ہے کہ فتنہ کے دور میں جماعت المسلمین اور ان کے امام کو لازم پکڑو، اس حدیث کو صرف اپنی جماعت کے بارہ میں سمجھتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں جماعت المسلمین وصف ہے، علم نہیں۔ اور امام سے مراد خلیفہ المسلمین ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان کے امام کے دعویٰ امامت سے پہلے مسلمان تھے، وہ اس کے دعویٰ کے بعد کافر کیسے ہو گئے؟

فرقہ بریلویہ کے خواص : اس فرقے کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ یہ انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام اور بالخصوص جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہر ولی کو برابر کرتے ہیں وہ اس طرح کہ ان کے نزدیک ہر نبی ولی کو علم غیب ہے نیز ہر ولی حاجت روا مشکل کشا فریاد رس اور حاضر ناظر ہے فرق یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان اوصاف کو ذاتی اور انبیاء و اولیاء کے لیے عطائی مانتے ہیں۔ پھر جو جو حاجات نبی کریم ﷺ سے طلب کرتے ہیں وہی حاجات حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب قبور سے بھی طلب کرتے ہیں۔ یہ واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ان سب کے اختیارات ایک جیسے ہیں۔ اور یہ واضح گستاخی ہے یہ لوگ ایک جیسے اختیارات نہیں مانتے تو اپنی کتابوں سے باحوالہ انبیاء و اولیاء کے اختیارات کی حدود اور درجہ بندی دکھائیں۔

ہمارا تو وہی عقیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور سب سے آخری رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے اور جس کے اعلان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک (الانعام ۵۰) ترجمہ "آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں"

بریلوی حضرات احمد رضا خان بریلوی کو اپنا پیشوا مانتے ہیں جس نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔ "حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے' اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔" (وصایا شریف ص ۱۰)

شاگرد : استاد جی آپ نے تو کہا ہے کہ یہ لوگ مولوی احمد رضا خان کے ماننے والے ہیں حالانکہ یہ بہت سے کام ایسے کرتے ہیں جو مولوی احمد رضا خان بریلوی صاحب بھی نہیں کیا کرتے تھے مثلاً ۱۲ ربیع الاول کو جلوس نکالتے ہیں یا اذان سے پہلے اور بعد اونچی آواز سے صلاۃ پڑھتے ہیں اور جو ان کاموں کو نہ کرے اس کو نبی کریم ﷺ کا گستاخ یا آپ سے محبت نہ کرنے والا سمجھتے ہیں۔

استاد : واقعی مولوی احمد رضا خان کے تمام فتاویٰ کو ماننے والے شاذ ونادر ہی ہیں مگر بنیادی عقائد میں (غیر اللہ کو عالم الغیب' حاجت روا' مشکل کشا ماننے) نیز علماء دیوبند پر فتویٰ کفر لگانے میں یہ لوگ اس کے پیروکار ہیں۔ مگر خدا کی قدرت دیکھیں کہ اس زمانہ کے بریلویوں کے فتاویٰ سے مولوی احمد رضا خان بھی نہ بچ سکا۔

محبت رسول کا معیار ان لوگوں کا خود ساختہ ہے ان کے فتاویٰ کی رو سے آج سے پچاس سال قبل کوئی محب رسولؐ نہ تھا کیونکہ وہ ایسے جلوس نہیں نکالتے تھے۔ اسی طرح چند سال بعد جو یہ لوگ کوئی اور بدعت ایجاد کریں مثلاً ۱۲ ربیع الاول کو نماز عید شروع کر دیں' پھر فتویٰ دیں کہ جو اس کو نہ کرے وہ عاشق رسولؐ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے فتاویٰ کی رو سے آج کا اور آج سے پہلے کا کوئی مسلمان عاشق رسول نہ رہے گا۔

ان لوگوں کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یا اللہ مدد سے جلتے ہیں کوئی آدمی خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی مافوق الاسباب مدد مانگے ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی مگر کوئی صرف اتنا کہہ

دے یا اللہ مدد اس کو وہابی یا گستاخ کہہ دیتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے اس کو مشرکین کا خاصہ بتایا ہے۔

ارشاد باری ہے واذا ذکرت ربک فی القرآن وحدہ ولوا علی ادبارھم نفورا "اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں"

نیز فرمایا: واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ "اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل سکڑ جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے"

ایک جگہ ارشاد ہے ذلکم بانہ اذا دعی اللہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تومنوا "وجہ اس کی یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے"

ان کا ایک خاصہ یہ ہے چار نعرے لگاتے ہیں نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری، نعرہ غوثیہ۔ نعرہ تکبیر کا جواب اللہ اکبر بالکل صحیح نعرہ ہے جواب بھی کامل کلام ہے باقی نعروں پر کچھ ملاحظات ہیں۔ ندا سے مقصود جواب ندا ہے (جواب ندا کبھی مذکور ہوتا ہے، کبھی محذوف۔ کوئی شخص یا رحیم یا رحیم کہے، اس کا مقصد یہ ہے اے رحیم رحم کر، اے رحیم رحم کر) اور ان تینوں کو بغیر جواب ندا کے رکھنا ان تینوں حضرات کے ساتھ گویا استہزاء ہے۔ اگر آپ کسی کو بلائیں وہ آپ کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن آپ اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے کسی اور طرف متوجہ ہو جائیں کیا یہ استہزاء نہ ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہم ان سے استمداد کرتے ہیں تو یہ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے استمداد کیوں نہ کی جبکہ اس کا ارشاد ہے وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین "تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے" اس کے برعکس نبی کریم ﷺ، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کب فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کر لیا کرو لیکن استمداد ہم سے کیا کرو۔

نیز اگر یہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق استمداد کرتے ہیں تو بتائیں جب تمہارے نزدیک نبی کریم ﷺ مختار کل ہیں اور تم نے ان کو پکارا بھی تو کیا آپ کو ان سے مدد کی امید نہیں جو ساتھ ہی دوسرے اور تیسرے کو پکارنا شروع کر دیا بتلاؤ گستاخی تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں۔ نہ خدا کو چھوڑا نہ مصطفیٰ کو نہ مرتضیٰ کو اور نہ اولیاء کو اور الٹا طعنہ دوسروں کو دیتے ہو۔

ان چاروں نعروں کی ترتیب بھی غیر شرعی ہے۔ نبی ﷺ کے بعد درجہ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے مگر یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ یا علی کا نعرہ لگاتے ہیں' یا صدیق یا عمر وغیرہ کا نعرہ کیوں نہیں لگاتے؟ کیا یہ لوگ تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ پھر حضرت علی کے بعد کسی صحابی تابعی یا امام مجتہد کا نعرہ نہیں لگاتے حضرت عبدالقادر جیلانی کا ہی نام لیتے ہیں اس تخصیص کی وجہ بتائیں۔

شاگرد: استاد جی ٹھیک ہے یہ لوگ نعروں میں یااللہ مدد نہیں کہتے مگر ہم ان کی ہر مسجد میں دیکھتے ہیں لکھا ہوتا ہے یا اللہ' یا رسول اللہ۔

استاد: ارشاد باری تعالیٰ ہے وان المسجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا "اور یہ کہ سب مسجدیں خدا تعالیٰ کی ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مت پکارو" اور یہ لوگ مسجد کے اندر بھی خدا کے ساتھ غیروں کو پکارتے ہیں اور یہ بھی قرآن کی صریح مخالفت ہے مگر یہ لوگ اسی کو عین ایمان سمجھتے ہیں۔

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اپنی مساجد کو صرف مدینہ منورہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کسی مسجد کا نام نور مدینہ کسی کا گلزار مدینہ مکہ مکرمہ کا نام نہیں لیتے شاید ان کو مکہ مکرمہ سے نفرت ہے شاید یہی وجہ ہے کہ یہ کہتے ہیں واہ کیا بات ہے مدینہ کی' کبھی کہتے ہیں المدینہ چل مدینہ' آج نہیں تو کل مدینہ۔ نظمیں بھی مدینہ ہی کی بناتے ہیں نہ توحید بیان کرتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ ہم بھی مدینہ منورہ کو نہایت قابل قدر بابرکت جگہ مانتے ہیں وہاں کی عظمت ہمارا ایمان ہے مگر مکہ مکرمہ سے نفرت آخر کیوں کی جاتی ہے کیا وہ قبلہ مسلمین نہیں؟ کیا وہ بابرکت نہیں۔ غیر مقلدین قرآن کا نام نہیں لیتے اور بریلوی مکہ کا نہیں لیتے۔

یہ لوگ صرف نبی ﷺ کی عشق و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بھی جزو ایمان ہے ارشاد باری ہے

والذین آمنوا اشد حبا للہ "اور ایمان والوں کو اللہ سے زیادہ محبت ہے"
نیز فرمایا
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی
یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو رسول کی پیروی کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں تو نبیؐ کے قریب جانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (۱)

ارشاد نبوی ہے ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما (الحدیث، بخاری ج ۱ ص ۱۳ مع حاشیہ سندی) "تین چیزیں جس میں ہوں گی، وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کو باقی سب سے زیادہ محبوب ہو" الخ۔

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ عموماً" ایسے رواج کی تائید کرتے ہیں جس میں ان کا مالی مفاد ہو اگرچہ اس کا ثبوت تو کیا حرمت ہی کیوں نہ ثابت ہو۔ جیسے گیارھویں، تیجا، ساتواں وغیرہ

علماء دیوبند کے خواص

ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت اور قیاس (اصول اربعہ) کو مانتے ہیں۔ تمام فرقوں سے اعتدال میں ممتاز ہیں۔ فتویٰ دینے میں نہایت محتاط ہیں نہ تو بریلوی حضرات کی طرح فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور نہ ہی غیر مقلدین کی طرح دوسروں کو تارک حدیث یا بے نماز کہتے ہیں۔ البتہ ضروریات دین کے منکر کو کافر کہتے ہیں خواہ کوئی ہو۔ فروعی مسائل میں اگرچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں مگر دوسروں کو گمراہ نہیں کہتے امام ابو حنیفہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر علماء دین سب کا احترام کرتے ہیں۔ غیر مقلدین جو دوسروں کو بے نماز کہتے ہیں ان کو بھی بے نماز نہیں کہتے۔

---

(۱) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رکھتے تو وہ بھی تم سے محبت نہ کرے گا۔ اللہ کی محبت حاصل کرنے کی دو شرطیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ اس لیے ارشاد فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

شاگرد: استاد جی فروعی اختلافات میں آپ کسی کو گمراہ نہیں کہتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی عمل کو ایک جائز اور دوسرا ناجائز کہے اور دونوں ثواب پائیں۔

استاد: ارشاد نبوی ہے

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم "تحقیق اللہ تعالٰی تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم "اللہ کے پاس ان قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون اور اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے"

تو جب کوئی شخص اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ بخاری شریف کتاب المغازی میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظہ فادرک بعضھم العصر فی الطریق فقال بعضھم لا نصلی حتی ناتیھا وقال بعضھم بل نصلی لم یرد منا ذلک فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یعنف واحدا منھم (بخاری حاشیہ سندی ج ۳ ص ۴۴) ترجمہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر۔ راستہ میں بعض پر عصر کا وقت آ گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا ہم تو عصر کی نماز بنی قریظہ ہی میں جا کر پڑھیں گے۔ دوسرے بعض حضرات نے کہا ہم تو نماز یہیں پڑھیں گے۔ کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ نماز نہ پڑھیں (انہوں نے نماز پڑھ لی) جب آپؐ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی"

ظاہر ہے کہ جب راستہ میں بعض نے نماز پڑھی تو باجماعت ہی پڑھی ہو گی اور دوسروں نے ان کے پیچھے نہ پڑھی۔ پھر دوسرے گروہ نے بعد میں پڑھی ان کے پیچھے اس گروہ نے نہ پڑھی مگر کسی نے دوسرے کو بے نماز نہ کہا۔

نیز ارشاد نبوی ہے۔

اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد فأخطأ فلہ اجر واحد (متفق علیہ عن عبد اللہ بن عمرو ابی ہریرۃ' مشکوۃ ج ۲ ص ۳۲۴) "جب حاکم فیصلہ کرنے لگے پھر اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب فیصلہ کرنے لگے پھر اجتہاد کرے پس خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے"

یہ بھی ارشاد فرمایا۔

القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار اما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضی بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار ورجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار (رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن ابی ہریرہ' مشکوۃ ج ۲' ص ۳۲۴) "قاضی تین ہیں۔ ایک جنت میں ہے اور دو آگ میں۔ لیکن جو جنت میں ہے تو وہ آدمی ہے جس نے حق کو جان کر اس کے ساتھ فیصلہ دیا اور وہ آدمی جس نے حق کو پہچان کر فیصلہ میں ظلم کیا' وہ دوزخ میں ہے اور جس نے لوگوں کے لیے جہالت سے فیصلہ کیا' وہ آگ میں ہے"

دوسری حدیث کا آخری جملہ ورجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو مسائل شرعیہ کا علم نہ ہو وہ فیصلہ نہ کرے پہلی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجتہد کو خطا کی صورت میں بھی ایک اجر مل جاتا ہے وہ کس لیے وہ اس لیے کہ اس نے اجتہاد کیا ہے اور وہ اس کا اہل بھی ہے محنت کی وجہ سے اجر ملے گا۔

شاگرد: استاد جی ہم لوگ یہ کیوں نہیں کہتے کہ غیر مقلدو تمہاری نماز نہیں ہوتی ہماری ہو جاتی ہے؟

استاد: جس طرح وہ دعویٰ کرتے ہیں ہم بھی کر سکتے ہیں کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

من قرا خلف الامام فلا صلاۃ لہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶) "جس نے امام کے پیچھے قراءۃ کی' اس کی نماز نہیں ہے"

مگر ہم اس لیے نہیں کہتے کہ اس مسئلہ میں کبار علماء کا اختلاف رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز قبول کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ ہمارا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ غیر مقلد کی نماز ہو جاتی ہے اگر ہو تو لائیں مگر واضح رہے کہ لا صلاۃ والی حدیث سے یہ

بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ غیر مقلد کی نماز ہو جاتی ہے دعویٰ مثبت ہے اور حدیث نافی ہے ثبوت کیسے ہوگا۔

شاگرد: انہوں نے اس دعویٰ سے بہت سوں کو بگاڑ دیا۔

استاد: ٹھیک ہے مگر ہم اس کے ذمہ دار نہیں ان سے اس دعویٰ کی بابت سوال ہو گا ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی مگر اس لیے نہیں کہا کرتے کہ قیامت کے دن اگر یہ سوال ہو گیا کہ تم نے یہ دعویٰ کس دلیل قطعی کی بنا پر کیا تو کیا جواب ہوگا؟

رہا یہ کہ غیر مقلدین کا گمراہ کرنا تو ہم لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں مگر اپنے قول کے ذمہ دار ہیں اور یہ اپنے قول کے ذمہ دار ہوں گے۔

علماء دیوبند کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ہر فتنے کا مقابلہ کرتے ہیں ختم نبوت' ناموس رسالت و ناموس صحابہ واہل بیت کا دفاع کرتے ہیں' منکرین حدیث' غیر مقلدین اور اہل بدعت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انگریز کے زمانہ میں جہاد میں حصہ لیا جہاد افغانستان میں اعلیٰ کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام باطل فرقے انہی کی مخالفت کرتے ہیں' انہی کو اپنا اصل دشمن سمجھتے ہیں۔ مرزائی ان کو برا کہتے ہیں' شیعہ ان کے دشمن ہیں' بریلوی ان کے خلاف' غیر مقلدین کا سارا زور ہی ان کی مخالفت میں صرف ہوتا ہے۔

علماء دیوبند کا ایک خاصہ یہ ہے کہ صرف اپنے آپ کو عاشق رسول نہیں کہتے البتہ اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ سے ان کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اس کی باوجود نام لے کر اپنے آپ کو جنتی نہیں کہتے بلکہ خوف ورجاء کے ساتھ رہتے ہیں۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا احترام کرتے ہیں شیعہ اور بریلوی کی طرح خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر یا علی کا نعرہ نہیں لگاتے اور نہ ہی غیر مقلدین کی طرح ان حضرات پر بے اعتمادی کرتے ہیں بلکہ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین کے مد نظر دیگر مسائل کی طرح طلاق اور تراویح میں ان حضرات کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو واجب الاتباع جانتے ہیں۔

ان کا ایک خاصہ ہے ہے کہ حق کی طرف جلد رجوع کر لیتے ہیں اپنی غلطی کے اعتراف میں شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔

شاگرد: استاد جی غیر مقلد کہتے ہیں کہ دیوبندی دارالعلوم دیوبند کے بعد پیدا ہوئے اور

دارالعلوم کی بنیاد ۱۸۵۷ء کے بعد رکھی گئی ہے۔ جبکہ اہل حدیث شروع سے ہیں

استاد: غیر مقلدین اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام حنفی لوگوں نے پھیلایا اور یہاں کے حکمران بھی حنفی تھے فتاویٰ عالمگیری اس بات کی واضح دلیل ہے۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے اب تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاوی ہندیہ یعنی فتاوی عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبد الرحیم والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم کے بھی شریک تھے۔" (ترجمان وہابیہ ص ۱۰، ۱۱)

جب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناکامی ہو گئی تو مجاہدین شاملی نے قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور یوپی انڈیا میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو بعد کو دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا اس مدرسہ کے بانیان کا مسلک ہندوستان کے انہیں لوگوں کا مسلک ہے جنھوں نے یہاں اسلام کی آبیاری کی مثلا مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز رحمھم اللہ وغیرہ ان کے مدمقابل کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے اس دارالعلوم کے سرکردہ افراد کو کافر کہا ان میں سرفہرست مولوی احمد رضا خان بریلوی ہے۔ اس کے پیروکار بریلوی کہلائے دوسری طرف ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے ان علماء دیوبند پر تارک سنت بلکہ منکر حدیث ہونے کا الزام لگایا۔ جہاد کے خلاف فتویٰ دے کر اپنے لوگوں کے لیے اہل حدیث کا نام انگریز سے الاٹ کروا لیا اس اختلاف کبیر کے باوجود یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے تھے غیر مقلدین نے اپنے آپ کو جدا کرنے کے لیے اہل حدیث نام الاٹ کروایا دوسرے دونوں گروہوں کے درمیان عرف عام میں یہ فرق کیا گیا کہ مولوی احمد رضا خان کے پیروکاروں کو بریلوی، علماء دیوبند کے پیروکاروں کو عرف عام میں دیوبندی کہا جانے لگا۔

غیر مقلدین ایک نیا فرقہ ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جو لوگ غیر مقلدیت کی دعوت دیتے ہیں، وہ یا خود غیر مقلد ہوتے ہیں یا ان کے باپ یا دادا۔ اس سے اوپر حنفی ہی تھے۔ جبکہ حنفیہ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا خاندان کب سے حنفی ہے؟ یہ اس بات کی

واضح دلیل ہے کہ حنفیہ سینکڑوں سال سے نسل در نسل پکے مسلمان ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حنفیت ترک کر کے غیر مقلد بنے' وہ بڑی تعداد میں مرزائی یا منکر حدیث بن چکے ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ غیر مقلدین کو ایمان کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔ شاید ان سے ایمان سنبھالا نہیں جاتا۔ ایمان کو سنبھالنا ان کے لیے ایک اہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور یہ لوگ غیر مسلم سے مسلم نہیں ہوئے بلکہ بگڑے ہوئے حنفی ہیں۔ اب جو حنفی چاہتا ہے کہ اس کی نسل ایمان پر قائم رہے' وہ ہرگز غیر مقلد نہ بنے۔

شاگرد: استاد جی دیوبند کا معنی کیا ہے؟

استاد: دیوبند ایک قصبے کا نام ہے اور علم کے لیے معانی ضروری نہیں ہوتے۔ جاہل لوگ استہزاء اس کا معنی دیو کا بندہ کرتے ہیں حالانکہ یہ اسم فاعل غیر قیاسی مانا جائے تو ترجمہ ہو گا دیو کو بند کرنے والا جیسے ازار بند۔

دیکھئے حدیث کا معنی جدید' قصہ کہانی وغیرہ بھی آتے ہیں مگر اصطلاحی معنی ارشاد نبوی ہیں۔

شاگرد: استاد جی جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے تو پھر دیوبندی کیوں؟

استاد: واقعی ہمارا نام مسلم ہی ہے اور ہمیں اس نام پر فخر ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ دیوبندی نام ہرگز علماء دیوبند نے شروع نہیں کیا بلکہ عرف عام نے نقلی اور اصلی کو جدا جدا کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔

اس کی ایک مثال سمجھ لیں' آج سے سو سال قبل گھی کا لفظ صرف دیسی گھی پر ہی بولا جاتا تھا۔ پرانی کتابوں میں جہاں گھی کا لفظ ہو گا اس سے مراد دیسی گھی ہی ہوگا۔ اس زمانہ میں دیسی گھی کے لیے دیسی ہی نہیں بلکہ خالص کا لفظ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس وقت بناسپتی گھی نہیں ہوتا تھا۔ جب بناسپتی بننے لگا تو گھی کی اقسام شروع ہو گئیں پھر بناسپتی کی ملیں لگیں تو ہر مل نے اپنا الگ نام تجویز کیا جب لوگوں نے دیسی گھی میں ملاوٹ شروع کر دی تو اس کی دو قسمیں ہو گئیں خالص' نا خالص۔ ہر دکاندار اپنے گھی کو خالص دیسی گھی ہی کہے گا اس لیے جس کا گھی اچھا ہو گا' لوگ اس کے نام سے گھی کا تعارف کرائیں گے کہ فلاں دکاندار کا خالص دیسی گھی۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ جب تک نقل ایجاد نہ ہوئی تھی' صرف لفظ گھی کافی تھا جب

نقل در نقل ہونے لگی تو اس کمی کے تعارف کے لیے اتنا لمبا لفظ بولا جانے لگا جبکہ حقیقت وہی ہے۔

اسی طرح جب نبی ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا جو شخص ایمان لاتا وہ مسلم کہلاتا۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بعض مسلم مہاجر اور بعض انصار کے نام سے موسوم ہوئے اور یہ نام قرآن کریم میں مذکور ہے پھر خدمات و فضائل کے اعتبار سے ان کی تقسیم ہے مثلاً اصحاب بدر' اصحاب احد' اصحاب شجرۃ وغیرہم۔ ان تقسیمات کے باوجود ان کا آپس میں کوئی اختلاف یا عداوت وغیرہ نہ تھی سب اہل اسلام اعتقاداً و عملاً اہل حق ہی تھے۔

خلافت راشدہ کے آخری دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کے بارے میں کچھ لوگوں نے غلو سے کام لیا اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے آپ کو خدا تعالیٰ کے حکم کا تارک بتایا۔ معتدل جماعت اہل السنۃ والجماعۃ ہوئی۔ غلو کرنے والے شیعہ اور رافضی کہلائے اور آپ کو برا کہنے والے خارجی کہلائے۔

حالات گزرتے گئے فرقے سے فرقے بنتے گئے مگر ہمیں صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے بارہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔ اہل سنت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کرتے ہیں مشاجرات صحابہ کے واقعات میں نہیں الجھتے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑتے ہیں۔

اب سنئے ہندوستان میں بریلوی دیوبندی غیرمقلد تینوں فرقے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ تینوں گروہوں کا فرق ان کے خواص سے واضح ہو چکا ہے۔ خالص اہل السنۃ وہی ہوں گے جو سب خلفاء راشدین کا احترام کرتے ہیں اور علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین پر عمل کرتے ہیں اور یہی معیار ہے اختلاف کے وقت صحیح فرقے کا جاننے کا۔ اس لیے دیوبندی ہی اس وقت اصل اور خالص اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

بریلوی تو اس لیے نہیں کہ وہ نعرہ یا علی لگاتے ہیں جو شیعہ کا شعار ہے اگر نداء دلیل احترام ہے تو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اس کے زیادہ مستحق ہیں تو جو شخص خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا احترام نہیں کرتا یا ان پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ترجیح دیتا ہے' وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے۔

غیرمقلد اس لیے اہل السنۃ میں سے نہیں ہیں کہ یہ لوگ سنت خلفاء راشدین کا مذاق

اڑاتے ہیں۔ طلاق و تراویح کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کہتے ہیں مگر علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الرشدین کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول پڑھتے ہیں واولی الامر منکم چھوڑ دیتے ہیں۔ اطیعوا اللہ پر بھی عمل نہیں کرتے' صرف حدیث حدیث کرتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ دیوبندی کا اضافہ مذہب یا ایمان کا جز ہرگز نہیں بلکہ جعلی اہل سنت سے جدا کرنے کے لیے عرف عام نے اضافہ کیا ہے۔

اب سنئے ہمارا دین اسلام ہے خوارج و روافض کے مد مقابل ہم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں بریلوی اور غیر مقلدین کے مد مقابل ہمارا مسلک ان علماء کا ہے جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اسی نسبت سے دیوبندی کہا جاتا ہے۔

جس طرح انسان کے مفہوم میں حیوان' جسم نامی' جسم' جوہر سب داخل ہیں اسی طرح دیوبندی کے لفظ میں حنفی' اہل السنۃ' مسلم سب کا مفہوم شامل ہے۔

مسلک دیوبند کا خلاصہ : ان کے بنیادی اصول چار ہیں : اللہ تعالیٰ سے محبت' نبی علیہ السلام سے محبت' قرآن کریم پر عمل کرنا' حدیث شریف پر عمل کرنا۔ اجماع ۔اجتہاد اور قیاس تو قرآن وحدیث پر عمل کی آسانی کے لیے ہے۔ اصل بنیاد نہیں ہے۔ اسی لیے ان کے مقابل قیاس نہیں لیا جاتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ولکن لا قیاس مع اثر ولیس ینبغی الا ان ینقاد للاثار (کتاب الحجہ ج ۱ ص ۲۰۴)

"لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت نہیں اور احادیث کے آگے جھکنا ہی پڑے گا۔"

علماء دیوبند کی حیثیت ہمارے نزدیک ثقہ راویوں کی طرح ہے۔ ان سے محبت اس لیے ہے کہ وہ لوگ خدا کے نیک بندے ہیں اور نیک بندوں سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنے سے ناشی ہے۔ ہم تک ان اصول اربعہ کے پہنچانے والے ہیں۔ اصل اصول وہی چار ہیں۔ اس لیے ہمارا مسلک فرقہ واریت سے پاک ہے۔

ان چار اصولوں کے تقاضے ایک اور انداز سے

اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مشکل میں اسی کو پکارا جائے۔ یا اللہ مدد سے

نہ جلا جائے بلکہ خود کہا جائے۔ اس کی صفات مختصہ میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ پھر اللہ کی محبت کی وجہ سے اللہ کے نیک بندوں سے محبت کی جائے۔ ہمارا علماء دیوبند پر اعتماد اور ان کا دفاع اس وجہ سے ہے کہ ہم ان کو اللہ کی نیک بندے مانتے ہیں۔ گویا ان کا دفاع الحب فی اللہ کا مظاہرہ ہے۔ اگر ان حضرات نے بالفرض خدا تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی واقعتاً گستاخی کی ہو تو ہم ان سے بیزار ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ اپنے اکابر سے ہمیں ہرگز محبت نہیں ہے۔ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہی ہم اجماع کو حجت مانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی اور کے بتائے ہوئے یا بنائے ہوئے کام کو دین سمجھ کر آپ ﷺ کی نورانی سنتوں پر ہرگز ترجیح نہ دی جائے۔

نیز اگر کسی فضیلت کا نبی علیہ السلام کے لیے بھی ثبوت ہو اور غیر کے لیے بھی تو نبی علیہ السلام کے لیے اس کو بدرجہ اولیٰ تسلیم کیا جائے۔ قرآن پاک نے شہید کو زندہ فرمایا اور احادیث پاک میں حیات انبیاء کا ذکر ہے۔ اب شہید کے لیے حیات کو ماننا اور انبیاء علیہم السلام کے لیے نہ ماننا نا مناسب ہے۔ نبی علیہ السلام کی محبت کا تقاضا آپ کے صحابہ سے محبت کرنا اور صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر اعتماد کرنا بھی ہے۔

قرآن وحدیث کو ماننے کا تقاضا یہ بھی ہے کہ علماء اسلام نے غیر منصوص مسائل کا جو حل قرآن وحدیث سے اخذ کیا ہے' اس سے استفادہ کیا جائے۔

اور ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ سب نصوص کو سامنے رکھ کر مسئلہ کا حل نکالا جائے۔ ایک حدیث کو لے لینا اور اس موضوع کی تمام آیات اور احادیث سے مکمل بے توجہی کرنا قطعاً" ناجائز ہے اور غیر مقلدین اسی طرح کرتے ہیں۔

نبی علیہ السلام سے محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مشن کو بتمامہ باقی رکھنے کی کوشش کی جائے۔ آپ کے مشن کا ایک حصہ تزکیہ نفس بھی ہے جس کا راستہ بیعت وطریقت ہے۔ اب ہم اس بات کے کہنے میں ان شاء اللہ سچے ہوں گے کہ دیوبندی اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اہل القرآن والحدیث ہیں اور یہ ان کا علَم نہیں بلکہ وصف ہے۔ مزید تفصیلات ان شاء اللہ مادہ قیاس کے بیان میں آئیں گی۔

حیاتی و مماتی: یہ بات گزر چکی ہے کہ دیوبندی کا معنی وہ سنی مسلمان جو بانیان دارالعلوم دیوبند سے عقائد میں متفق ہو۔ لیکن اس اخیر دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے

ہیں جو اپنے آپ کو سچا دیوبندی کہتے ہیں حالانکہ نہ صرف علماء دیوبند بلکہ اجماع امت کے خلاف نبی ﷺ کی قبر کی زندگی کے منکر ہیں اس فتنے کی ابتداء مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری نے کی۔ مسئلہ توسل' سماع الموتی یہ تو اختلافی ہیں مگر قبر میں نبی ﷺ کا زندہ ہونا اور وہاں جا کر سلام پڑھنا اجماعی مسئلہ ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص۱۰۶ ص ۱۱۲)

اس طرح دیوبندی منقسم ہو گئے ایک گروہ حیاتی دوسرا مماتی کہلایا اس مقام پر ہم مماتیوں کے خواص ذکر کرتے ہیں۔

مماتیوں کے خواص : یہ لوگ اپنے سوا سب کو باطل پر سمجھتے ہیں بلکہ بعض غالی حیات النبیؐ کے قائل کو مشرک و کافر کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور ہمارا اختلاف دراصل انہیں متشددین سے ہے جو کہتے ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام کے سماع عند القبر کے قائل ابوبکر صدیقؓ ہوں تو وہ بھی کافر ہیں۔ (بحوالہ دعوۃ الانصاف ص ۲۷)

مسئلہ توحید کو بزعم خویش سب سے زیادہ بیان کرتے ہیں دوسروں پر کھل کر تنقید کرتے ہیں حکمت سے کام نہیں لیتے۔

اکابر فقہاء وعلماء کی عبارات کو یا رد کر دیتے ہیں یا ان پر الزام بتاتے ہیں اور جب اکابر سے اعتماد اٹھ جائے تو انسان کو گمراہ کر دینا بہت آسان ہے یہی وجہ ہے کہ مماتی غیر مقلد جلد ہو جاتے ہیں۔

ان کے خلاف جو حدیث آئے خواہ بخاری و مسلم کی ہو' ضعیف یا موضوع کہہ دیتے ہیں۔

تدریب

س۔ امثلہ ذیل میں بتاؤ کہ کون کس کے لیے جنس قریب اور جنس بعید اور فصل قریب اور فصل بعید ہے۔

ناطق جسم[1]' جسم نامی 'ناہق' صاہل' حساس' نامی

---

[1] عقل والا جسم قابل ابعاد ثلاثہ یعنی لمبائی چوڑائی موٹائی والا۔ جسم نامی نہ بڑھنے والا جسم۔ ناہق : ہینچوں ہینچوں کرنے والا گدھا۔ صاہل : ہنہنانے والا۔ حساس : حس رکھنے والا۔ نامی : بڑھنے والا۔ ح

س۔ بریلوی کس کی طرف منسوب ہے اور ان کے چند خاصے ذکر کریں۔
س۔ غیر مقلدین اعلان کرتے ہیں' اہل حدیث کے دو اصول' اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اس میں وہ لوگ کیا کوتاہی کرتے ہیں؟
س۔ جنس قریب وجنس بعید نیز فصل قریب وفصل بعید کی وضاحت کے لیے اسم کی اقسام کا جو نقشہ دیا گیا ہے' وہ پیش کر کے ان کی وضاحت کریں
س۔ فصل قریب اور فصل بعید کو جاننے کا کیا فائدہ ہے؟ بمع امثلہ تحریر کریں
س۔ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ نیز ایمان کے چند تقاضے تحریر کریں
س۔ فرقے کیسے بنتے ہیں؟ نیز کیا ہر اسلام کا دعوی رکھنے والا عند اللہ مسلم ہے؟
س۔ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والے فرقوں کا نقشہ مع مختصر تعارف لکھیں
س۔ خوارج' شیعہ اور منکرین حدیث کے خواص تحریر کریں
س۔ نبی علیہ السلام کی احادیث کا انکار کرنے والے کا ایمان قرآن پر غیر معقول ہے' وہ کیسے؟
س۔ ہر شخص قابل تنقید ہے. یہ کس فرقہ کا اصول ہے؟
س۔ غیر مقلدین کے چند خواص تحریر کریں
س۔ وہ کون سے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نام خود وضع کیا اور اس پر فخر کرنے لگے
س۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کا لفظ قرآن پر بولا جاتا ہے' اس لیے اہل حدیث کے لفظ میں قرآن بھی آ جاتا ہے' ان کا کیا جواب ہے؟
س۔ غیر مقلدین کا کون سا طریقہ منکرین حدیث سے ملتا ہے؟
س۔ ایسا قصہ ذکر کریں جس سے معلوم ہو کہ غیر مقلدین کو حنفیہ سے انتہائی بغض ہے
س۔ یہ لوگ اتنے ضدی کیوں ہوتے ہیں؟
س۔ غیر مقلدین کی نماز کے چند خواص تحریر کریں
س۔ فرقہ جماعت المسلمین کب پیدا ہوا' ان کا امیر کون ہے؟ نیز اس جماعت کے چند خواص تحریر کریں

س۔ فرقہ بریلویہ کے چند خواص تحریر کریں

س۔ بریلوی نبی علیہ السلام کے ساتھ ہر نبی ولی کو برابر کرتے ہیں' وہ کس طرح؟

س۔ بریلوی کس کے پیروکار ہیں اور اس کی وصیت کیا ہے؟

س۔ بریلوی مولویوں کے فتووں سے مولوی احمد رضا خان نہ بچ سکا' وہ کس طرح؟

س۔ یا اللہ مدد سے جلنے والے کون ہیں اور ایسا کیوں کرتے ہیں؟

س۔ بریلوی حضرات کے چار نعرے ذکر کریں' نیز ان پر ملاحظات بیان کریں

س۔ یا اللہ' یا رسول اللہ ایک ساتھ کہنے یا لکھنے میں کیا خرابی ہے؟

س۔ حضرات علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کے چند خواص تحریر کریں

س۔ فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود چاروں ائمہ برحق کس طرح ہیں؟

س۔ جس طرح غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حنفیہ کی نماز نہیں ہوتی' حنفی ایسے ان کے بارے میں کیوں نہیں کہتے؟

س۔ غیر مقلد کہتے ہیں کہ دیوبندی دار العلوم دیوبند کے بعد بنے ہیں' اس کا کیا جواب ہے؟

س۔ حنفی پہلے اور غیر مقلد بعد میں ہوئے' اس کی کیا دلیل ہے؟

س۔ اللہ نے ہمارا نام مسلم رکھا تو ہم دیوبندی کیوں؟

س۔ ان تمام فرقوں میں دیوبندی ہی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں' اس کی دلیل ذکر کریں

س۔ مسلک دیوبند کے بنیادی اصول اور ان کے تقاضے بالتفصیل تحریر کریں اور یہ ثابت کریں کہ یہی مسلک فرقہ واریت سے پاک ہے اور انہی اصولوں پر جان قربان ہونی چاہئے

س۔ حیاۃ النبیؐ کے منکرین کے خواص تحریر کریں

اسلامی نظام کا تقابلی جائزہ

گزشتہ صفحات کے اندر فرقوں کے خواص ذکر کیے۔ اب یہاں نظام اسلامی کی خصوصیات بیان کرنے کا پروگرام ہے اس کے لیے مندرجہ ذیل نقشہ دیکھیں۔
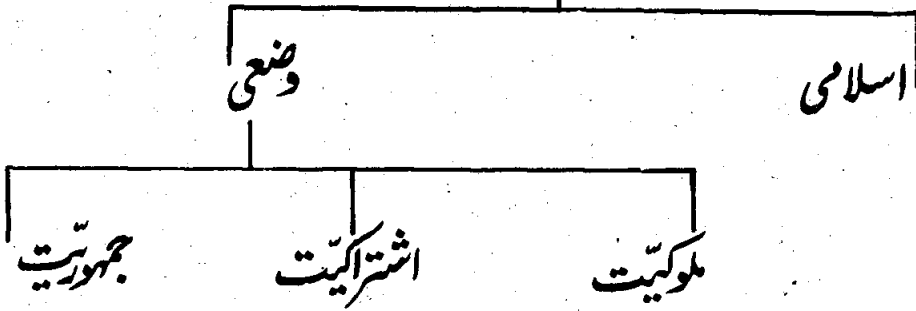
ہر نظام خواہ کوئی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مل جل کر حالات کو سنبھالے رکھنا' حقوق و واجبات میں واقع نزاعات کو دور کرنا۔

ہر نظام کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کو سربراہ تسلیم کیا جاتا ہے اور باقی اس کے معاون ہوتے ہیں۔ پھر ہر شخص کے اختیارات دوسرے سے مختلف ہوتے اور اگر دو افسر ایک جیسا اختیار رکھیں جیسے ہائیکورٹ کے جج تو جب ایک کے پاس معاملہ چلا جائے دوسرا اس کو نہیں لے سکتا۔ (۱)

اس کے بعد یاد رکھو کہ ہر نظام کسی دستور یا اصولوں کی بنا پر چلتا ہے ورنہ تو نہایت بدنظمی ہو گی گویا وہ قانون ہی قوت حاکمہ ہوتا ہے۔

---

(۱) اسی طرح کائنات کا تکوینی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' کوئی دوسرا مختار کل نہیں ہے۔ اور اگر اولیاء کو مختار کل مانا جائے تو نظام کائنات ہرگز نہیں چل سکتا۔

جمہوری حکومت کے خواص : (۱) اس میں قوت حاکمہ یعنی قانون ساز کمیٹی عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ اکثریت کے ساتھ جس چیز کو چاہیں جائز ناجائز کر دیتے ہیں۔ مذہب ساتھ دے یا نہ، عقل کے موافق ہو یا مخالف۔ جمہوری نظام کے تحت یورپ میں غیر فطری فعل کو کثرت رائے سے قانونا جائز قرار دیا گیا ہے۔ (سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ ص ۴۳) پارلیمنٹ کے وضع کردہ قانون کے مطابق ہی عدالت فیصلہ کرتی ہے پارلیمنٹ کے فیصلے کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اس نظام کے اندر ملک میں ہمیشہ دو جماعتیں برسرپیکار رہتی ہیں حزب اقتدار اور حزب اختلاف۔ حزب اقتدار والے حکومت کی تقریباً" ہرپالیسی کی تائید کرتے ہیں جبکہ حزب اختلاف والے حکومت کی تقریباً" ہرپالیسی کی خواہ اچھی ہو مخالفت کرتے ہیں ملک یا قوم کا مفاد عموماً" پیش نظر نہیں ہوتا۔

(۳) اس نظام کے اندر نمائندوں کی مدت حکومت محدود ہوتی ہے اس لیے ان کی سب سے بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اتنی مدت کے اندر کم از کم اتنا سرمایہ جمع کر لیں جس سے گزشتہ اور آئندہ انتخاب کے اخراجات پورے ہو جائیں۔

(۴) پارلیمنٹ کے ارکان عموما بڑے بڑے سرمایہ دار افراد ہوتے ہیں اس لیے ان کے اندر غریبوں کا احساس بہت کم ہوتا ہے اس لیے ان کے قوانین اور بجٹ عموما غریبوں کے خلاف ہی جاتے ہیں کیونکہ غریبوں کا احساس تو غریبوں ہی کو ہوتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ما للغریب سوی الغریب انیس پھر حکمران اگر تاجر ہے تو تاجروں کا فائدہ مد نظر ہوگا اور اگر زمیندار ہے تو زمینداروں کا

لطیفہ : یورپ میں مادی ترقی سے پہلے غربت چھائی ہوئی تھی ایک مرتبہ عوام نے حکومت کے خلاف جلوس نکالا بادشاہ نے اپنے ارکان حکومت سے پوچھا کہ لوگ مشتعل کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ان کو روٹی نہیں ملتی بادشاہ نے کہا روٹی نہیں ملتی تو بسکٹ کھا لیں۔

نظام ملوکیت کے خواص : اس نظام میں سب سے بڑی قوت حاکمہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ خزانے کا بھی وہ تنہا مالک ہوتا ہے۔

مولانا شمس الحق افغانی لکھتے ہیں انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ "بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے" (سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ ص ۹۰) بادشاہ کے بعد اس کی اولاد یا اقارب میں سے کوئی تخت کا مالک ہوتا ہے قدیم زمانہ میں یہ نظام عام تھا اس زمانہ میں نادر ہے۔

فائدہ: اگر حاکم اپنے بعد دیانتداری کے ساتھ کسی کو حاکم مقرر کردے تو جائز ہے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے خاندان کے افراد کو مختلف عہدوں پر مقرر کیا اس کی یہی وجہ تھے کہ خلیفہ راشد نے ان افراد کو دیے ہوئے عہدوں کے لیے اہل سمجھا۔ آپ نے اپنے خاندان کے آدمیوں کو جو مالی مدد کی وہ اپنے ذاتی مال سے کی تھی۔ مگر آج لوگ اس کو کنبہ پروری کا نام دے کر خلافت راشدہ کو بدنام کرتے ہیں حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تنخواہ بھی نہیں لی۔

شاگرد: استاد جی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنایا حالانکہ وہ اہل نہ تھا۔

استاد: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اہل سمجھ کر ہی نامزد کیا تھا۔ا۔ کیونکہ یزید نے اپنے عیوب کو حضرت معاویہ کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیا۔ سید علوی بن احمد السقاف رحمہ اللہ اپنی کتاب ترشیح المستفیدین میں لکھتے ہیں۔

معاویة عهد لولده يزيد لانه لغاية مهارته وحدة فطنته اللذين لم ينفعه الله بهما بالغ فی ستر قبائحه التی لا اقبح منها عن ابيه حتی ظن او تيقن تيقنا ناشئا عن تجرد تمويه وتخييل انه يستحق الخلافة (ص ۳۷۴)

ترجمہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے اس لیے وصیت کردی تھی کہ اس نے اپنی انتہائی مہارت اور ذہانت سے جن کے ساتھ اللہ نے اس کو نفع نہ دیا، اپنے والد سے اپنے انتہائی برے عیوب کو چھپایا حتی کہ ان کو غالب گمان یا یقین ہوگیا کہ وہ خلافت کا مستحق ہے اور اس یقین کا سبب دراصل یزید کی چالاکی اور ہوشیاری ہے"

اس موضوع پر مندرجہ ذیل مقالات ملاحظہ کریں

(۱) مقدمہ ابن خلدون ص ۱۴۶ طبع دار الفکر

(۲) ازالہ الخفاء ج ۱ ص ۵ سہیل اکیڈمی لاہور

(۴) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق از مولانا تقی عثمانی ص ۸۹ تا ۱۱۳

اشتراکیت کے خواص : ان کا سب سے بڑا خاصہ قول و عمل کا تضاد ہے ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ مالدار غریب مزدور کا حق ادا نہیں کرتا اس لیے مالدار سے اس کی ہر چیز چھین کر برابر تقسیم کر دی جائے لیکن جب حکومت مل جاتی ہے تو نہ امیر کو دیتے ہیں نہ غریب کو بلکہ ہر ہر چیز پر حکومت کا قبضہ ہو جاتا ہے ساری عوام حکومت کے ملازم بلکہ غلام بنا دی جاتی ہے۔

دوسرا خاصہ یہ کہ عوام کو ہر چیز میں حکومت کا تابع رہنا ہوتا ہے حکومت کی مخالفت تو کیا' ادنیٰ سا اظہار خیال بھی ایسا جرم ہے جس کی سزا موت ہوتی ہے۔

تیسرا خاصہ یہ ہے کہ اشتراکیت میں سب سے بڑی قوت ملک کی کمیونسٹ پارٹی کی اعلیٰ کمیٹی ہوتی ہے اس کا فیصلہ فوری اور حتمی ہوتا ہے۔ جیسا چاہے لوگوں سے سلوک کرے اس کا فیصلہ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھا خاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک کسی مذہب کو تو کیا' خالق کائنات کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ شعائر اسلام سے بالخصوص زبردستی روکا جاتا ہے۔

وضعی قوانین کا قدر مشترک رعرض عام تمام غیر اسلامی قوانین میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ ان میں حکومت کا رجحان خاص طبقے کی طرف ہوتا ہے جمہوریت میں حزب اقتدار جن میں اکثریت مالداروں کی ہوتی ہے اشتراکیت کے لیے غریب کا نام استعمال کر کے امیروں سے بدظن کیا جاتا ہے۔

ملوکیت میں ساری ترجیحات بادشاہ اور اس کے خاندان کے لیے ہوتی ہیں اس مقصد کے لیے وزراء اور متعلقین پر نوازشات کی جاتی ہیں ایک مشترک بات یہ ہے کہ ان سب کے قوانین چند افراد کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔

اسلامی نظام کے خواص : اسلامی نظام میں قوت حاکمہ اللہ جل شانہ کو مانا جاتا ہے اس کے دین کو نافذ کرنا سربراہ سے لے کر ادنیٰ چپڑاسی تک کا کام ہے ملک کے بڑے سے بڑے انسان پر مقدمہ کیا جاسکتا ہے ہر کسی کے فیصلہ کو' اس کے قول کو شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے کوئی حکمران اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔

اس کا دوسرا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ساری رعایا حکمران کی فرماں بردار ہوتی ہے۔ اس کے

باوجود کسی کو بھی اختلاف رائے کا حق ہوتا ہے مگر حکومت کے مد مقابل محاذ قائم نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں اختلاف کیا تھا مگر جب بات سمجھ آگئی تو اختلاف ختم ہو گیا۔ انہوں نے اختلاف کے باوجود امیر کی اطاعت سے روگردانی نہ کی۔

اسلامی نظام کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں ساری رعایا ایک دوسرے کی معاون ہوتی ہے۔ دنیا میں اکثر تنظیمیں حقوق حاصل کرنے کے لیے بنتی ہیں مگر اپنے واجب کو ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس نے ہر کسی کے حقوق واجبات بیان کر کے واجبات کے بارہ میں ادائیگی اور اپنے حقوق وصول کرنے میں نرمی کا حکم دیاہ ے۔ امیر کو حکم دیا

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ مزدور کو اس کی اجرت' اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

جبکہ مزدور کو یہ حکم ہے کہ اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ اس کے برخلاف دنیا کے دوسرے نظام امیر غریب کو لڑاتے ہیں۔

عورتوں کے بارے میں قانون تو یہ بیان کیا

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف اور ان کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں جیسا کہ ان کے فرائض' دستور کے مطابق

لیکن خاص مردوں کو حکم ہے

استوصوا بالنساء خیرا عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔

اور خاص عورتوں سے یہ کہا کہ اگر میں سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کرواتا تو عورت سے کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۹۷۴) مگر خاوند سے یہ بات ہرگز نہیں کہی کہ عورت کے سامنے اپنے فضائل بیان کر کے اس کے اوپر طرح طرح کے احکام نافذ کرتا پھرے۔

ہاں جب فریقین میں تنازع ہو تو پھر قاضی کی ذمہ داری ہے کہ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائے۔ خلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبہ خلافت میں ارشاد فرمایا

یا ایھا الناس انی ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی

وان اساءت فقوموني الصدق امانة والكذب خيانة والضعيف فيكم قوی عندی حتی ارجع علیه حقه ان شاء الله والقوی فیکم ضعیف حتی آخذ الحق منه ان شاء الله لا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا خذلهم الله بالذل ولا تشیع الفاحشة فی قوم الا عمهم الله بالبلاء اطیعونی ما اطعت الله ورسوله فیکم فاذا عصیت الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا الی صلاتکم یرحمکم الله (حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس خطبہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں وھذا اسناد صحیح البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۱)

ترجمہ "اے لوگو! مجھے تم پر حکمران بنایا گیا ہے اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تو اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو اور اگر برا کروں تو مجھے درست کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور میرے ہاں قوی ہے یہاں تک کہ میں اس پر اس کا حق لوٹا دوں ان شاء اللہ۔ اور تم میں سے قوی میرے ہاں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق لے لوں (اور حق دار کو دے دوں) ان شاء اللہ۔ کوئی قوم جہاد کو نہیں چھوڑتی مگر اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر کے چھوڑتا ہے اور کسی قوم میں بے حیائی عام نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت میں گھیر دیتا ہے۔ میری اطاعت کرو جب تک میں تمہارے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں۔ پھر اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری کوئی اطاعت نہیں ہے۔ اپنی نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم کرے"

اسلامی قانون کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کی حدود کے نافذ کرنے سے جرائم اتنی تیزی سے رکتے ہیں جس کی مثال اور کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ پھر سزا جرم کے عین مطابق ہے۔ ایسا نہیں کہ قتل کا مجرم اور سزا جرمانہ ہو یا معمولی جرم کی سزا موت دی جائے۔ جبکہ لینن نے یہ قانون بنایا تھا کہ جو کسان اپنی کاشت کردہ گندم سے لے گا وہ قتل کر دیا جائے۔

اسلامی نظام کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں اصل فیصلے کا دن آخرت مانا جاتا ہے جہاں نہ صرف انسان کے قرب وجوار بلکہ اس کے اپنے اعضاء بھی کلام کریں گے۔ اس لیے مومن حکمران بڑے محتاط رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم دنیا میں نہ بھی پکڑے گئے تو آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت تو کیا حکمران کو ہدیہ بھی ملے وہ بھی بیت المال میں جاتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ محبت بھائی چارے والا نظام صرف اسلام ہے اس کے اندر اخلاق قانون' تعزیر و حدود سب چیزیں موجود ہیں۔

اسلامی قانون کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں ذمیوں کو جبکہ وہ معاہدہ کے مطابق رہیں' مکمل امن دیا جاتا ہے۔

اور ایک خاصہ یہ ہے کہ حکمران اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے محض لوگوں کو سبزباغ دکھا کر اقتدار حاصل کرنے کے لیے وعدہ کرنا اس میں بڑا جرم ہے۔

اسلامی نظام کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں نسب کی حفاظت کا نہایت اہتمام ہے' عورتوں کو بے حیائی سے روکنے کے لیے مردوں پر ان کا نفقہ واجب کیا ہے پھر مردوں کو ان کے مطابق عورتوں کو ان کے مطابق احکام دیے ہیں۔ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مطابق کام دیا جائے۔ اسلام نے جاہلیت کی برائیوں کو دور کرکے عورتوں کو بڑا مرتبہ دیا ہے۔

شاگرد: استاد جی اسلام نے عورتوں کو برابر کے حقوق کیوں نہیں دیے۔

استاد: اگر عورتوں کی ہر بات مردوں کے برابر کریں تو عورتوں پر ظلم ہوگا اس لیے کہ بے شمار کاموں کے لیے عورتیں اہلیت نہیں رکھتیں۔ مثلاً بھاری وزن اٹھانا پلے داری کرنا اور اگر عورتوں کو ان کاموں میں لگائیں ان کی توہین ہے۔ پھر اگر عورتوں کا مردوں سے عام اختلاط ہو جائے تو اس میں اصل نقصان عورتوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے عورت مرد کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتی لیکن زبردستی مرد کی طرف سے ہو تو عورت کی دل شکنی ہوگی۔ اور اگر مرد و عورت دونوں رضامندی سے برائی کریں پھر بھی مرد بے حیائی کرکے فارغ ہو جاتا ہے جبکہ عورت کو مانع حمل دوائیں استعمال کرنی ہوتی ہیں جو صحت کے لیے مضر ہیں اور اگر حمل ٹھہر جائے تو عورت ہی کو برداشت کرنا ہوگا خواہ وہ اپنی مدت پوری کرے یا اس کو گرا دے۔ پھر جو بچہ ہوگا اس کا ذمہ دار کون ہے اسی نومولود کو کہیں پھینک دیا جائے تو اس کا کیا قصور ہے۔ اس کی معصومیت اور بے قصوری تو صرف اسلام ہی بتائے گا۔ وضعی قانون تو کہہ دیں گے (جس کی لاٹھی اس کی بھینس)

شاگرد: استاد جی عورتیں کہتی ہیں کہ ہماری تعداد ۵۲ ٪ ہے ہمیں ملازمت بھی اسی تناسب سے دی جائے۔

استاد: عورتیں ملازمت ہی کا نام لیتی ہیں کیا دنیا میں اور پیشے ختم ہو گئے ہیں؟ مرد دنیا کا ہر کام کرتا ہے یہ بھی سارے کام کریں جب اور کہیں جگہ نہ ملے پھر ملازمت کے لیے آئیں۔ چاہیے تو یہ کہ ایسی عورتیں کچھ پلے داری کریں' کچھ گدھا گاڑی چلائیں۔ یہ ہمارے کام کریں صرف ملازمت کی تلاش کیوں ہے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ کسی کام کی ملازمت تعداد کی بنا پر نہیں بلکہ اہلیت' ضرورت اور گنجائش کی بنا پر دی جاتی ہے اگر صرف تعداد کا لحاظ ہو تو پھر بوڑھوں اور بچوں کو بھی تعداد کے مطابق ملازمت ملنی چاہئے حالانکہ بوڑھے تو کیا ادھیڑ عمر والوں کو بجائے ملازمت دینے کے برطرف کر کے ریٹائرمنٹ دی جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی باصلاحیت ہو۔

عورتوں کو حمل و نفاس وغیرہ کے عوارض بھی پیش آتے رہتے ہیں اس لیے ہر ملازمت کے لیے وہ موزوں نہیں نیز ان ایام میں چھٹی کر کے تنخواہ لے گی اور خزانے پر بوجھ بنے گی۔

پھر مردوں کو عورتوں کی بہ نسبت ملازمت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان مردوں پر گھر کا سارا خرچ ہوتا ہے سو مردوں کو ملازمت دینا سو گھرانوں کو روزگار مہیا کرنا ہے جبکہ سو عورتوں کو ملازمت صرف سو افراد کے لیے ہوگی۔ اور دوسری طرف سو گھرانوں کو محروم ہونا پڑے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ بے روزگاری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرد بے روزگار ہے' نہ یہ کہ عورتیں بچے بے روزگار ہیں۔

عجیب چال: عورتیں کہتی ہیں ہم ۵۲ ٪ ہیں سوال یہ ہے کہ جب تم اتنی زیادہ ہو تو زبردستی ملازمت کیوں نہیں حاصل کرتیں؟ معلوم ہوا ملازمت تلاش کرنے والی بہت کم ہیں ورنہ یہ دیکھیں کہ حکومت کے ہر افسر کے گھر میں ماں بیوی بہن سب عورتیں ہیں پھر یہ دفتروں کا چکر کیوں کاٹتی ہیں۔ اپنے خاوندوں اور بھائیوں سے کہہ کر بلکہ ان کو قتل کر کے زبردستی کرسی پر قبضہ کر لیں آخر ایسا کیوں نہیں اس لیے کہ ملازمت کی طلبگار اقل قلیل ہیں

شاگرد: استاد جی بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا اختیار عورت کو نہیں دیا۔

استاد: عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہئے اس لیے کہ اگر خاوند طلاق دیتا ہے تو اسے ہر طرف سے ملامت ملتی ہے پھر مہر' نفقہ اور سکنی دینا پڑتا ہے اس لیے وہ محتاط رہتا ہے اور اگر یہ اختیار عورت کے پاس جاتا تو طلاق کی صورت میں وہ مہر اور نفقہ سے محروم بھی ہوتی اور ہر طرف سے اس پر طعنہ زنی بھی ہوتی۔

تدریب

س۔ نظام کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

س۔ اگر اولیاء کے پاس کائنات کا اختیار ہو تو نظام کائنات نہیں چل سکتا' کیوں؟

س۔ ملکی نظام میں اصل قوت حاکمہ کیا چیز ہوتی ہے؟

س۔ جمہوری نظام کے چند خواص تحریر کریں

س۔ جمہوری نظام میں اصل قوت حاکمہ دین ہے یا عقل ہے یا کیا ہے؟ مع مثال ذکر کریں

س۔ جمہوری حکومت کے نمائندوں میں غریبوں کا احساس کم ہوتا ہے، کیوں ؟

س۔ نظام ملوکیت کے چند خواص تحریر کریں نیز یہ بتلائیں کہ مسلمان حکمران اپنی صوابدید سے کسی کو ولی عہد بنا سکتا ہے یا نہیں؟

س۔ یزید خلافت کا اہل نہ نکلا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ولی عہد کیوں بنایا؟

س۔ اشتراکیت کے کچھ خواص ذکر کر کے بتائیں کہ اشتراکیت کا اسلام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟

س۔ وضعی قوانین کا قدر مشترک کیا ہے؟

س۔ اسلامی نظام کے چند خواص تحریر کریں

س۔ اسلام انسانوں کے درمیان جوڑ پیدا کرتا ہے جبکہ دیگر نظام غریب کو امیر سے' بیوی کو خاوند سے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے لڑاتے رہتے ہیں' اس بات کو دلائل سے ثابت کریں

س۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ خلافت میں خلیفہ اور رعایا کی ذمہ داریاں ذکر کی ہیں' اس کی وضاحت کریں

س۔ طلاق کا اختیار صرف مرد کے پاس ہے' اس میں عورت کا فائدہ ہے یا نقصان؟

س۔ اسلام نے بے حیائی سے کیسے روکا ہے؟

س۔ اگر عورت اور مرد دونوں راضی ہوں تو کیا بے حیائی جائز ہے؟ نیز اس صورت میں جانبین میں سے کس کا نقصان ہے؟ واضح کریں

س۔ معصوم بچے کا احساس صرف اس کے خالق کا دیا ہوا نظام دیتا ہے' وہ کیسے؟

س۔ اسلام نے جاہلیت کے ظلم کو دور کر کے عورتوں کو اونچا مقام دیا' اس کی وضاحت کریں

س۔ کیا عورتوں کی آزادی ان کی آزادی ہے یا مصیبت؟ واضح کریں

س۔ کیا عورتوں کو ملازمت نہ ملنے سے بے روزگاری زیادہ ہوتی ہے؟

س۔ عورتیں کہتی ہیں ہم ۵۲ ٪ ہیں' اسی نسبت سے ملازمت ملنی چاہئے۔ اس کا مفصل جواب ذکر کریں

س۔ اسلام نے نسب کی حفاظت کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں؟ ذکر کریں

سبق دوازدہم
دو کلیوں میں نسبت کا بیان

مصنف نے دو کلیوں کا عنوان قائم کیا ہے کیونکہ دو جزئیوں کے درمیان نسبت ہمیشہ تباین کی ہوتی ہے جیسے زید عمر بکر وغیرہ ہر کوئی دوسرے سے مختلف ہے۔ مرزا قادیانی نے عجیب کم عقلی کی بات کہی خود ہی مریم خود ہی ابن مریم خود ہی موسیٰ وغیرہ سب بن جاتا ہے حالانکہ جزئیات کا آپس میں ہمیشہ تباین ہوتا ہے۔

شاگرد : استاد جی قرآن کریم میں ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی تو اللہ اور رحمٰن ایک ہے۔

استاد : لفظ اللہ اور لفظ رحمٰن اسی طرح دیگر اسماء حسنی وہ تو ایک ہی ذات مقدسہ کے نام ہیں جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ ہماری مراد یہ ہے جن دو جزئیات کا مصداق الگ الگ ہو وہ ایک دوسرے سے متباین ہوں گی۔

> جاننا چاہئے کہ جس قدر کلیات ہیں ہر کلی کو دوسری کلی کے ساتھ چار نسبتوں میں سے ایک نسبت ضرور ہوگی۔ وہ چار نسبتیں یہ ہیں : تساوی' تباین' عموم خصوص مطلق' عموم خصوص من وجہ۔
>
> تساوی یہ ہے کہ دو کلیوں میں سے ہر کلی دوسری کلی کے ہر ہر فرد پر صادق ہو۔ جیسے انسان و ناطق کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ہر ہر فرد پر صادق ہے' ایسی دو کلیوں کو متساویین کہتے ہیں۔

متساویین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی جگہ بول سکتے ہیں۔ اسی طرح جب دو جزئیوں کا مصداق ایک ہو جیسے لفظ اللہ اور رحمٰن دونوں پر ایک حکم لگانا درست ہے ارشاد باری ہے کہ کافروں نے دنیا میں کہا ما انزل الرحمٰن من شئ (یٰس) اور قیامت کو کہیں گے کہ ہم نے دنیا میں کہا تھا ما نزل اللہ من شئ (تبارک)

فائدہ : دو کلیوں میں جب نسبت تساوی کی ہو تو ہر ایک کو لفظ کل کے ساتھ مبتدا یا موضوع اور دوسرے کو خبر یا محمول بنا سکتے ہیں جیسے بشر' انسان۔ ان کے درمیان تساوی

ہے اس لیے کل انسان بشر بھی درست ہے اور کل بشر انسان بھی درست ہے۔

فائدہ: نماز با جماعت میں قراءت کرنا صرف امام کا کام ہے' مقتدی کا کام استماع وانصات ہے تو ہمارے نزدیک نماز با جماعت میں قاری اور امام کے درمیان تساوی ہے اور یہی بات آنحضرت ﷺ کی حدیث پاک سے واضح ہو رہی ہے۔ مندرجہ ذیل دو روایتوں پر غور فرمائیں

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا امن الامام فامنوا (مسلم ج ۱ ص ۳۰۷)

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا امن القاری فامنوا (بخاری ج ۴ ص ۱۱۲ مع حاشیہ سندی)

اگر غیر مقلدین تساوی کے قائل نہیں تو قطعی دلیل پیش کریں

تباین یہ ہے کہ ہر ایک کلی دوسری کلی کے کسی فرد پر صادق نہ ہو جیسے انسان و فرس کہ انسان فرس کے کسی فرد پر صادق نہیں اور نہ فرس انسان کے کسی فرد پر صادق ہے ایسی دو کلیوں کو متباینین کہتے ہیں۔

جب دو کلیات کے درمیان تباین ہو گا تو شروع میں حرف نفی لگا کر ہر ایک کو مبتدا یا موضوع دوسرے کو خبر یا محمول بنا سکیں گے۔ جیسے لفظ خالق و مخلوق کے درمیان تباین ہے ہم کہہ سکتے ہیں لا شیٔ من الخالق بمخلوق' لا شیٔ من المخلوق بخالق

فائدہ: جس طرح انسان و فرس پر حیوان کا لفظ یکساں طور پر صادق آتا ہے اس طرح کوئی ایسا لفظ نہیں جو خالق و مخلوق پر یکساں صادق آتا ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان و فرس حیوان ہونے میں شریک ہیں' حیوان و شجر جسم نامی ہونے میں شجر و حجر جسم ہونے میں فرشتہ اور انسان جوہر ہونے میں شریک ہیں۔ جوہر کے بالمقابل عرض ہے مگر جوہر و عرض کے درمیان کوئی کلی ذاتی مشترک نہیں ہے صرف امکان (ممکن ہونا) دونوں ہی مشترک ہے مگر وہ ذاتی نہیں ہے بلکہ عارض ہے۔

غرض کہ جوہر و عرض مخلوق کی قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ پر نہ جوہر کا لفظ اطلاق کر سکتے ہیں اور نہ عرض کا "لا تدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار" "اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے"

ممکن اور واجب یعنی مخلوق اور خالق کے درمیان اگر کوئی لفظ مشترک طور پر بولا جا سکتا ہے تو وہ موجود ہے۔ وجود کلی متواطی نہیں بلکہ کلی مشکک ہے اللہ تعالیٰ کا وجود اس کا اپنا ہے مخلوق کا وجود اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اللہ کا وجود قدیم مخلوق کا حادث اللہ تعالیٰ کا وجود ذاتی مخلوق کا عطائی ہے۔

ایک بادشاہ اور ایک چمار انسان، حیوان، جسم نامی، جسم اور جوہر ہونے میں برابر کے شریک ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ کسی ذاتی یا عرضی میں یکساں اشتراک نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خدائی اختیارات میں شریک کرنا چمار کے سر پر تاج شاہی رکھنے سے زیادہ برا ہے۔ یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی مخلوق کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو بادشاہ کے مقابلہ میں چمار کی ہوتی ہے اور ہو بھی کیسے؟ چمار ہو سکتا ہے کہ صحت، حسن یا کسی اور وجہ سے بادشاہ سے بہتر ہو نیز ممکن ہے کہ چمار یا اس کا بیٹا بادشاہ بن جائے مگر مخلوق خالق کی طرح نہ ہے نہ ہو سکتی ہے۔

بلکہ مخلوق کا وجود اپنا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وجود کو مخلوق کی ذاتیات میں شمار نہیں کرتے کیونکہ ذاتیات کا جدا ہونا محال ہے وجود حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور مخلوق کا وجود بھی اس کا عطا کردہ ہے جب چاہے اس کو واپس لے سکتا ہے ارشاد باری ہے

کل من علیہا فان

نیز فرمایا

کل شی ھالک الا وجھہ

اگر مخلوق کا وجود اپنا ذاتی ہوتا تو اس پر عدم نہیں آ سکتا تھا

شاگرد: استاد جی کیا انسان کا جسم اس کا وجود نہیں ہے؟

استاد: جسم انسانی پر عروج و زوال ہوتا ہے وجود پر زوال نہیں ورنہ تو وجود عدم ہو جائے گا۔ اگر جسم انسانی وجود ہے تو پھر کائنات کی باقی چیزوں کو کیا کہیں گے؟

عموم و خصوص مطلق وہ نسبت ہے کہ ایک کلی تو دوسری کل کے ہر ہر فرد پر صادق ہو اور دوسری پہلی کے ہر ہر فرد پر صادق نہ ہو۔ پہلی جو کہ دوسری کے ہر ہر فرد پر [1] صادق ہے اس کو عام مطلق اور دوسری کو خاص مطلق کہتے ہیں جیسے حیوان اور انسان کہ حیوان انسان کے ہر ہر فرد پر [2] صادق ہے اور انسان حیوان

حاشیہ ص ۱۳۴ پر

کے ہر ہر فرد پر صادق نہیں حیوان عام مطلق اور انسان خاص مطلق ہے۔

جو کلی دوسری کلی سے خاص مطلق ہو' اس کو مبتدا یا موضوع بنائیں تو لفظ کل بڑھائیں گے جیسے کل انسان حیوان اور اگر عام مطلق کو مبتدا یا موضوع بنائیں تو دو قضئے بنیں گے۔ ایک مثبتہ دوسرا منفیہ۔ دونوں کے شروع میں لفظ بعض لگے گا جیسے بعض الحیوان انسان اور بعض الحیوان لیس بانسان

جب کسی جگہ خاص مطلق کا دعویٰ کریں وہاں عام مطلق بھی پایا جائے گا جیسے ولی' بہ نسبت مسلم کے خاص ہے جب کسی کو ولی کہیں تو اس میں اس کے مسلم ہونے کا اقرار ہوگا۔ اس کے برعکس عام کی نفی سے خاص کی نفی ہوگی جیسے نبی بہ نسبت مسلم خاص ہے کوئی مرتد یہ کہے کہ قادیانی نبی تھا ہم یہ ثابت کردیں وہ تو مسلم ہی نہ تھا تو اس سے اس کی نبوت کا خود بخود انکار ہو جاتا ہے۔ عام کے اثبات سے خاص کا اثبات نہ ہوگا۔ کسی کو مسلم کہنے سے اس کے نبی ہونے کا اقرار نہیں ہو جاتا۔

عموم خصوص من وجہ وہ نسبت ہے کہ ہر ایک کلی دوسری کلی کے بعض افراد پر صادق ہو اور بعض پر نہ ہو جیسے حیوان اور ابیض کہ حیوان ابیض کے بعض افراد پر صادق ہے اور بعض پر نہیں اسی طرح ابیض حیوان کے بعض افراد پر صادق ہے اور بعض پر نہیں ہے ان میں ہر ایک کو عام من وجہ اور خاص من وجہ کہتے ہیں۔ ا

جب دو کلیوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ ہو تو ہر ایک کو مسند الیہ اور مسند بنا سکتے ہیں مگر لفظ بعض یا اس کا ہم معنی شروع میں لانا ہوگا خواہ جملہ مثبتہ بنائیں یا منفیہ جیسے (۱) بعض الحیوان ابیض' (۲) بعض الحیوان لیس بابیض' (۳) بعض الابیض حیوان' (۴) بعض الابیض لیس بحیوان۔

حاشیہ ۱۳۳ ا۔ بلکہ بعض پر ہو۔ ۱۲ شف ۲۔ البتہ بعض پر ہے اور وہ بعض افراد زید وعمرو وغیرہ ہیں کیونکہ یہ حیوان کے بھی تو افراد ہیں اور ان افراد پر انسان صادق ہے۔ ۱۲ شف

حاشیہ ۱۳۴ ا۔ حیوان عام من وجہ بھی ہے اور خاص من وجہ بھی۔ ایسے ہی ابیض خاص من وجہ بھی ہے اور عام من وجہ بھی۔ ۱۲ ج

سیاہ کوا اور سفید بطخ دونوں حیوان ہیں مگر سیاہ کوا ابیض نہیں۔ ان دونوں کے لحاظ سے ابیض عام اور حیوان عام ہے جبکہ سفید بطخ اور سفید برتن دونوں ابیض ہیں مگر سفید برتن حیوان نہیں۔ ان دونوں کے لحاظ سے ابیض عام اور حیوان خاص ہے۔ تو ایک اعتبار سے حیوان عام ابیض خاص اور دوسری ناحیت سے اس کے برعکس ہے اس لیے ہم نے دونوں کو عام من وجہ اور خاص من وجہ کہہ دیا ہے۔

اس مقام پر چند ابحاث ہیں۔

بحث اول: ان نسبتوں کو ہم دوائر میں ظاہر کر سکتے ہیں۔

تباین کے لیے دو الگ الگ دائرے ہوں گے دونوں کا مابین ربط نہ ہو گا۔ جیسے
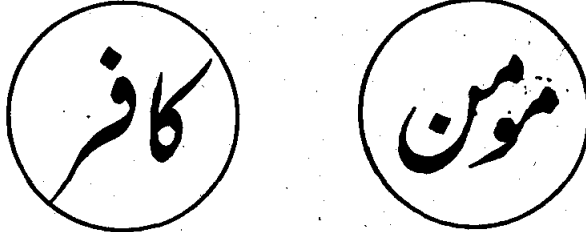
نسبت تساوی کے لیے ایک ہی دائرے میں دونوں کلیوں کو لکھنا ہو گا جیسے

نسبت عموم خصوص مطلق کے لیے دو دائرے ہوں گے ایک بڑا دوسرا چھوٹا اس کے اندر داخل ہو گا جیسے۔
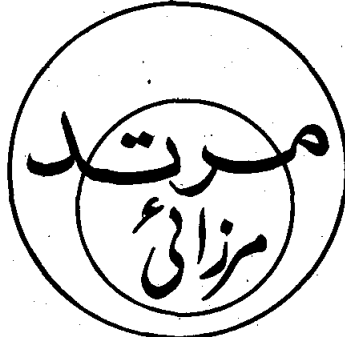
اسلام ترک کرے کوئی شخص عیسائی یہودی یا کیمونسٹ جو کچھ ہو جائے وہ مرتد ہے

مرزائی صرف وہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد مانتا ہے۔

عموم خصوص من وجہ کے لیے دو دائرے ہوں گے دونوں ایک دوسرے کو کاٹیں گے۔ جیسے
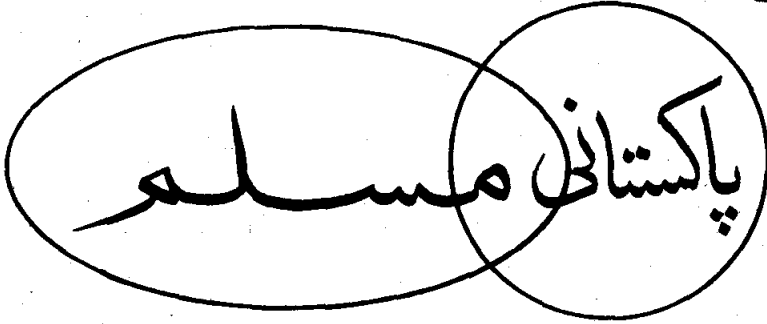
پاکستان میں رہنے والے صحیح العقیدہ انسان پاکستانی بھی ہیں مسلم بھی ہیں دوسرے ممالک کے اہل اسلام مسلم ہیں پاکستانی نہیں پاکستان میں رہنے والے عیسائی وغیرہ پاکستانی ہیں' مسلم نہیں ہیں۔

بحث ثانی: انہی نسبتوں کو ہم مندرجہ ذیل مجموعوں (سیٹوں) کی شکل میں بھی ظاہر کر سکتے ہیں۔

ا = {ب، ج، د، ہ، ع}

ب = {ب، ج، د، ہ، ع}

ا = {ب، ج، د، ہ، ع}

ب = {ج، د، ب، ع، ہ}
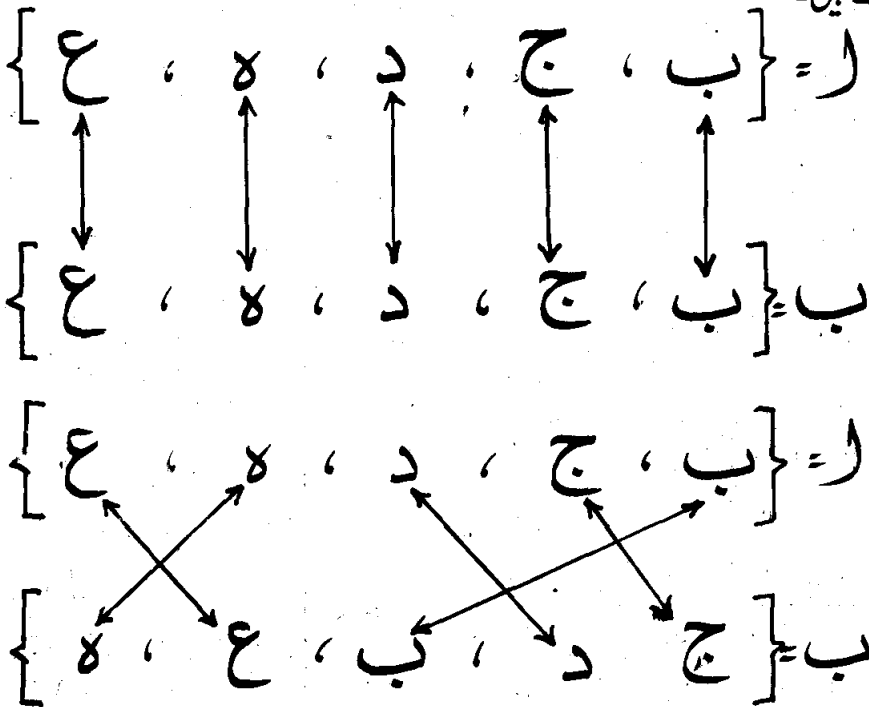
دونوں کے افراد ایک دوسرے کے برابر ہیں ان کے درمیان تساوی ہے ترتیب بدل

جانے سے کوئی فرق نہیں۔
اور اگر ترتیب بھی ویسی ہو تو تب بھی تساوی ہے۔
دوسری مثال

لا = { ا، ع، ک، م، ن، و }

ما = { ق، س، ص، ح، ع، و، ط }

لا ما دونوں میں پائے جانے والے "ع" اور "و" ہیں۔ ان کے علاوہ چار افراد لا کے ما میں نہیں ہیں اور پانچ افراد ما کے لا میں نہیں ہیں۔ ان کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ ریاضی میں اس کو متراکب سیٹ (Over Lapping Sets) کہتے ہیں۔

تیسری مثال

ج = { ا، ب، ج، د، ہ، و، ز }

ح = { ط، ی، ک، ل، م، ن، س، ع، ف }

پہلے کا کوئی فرد دوسرے میں نہیں دوسرے کا کوئی فرد پہلے میں نہیں ان میں تباین ہے۔ ریاضی میں اس کو غیر مشترک سیٹ (Disjoint Sets) کہتے ہیں۔
چوتھی مثال

ل = { ا، ب، ت، ث }

م { ا، ب، ج، د، ت، ح، ث، ہ }

"ل" کے سب افراد "م" میں ہیں مگر "م" کے چار فرد "ل" میں نہیں ہیں۔ ان کے

درمیان عموم خصوص مطلق ہے۔

ریاضی میں عام مطلق کو فوقی سیٹ (Super Sets) اور خاص مطلق کو تحتی سیٹ (Sub Sets) کہتے ہیں۔

بحث ثالث : اس بحث میں اجراء کی کچھ مثالیں دیں گے۔

پہلی مثال : ارشاد باری تعالیٰ ہے قالوا ما انزل اللّٰہ علی بشر من شیءٍ قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ "انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ آپ کہہ دیں کس نے اتاری وہ کتاب جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے"

یہودیوں نے جب کہا ما انزل اللّٰہ علی بشر من شئی اس کے اندر بشر تمام انسانوں کو شامل ہے اور شے میں ساری وحی آ جاتی ہے حالانکہ وہ مانتے تھے کہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام بشر ہیں اور تورات کو منزل من اللہ بھی مانتے تھے۔ اس لیے ان کے جواب میں صرف ایک مثال دے کر ان کے دعویٰ کی کلی کو توڑ دیا تو لفظ بشر عام ہے اور موسیٰ علیہ السلام اس کا ایک فرد ہے' شے عام ہے اور تورات اس کا ایک فرد ہے۔

دوسری مثال : اکثر علماء کے نزدیک لفظ نبی عام ہے لفظ رسول خاص ہے۔ بشر اور رسول کے درمیان اس اعتبار سے عموم خصوص من وجہ ہے کہ رسول بہ معنی قاصد آتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا "کہہ دیجئے سبحان اللہ' میں کون ہوں مگر آدمی بھیجا ہوا"

نیز فرمایا

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا "کہہ دیجئے اگر زمین پر فرشتے رہتے کہ اس میں چلتے بستے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے"

اور اگر رسول سے مراد وہ شخصیت ہو جس کو ہدایت کا نور بنا کر انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا گیا ہو تو پھر رسول خاص مطلق انسان عام مطلق ہو گا۔

اور یہ کہنا درست ہے کل رسول انسان و بعض الانسان رسول مگر بعض الانسان سے وہی شخصیات مراد ہوں گی جن کو رب کائنات نے اس شرف سے نوازا اور جن کے خاتم

ہمارے نبی ﷺ ہیں۔

تیسری مثال: لفظ شیعہ سے مراد اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج کے وہ افراد مراد ہوں جو آپ کے پیروکار تھے نہ خارجی ہوئے نہ رافضی تو وہ حضرات اہل سنت میں سے تھے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام کرتے تھے اور اگر شیعہ سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے قرآن کا انکار کیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر کہا تو اب لفظ شیعہ بہ معنی اول اور لفظ شیعہ بہ معنی ثانی میں تباین ہو گا۔

چوتھی مثال: لفظ بریلوی کے دو معنی ہیں۔

(۱) بریلوی = منسوب الی بریلی یعنی شہر بریلی کا رہنے والا یا وہاں کا پیدائشی۔

(۲) بریلوی = منسوب الی احمد رضا خان بریلوی (بریلوی کے آخر میں نسبت کی یا لگائی' بَرِیْلَوِیِّیٌ ہوا ایک یا کو حذف کر دیا بریلوی ہو گیا)

پہلے اور دوسرے معنی کے درمیان میں عموم خصوص من وجہ ہے۔ بریلی کے رہنے والے بہت سے لوگ علماء دیوبند کا مسلک رکھتے ہیں ان کو بریلوی بایں معنی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بریلی کے رہائشی ہیں مگر بایں معنی غلط ہے کہ وہ احمد رضا خان بریلوی کے پیروکار ہیں۔ اس طرح بہت سے لوگ بریلوی بالمعنی الثانی ہیں مگر بالمعنی الاول نہیں ہیں۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس وجہ سے بریلوی کہا جاتا ہے کہ بریلی میں ان کی رہائش تھی۔ (ملاحظہ ہو شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۲) مگر احمد رضا خان کے مسلک سے ہرگز نہ تھے۔

نکتہ: صراط مستقیم نامی کتاب میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کیے ہوئے ہیں۔ کچھ حصے کو جمع کرنے والے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بریلوی حضرات صراط مستقیم کی عبارت کی وجہ سے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو برا کہتے ہیں حالانکہ وہ تو صرف بعض حصہ کے ناقل ہیں مگر اصل قائل کو کچھ نہیں کہتے اس کی وجہ شاید اشتراک لفظی ہی ہے۔

چونکہ ان کے نام کے ساتھ بریلوی کا لفظ ہے اسی لفظ کی وجہ سے سید شہید رحمۃ اللہ علیہ ان کے فتووں کی ضد سے بچ گئے ہیں' اگر کوئی اور وجہ ہے تو بتائیں۔

صاحب علم الصیغہ کے استاد محترم سید محمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معنی میں بریلوی تھے کہ وہاں رہتے تھے ان کے عقائد ہرگز ان اہل بدعت کے نہ تھے ویسے بھی احمد رضا خان صاحب کی ولادت ۱۲۷۲ھ کو ہوئی جبکہ صاحب علم الصیغہ نے اپنی کتاب ۱۲۷۶ھ میں مکمل کی اور ان

کے استاد اس کتاب کے لکھنے سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ احمد رضا خان کی اتباع کی وجہ سے بریلوی کہلائیں۔

صاحب علم الصیغہ کا توحید بھرا خطبہ اور آخر کتاب میں نبی کریم ﷺ کے روضہ کی حاضری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ توحید پرست انسان تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے نہایت محبت رکھنے والے تھے۔

پانچویں مثال : لفظ دیوبندی کے دو معنی ہیں (۱) ایک علاقہ دیوبند میں پیدا ہونے والا یا وہاں کا رہنے والا۔ (۲) علماء دیوبند کے عقائد و نظریات رکھنے والا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے لفظ دیوبندی کی نسبت مسلم سے عموم خصوص من وجہ کی ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے لفظ دیوبندی کی نسبت مسلم سے عموم خصوص مطلق کی ہے۔ بریلوی اور غیر مقلد کے بالمقابل جب لفظ دیوبندی بولا جاتا ہے تو اس سے دوسرا معنی مراد ہوتا ہے نہ کہ پہلا۔ اس لفظ کی اپنے دونوں معنی کے اعتبار سے نسبت عموم وخصوص من وجہ کی بنتی ہے کیونکہ دیوبند کے اندر ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرح مسلم وغیر مسلم سب رہتے ہیں۔ نیز علماء دیوبند کے مسلک سے تعلق رکھنے والے دیوبند میں بھی رہتے ہیں اور ہند وبیرون ہند کے دوسرے علاقوں میں بھی۔ اس معنی کے اعتبار سے لفظ دیوبندی کی دلالت ایمان پر دلالت تضمنی ہے۔ اس کے برعکس لفظ غیر مقلد ہر اس فرد کو شامل ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں۔ نام نہاد اہل حدیث اور دنیا کے تمام غیر مسلم غیر مقلد ہی ہیں۔ اس طرح لفظ غیر مقلد کی دلالت ایمان پر نہ مطابقی ہے نہ تضمنی ہے نہ التزامی ہے۔ وسیاتی تفصیلہ ان شاء اللہ تعالیٰ

چھٹی مثال : قبر اور برزخ کے درمیان عموم وخصوص مطلق ہے۔ بعض لوگ ان کے درمیان تباین مانتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ حضرت امام اہل سنت فرماتے ہیں "قبر صرف اس حسی گڑھے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ برزخ' علیین اور سجین کے اس مقام کا نام بھی ہے جو نیکوں اور بدوں کی ارواح کا مستقر ہے۔ (تسکین الصدور ص ۸۴)

شاگرد : استاد جی غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ اہل حدیث اور مسلم مترادف الفاظ ہیں۔ جب سے حدیث ہے اس وقت سے اہل حدیث ہیں آپ کا ان کے بارہ میں کیا خیال ہے؟

استاد: اس کے لیے اہل حدیث کے معنی اور وجہ تسمیہ معلوم کرنا ہوگی۔ تو اہل حدیث کا معنی اگر یہ ہے کہ حدیث کو حجت ماننے والے تو اس معنی کے اعتبار سے ہر مسلمان اہل حدیث ہے غیر مقلدین کا دوسروں کو غیر اہل حدیث کہنا بایں معنی فتویٰ کفر کے مترادف ہے ائمہ اربعہ کے تمام مقلدین قرآن کے بعد حدیث نبوی شریف کا درجہ تسلیم کرتے ہیں۔

مجھ سے ایک غیر مقلد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے ہوتے ہوئے کسی اور کی مثلاً امام ابوحنیفہ کی بات ماننا غلط ہے۔ میں نے اس سے کہا اللہ کے بندے، نبی ﷺ کی حدیث پاک کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا امام بخاری رحمہ اللہ یا عبد القادر روپڑی یا کسی اور امام کی بات ماننا ہم کفر سمجھتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں الکلام المفید ص ۲۹۸ تا ۳۰۷ و ص ۳۳۰) مگر تم یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں

انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا ترجمہ "امام کو اس لیے بنایا گیا کہ اس کی اتباع کی جائے تو جب امام اللہ اکبر کہے، تم اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءۃ کرے، تم خاموش رہو" بتاؤ کیوں نہیں مانتے؟ اس پر وہ بولا یہ لمبی بات ہے یعنی جب ان کے خلاف حدیث آ جائے تو حیل و حجت کرتے ہیں اور دوسروں کو منکر حدیث کہہ کر فتویٰ کفر لگاتے ہیں۔

اور اگر اہل حدیث کا یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کی ہر ہر حدیث پر عمل کرتے ہیں تو یہ بات غلط ہے اس لیے کہ بے شمار احادیث کے خلاف ان کا عمل ہوتا ہے اور حنفی جو حدیثیں پیش کرتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ صرف صحیح حدیث کو لیتے ہیں تو غلط ہے کیونکہ حنفی بہت سی صحیح حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں۔ نیز ان کی کتاب صلاۃ الرسول وغیرہ میں بہت سی احادیث ضعیف بھی موجود ہیں۔

اور اگر یہ تاویل کریں کہ وہ صرف بخاری مسلم کو لیتے ہیں یا صرف صحیح حدیث کو لیتے ہیں تو اپنا نام اہل حدیث صحیح یا اہل بخاری و مسلم رکھیں، اہل حدیث کیوں؟

اور اگر اہل حدیث کا یہ معنی کریں کہ وہ کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو حدیث سے ثابت نہ ہو تو بھی غلط ہے ان کا لباس، طعام، عمارات، مسجدوں کی زیب و زینت، بے شمار چیزیں حدیث سے ثابت نہیں ہیں مثلاً بھینس کا دودھ، گھی، کھویا، برفی وغیرہ۔

اور اگر یہ کہیں کہ وہ بعض حدیثوں پر عمل کرتے ہیں تو اس میں ان کی خصوصیت کیا

ہے۔ اکثر و بیشتر لوگوں کا کوئی نہ کوئی عمل کسی نہ کسی حدیث کے مطابق ہو جاتا ہے
اور اگر اہل حدیث کا معنی یہ کریں کہ حدیث کو مانتے ہیں قرآن کو نہیں تو پھر یہ اسلام سے خارج ہیں۔
اور اگر اہل حدیث کا معنی یہ کریں کہ حدیث نبوی سے زیادہ اشتغال رکھنے والے تو پھر یہ لفظ محدثین پر بولا جائے گا۔ ان کا وصفی نام ہے مگر غیر مقلد ان سے خارج ہوں گے کیونکہ یہ لوگ حدیث رسول سے اشتغال نہیں رکھتے صرف فاتحہ' رفع یدین وغیرہ کی چند حدیثیں یاد کرنے سے انسان محدث نہیں بن جاتا۔
الغرض اہل حدیث (بہ معنی حدیث کو حجت ماننے والے) کی نسبت مسلم سے تساوی ہے اس معنی کے اعتبار سے ہر مسلم اہل حدیث ہے اور ہر اہل حدیث مسلم ہے۔ کسی کو بایں معنی اہل حدیث سے خارج کرنا اس کو کافر کہنا ہے اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بولنا درست ہے۔ مگر اس فرقہ کو کیا حق ہے کہ دوسرے مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگا دے۔
اور اگر اہل حدیث بایں معنی ہے کہ حدیث کو مانتے ہیں قرآن کو نہیں مانتے تو اس کی نسبت مسلم سے تباین کی ہے۔ ہم اس فرقہ کو کافر تو نہیں کہتے مگر اس بات پر حیرانگی ضرور ہے کہ یہ لوگ نہ قرآن سے دلیل مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں صرف حدیث کا مطالبہ کر کے اہل حدیث کے اس معنی کو اپنے اوپر فٹ کرتے ہیں
اور اہل حدیث بہ معنی محدثین کے مسلم سے خاص ہے مگر یہ نام وصفی ہے۔ کوئی بھی مسلمان حدیث سے اشتغال رکھے خواہ حنفی ہو یا شافعی یا کوئی اور' بایں معنی وہ اہل حدیث ہے۔ اور اہل حدیث بہ معنی جماعت محدثین کی نسبت اہلحدیث (نام اس فرقے کا) سے نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ اکثر محدثین اس نام نہاد اہل حدیث سے خارج ہیں ان غیر مقلدین کی اکثریت علم حدیث سے تو کیا مناسبت رکھیں' معمولی عربیت سے بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ ہمارے ایک ساتھی نے ایک غیر مقلد سے کہا کہ مندرجہ ذیل الفاظ کا تلفظ بھی کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ تم اپنے لیے کس کو صحیح کہتے ہو وہ الفاظ یہ ہیں۔ اہل سنت' اہل السنہ والجماعۃ' اہل سنت وجماعت' اہل حدیث' اہل الحدیث۔ مگر وہ بے چارہ جواب نہ دے سکا۔

دوسرا رخ: اگرچہ گزشتہ تحقیق کے بعد ہمیں لفظ اہل حدیث کی کافی وضاحت مل گئی مگر اہتمام فائدہ کے لیے چند سطریں مزید ملاحظہ کر لیں۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا اسماعیل (گوجرانوالہ) "کالا پانی" کتاب کے مقدمہ ص ۶ میں لکھتے ہیں۔

"اس کتاب میں متعدد مقامات پر وہابی یا اہل حدیث کا لفظ ملے گا "وہابی" کا لفظ تو سرکار انگریزی کا خود ساختہ ہے اہل توحید نے ان شخصی نسبتوں کو اپنے لیے کبھی پسند نہیں کیا البتہ "اہل حدیث" کے لفظ کو اپنے مسلک کے لحاظ سے ضرور پسند کیا گیا۔ اس وقت میں نہیں کہہ سکتا کہ جماعت کی اس لفظ کے متعلق کیا پوزیشن ہے لیکن اصل وضع کے وقت یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اس لقب کے ساتھ فکر و نظر کے ان سکولوں سے اجتناب مقصود تھا جو جمود تقلیدی کے ترجمان تھے اور اس فرقہ پروری کے سبب اسلام پر کئی حد بندیاں لگا دی گئی تھیں۔"

اس عبارت سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اہل حدیث کا لفظ ایک خاص مسلک کے لوگوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے' اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا یہ نام نہیں رکھا۔

یہ بھی واضح ہوا کہ مقلدین سے اپنے اس کو الگ کرنے کے لیے ان لوگوں نے اپنا نام اہل حدیث خود رکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مقلدین پہلے تھے یہ غیر مقلد بعد میں ہوئے ہیں۔

تیسرے یہ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کی پوزیشن اور کردار لفظ اہل حدیث کا مصداق نہیں ہے اس لیے مولانا نے کہا میں نہیں کہہ سکتا کہ جماعت کی اس لفظ کے متعلق کیا پوزیشن ہے؟

محمد ایوب قادری صاحب نے کالا پانی کے مقدمہ میں اور جنگ آزادی میں لکھا ہے "مولوی محمد حسین بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں وہابی کے بجائے اہل حدیث لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔" (بحوالہ کالا پانی ص ۳۴ حاشیہ)

مشہور غیر مقلد مولانا جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔

"۱۸۵۷ء میں جب کہ بغاوت عروج پر تھی وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کی حفاظت کی انہیں اپنے گھر میں چھپایا اور باغیوں سے محفوظ رکھا مگر ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کی وجہ

سے دونوں قوموں کے درمیان تعصب نفرت اور دشمنی بہت بڑھ گئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان گزشتہ پچس برسوں کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی دروغ گوئی کو طشت ازبام کر دیا چنانچہ گورنمنٹ ہند کے حکم سے سرکاری تحریرات سے ان کے لیے وہابی کے لفظ کا استعمال یک قلم بند ہو گیا ہے اور آئندہ کے لیے یہ لوگ اپنے پرانے نام محمدی (ا) یا اہل حدیث سے پکارے جائیں گے گورنمنٹ کا یہ ایک مستحسن اقدام ہے اس وجہ سے اگر کبھی موقع آپڑے تو سرکار پر اپنی جان نچھاور کرنے سے بھی یہ لوگ دریغ نہ

(ا) لفظ محمدی کو غیر مقلدین اپنے لیے استعمال کر کے بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ اگر اس لفظ کی نسبت غیر مقلد عالم محمد جونا گڑھی کی طرف ہے جس نے نکاح محمدی' عصائے محمدی وغیرہ کتابیں تصنیف کی ہیں تو یہ نسبت انہی کو مبارک ہو۔ اور اگر محمدی سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہے تو یہ ہر مسلم کی صفت ہے۔ پھر غیر مقلدین کا اس کو اپنے فرقے کے ساتھ خاص کرنا ظلم عظیم ہے بلکہ اس طرح تو اہل اسلام محمدی بھی ہیں' عیسائی بھی ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

سچے عیسائی ہم محمدی ہیں : "اے حضرات مسیحی' ہمارا کام فقط عرض ومعروض ہے۔ سمجھانے کی بات سمجھ لینا تمہارا کام ہے۔ خدا سے التجا کرو کہ حق کو حق کر دکھلائے اور باطل کو باطل کر دکھلائے۔ برا نہ مانو تو سچ یہ ہے کہ سچے عیسائی ہم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال وافعال کے موافق ان کو بندہ سمجھتے ہیں۔ خدا اور خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک کہتے ہیں' تین نہیں کہتے۔" (حجتہ الاسلام تصنیف حضرت نانوتوی باضافہ عنوانات حضرت شیخ الہند طبع کتب خانہ امدادیہ دیوبند ص ۲۰)

شاگرد: استاد جی' اگر وہ یہ کہیں کہ دیوبندی فقہ حنفی مانتے ہیں اس لیے حنفی ہیں اور غیر مقلدین فقہ محمدی مانتے ہیں اس لیے محمدی ہیں؟

استاد: فقہ کی حقیقت کا بیان ان شاء اللہ قیاس جدلی میں آئے گا۔ مختصر یہ ہے کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید کی وجہ سے ہم حنفی ہیں۔ تو اگر فقہ حنفی میں کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی نسبت امام ابو حنیفہ یا ان کے پیروکاروں کی طرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہرگز نہ ہوگی۔ جبکہ فقہ محمدی نام رکھنے کی صورت میں امتی کی غلطی کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوگی۔ اور ہم ان کی فقہ کو نبی علیہ السلام کی فقہ یا ان کی غلطی کو نبی ﷺ کی غلطی ہرگز نہیں مان سکتے۔ ہم اپنی نماز کو نماز مسنون اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اقرب الی السنۃ ہے۔

کریں" (کلا پانی ص ۵۹)

ان عبارتوں سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوتی کہ یہ نام ان کا اپنا پسندیدہ وضع کردہ ہے اور اس نام کی پکی رجسٹریشن سرکار انگریز سے کروائی گئی ہے۔ اور یہ ان کے بقول انگریز کا اتنا بڑا احسان تھا کہ اس کے شکریہ میں جان کی قربانی بھی امر یسیر ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا دونوں عبارتوں پر محمد خالد سیف صاحب نے حاشیہ آرائی کی ہے مگر اس بات کی تردید نہیں کر سکے کہ غیر مقلدین نے انگریزوں سے اس نام کی رجسٹریشن کروائی ہے۔

غیر مقلدین کے مشہور مورخ ومحدث محمد شاہجہانپوری نے ۱۹۰۰ء/۱۳۱۹ھ میں رد تقلید کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "الارشاد الی سبیل الرشاد" حمد وصلاۃ کے بعد لکھتے ہیں "کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ باندھتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، بنگالہ کے عوام ان کو رفع یدینی کہتے ہیں" (کتاب مذکور ص ۱۳ مع حاشیہ)

محمد جونا گڑھی نکاح محمدی میں لکھتے ہیں "آج سے پندرہ سال پہلے کی اہل حدیث کی مردم شماری دیکھ کر آج پھر انہیں گن لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے نو سو سال کے قید کیے ہوئے کتنے لوگ ہتھکڑیاں بیڑیاں توڑ کر تقلیدی زندان خانے سے نکل آئے ہیں۔" (نکاح محمدی ص ۳)

تدریب

س: امثلہ ذیل کی کلیات میں نسبتیں بتاؤ

(۱) حیوان، فرس (۲) انسان، حجر (۳) جسم، حمار (۴) حیوان، اسود ۱ (۵) جسم نامی، شجر نخل ۲ (۶) حجر، جسم (۷) انسان، غنم (۸) رومی، انسان (۹) غنم، حمار (۱۰)

---

۱ سیاہ۔ ۱۲ ۲ کھجور کا درخت۔ ۱۲

فرس، صاہل (۱۱) حساس، حیوان۔

س: مندرجہ ذیل کی مابین نسبت بتائیں۔
اہل حدیث (ایک فرقہ مسلمہ) اور اہل حدیث (محدثین)، اہل حدیث (بہ معنی صرف حدیث کو ماننے والے) اور اہل حدیث (بہ معنی حدیث کو حجت ماننے والے)، مسلم اور اہل حدیث (بہ معنی صرف حدیث کو ماننے والے)

س: قادیانی نے اپنے آپ کو مریم، ابن مریم کہہ دیا، اس میں منطقی طور پر کیا خرابی ہے؟

س: جزئیات کا آپس میں تباین کب ہوتا ہے؟

س: کلیات کے درمیان چار نسبتوں کے نام بمع مثال ذکر کریں اور یہ بھی بتائیں کہ ان سے کس طرح قضایا بنیں گے؟

س: نماز با جماعت میں امام اور قاری کے درمیان کون سی نسبت ہے؟ بمع دلیل ذکر کریں

س: خدا کے ساتھ شرک کرنا تاج شاہی کو چمار کے سر پر رکھنے سے زیادہ بڑا ظلم ہے، اس کو دلیل سے مبرہن کریں

س: قادیانی کے غیر مسلم ہونے سے نبوت کی نفی کیسے ہوتی ہی؟ نیز کیا کسی کے مسلم ہونے سے اس کا نبی ہونا لازم آتا ہے یا نہیں؟ بمع دلیل ذکر کریں

س: کلیات کی نسبتوں کو دائروں اور سیٹوں میں کس طرح واضح کر سکتے ہیں؟ نیز ریاضی میں ان سیٹوں کے نام تحریر کریں

س: یہود کے قول ما انزل اللہ علی بشر من شئ کے جواب میں من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی کس طرح درست ہوا؟

س: رسول اور بشر، رسول اور ملک کے درمیان کون سی نسبت ہے؟ بمع دلیل ذکر کریں

س: لفظ شیعہ، لفظ بریلوی، لفظ اہل حدیث، لفظ دیوبندی کے معانی تحریر کریں اور ان کے مابین نسبت ذکر کریں۔ نیز ان چاروں کے معنی کی لفظ مسلم سے کیا نسبت ہے؟

س: سید احمد شہیدؒ اور صاحب علم الصیغہ کے استاذ محترم کو بریلوی کیوں کہا جاتا ہے؟

س: لفظ دیوبندی بمعنی علماء دیوبند کے عقائد رکھنے والا کی نسبت مسلم کے ساتھ کیا ہے

اور اس کی ایمان پر کون سی دلالت ہے؟ نیز لفظ غیر مقلد اور مسلم کی نسبت ذکر کریں اور یہ بتائیں کہ لفظ غیر مقلد ایمان پر کسی طرح دلالت کرتا ہے یا نہیں؟

س: نبی علیہ السلام کے فرمان پر کسی امام یا عام انسان کے قول کو ترجیح دینے والا کون ہے؟

س: اہل حدیث جدید فرقہ ہے' اس کو دلائل سے ثابت کریں

س: اہل حدیث نام انہوں نے انگریز سے خود الاٹ کرایا' دلیل بتائیں

س: فقہ کو حنفی کہنے کا فائدہ اور محمدی کہنے کا نقصان ذکر کریں

س: نماز مسنون کا کیا معنی ہے؟

س: اس جملے کا معنی تحریر کریں "سچے عیسائی ہم محمدی ہیں"

سبق سیزدہم

معرف اور قول شارح کا بیان

دو یا زیادہ تصور جانے ہوئے کو ترتیب دے کر کسی نہ جانے ہوئے تصور کو جب معلوم کریں تو ان دو تصور[۱] یا زیادہ کو معرف اور قول شارح کہتے ہیں۔ جیسے تم کو حیوان[۲] اور ناطق کا علم ہے ان دونوں کو ملایا تو حیوان ناطق ہوا اس سے تم کو انسان نامعلوم کی حقیقت کا علم[۳] ہو گیا پس حیوان ناطق کو انسان کا معرف کہیں گے۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ منطق کی غرض معلومات تصوریہ سے مجہول تصوری کو اور معلومات تصدیقیہ سے مجہول تصدیقی کو معلوم کرنے کا طریقہ بتانا ہے۔

یہاں مجہول تصوری کو معلوم کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں جو چیز دوسرے کی پہچان کرائے اس کو تعریف اور معرف (صیغہ اسم فاعل) کہتے ہیں اور جس چیز کی معرفت حاصل کرنا مقصود ہو اس کو معرف (صیغہ اسم مفعول) کہتے ہیں۔ تعریف کا ایک نام قول شارح بھی ہے۔

ہم یہاں مصنف کی عبارت کی قدرے وضاحت کریں گے۔ اس کے بعد اپنی طرف سے مثالیں ذکر کریں گے۔ تفصیلی مباحث ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں آئیں گے۔

معرف یا قول شارح کی چار قسمیں ہیں: حد تام، حد ناقص، رسم تام، رسم ناقص۔

تعریف میں اگر صرف ذاتیات کا ذکر ہو اس کو حد کہتے ہیں اور اگر ذاتی و عرضی سے

۱۔ یعنی ان کے مجموعہ کو۔ ۱۲ ۲۔ اس جگہ پہنچ کر سبق سوم کا پہلا حاشیہ مکرر دیکھ لو۔ ۱۲ شف

۳۔ جیسے یہ بتانا ہو کہ تیسیر المنطق کیا ہے تو ان جانے ہوئے تصوروں کو کہ منطق کی سہل کتاب اردو میں مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم کی تصنیف ہے، جمع کرنے سے تیسیر المنطق جانی گئی۔ ج

مرکب ہو اس کو رسم کہتے ہیں۔ ان کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

تعریف

حد
(جو صرف ذاتیات پر مشتمل ہو)

حد تام
جنس قریب و فصل قریب سے مرکب

حد ناقص
جس میں صرف فصل قریب یا جنس بعید و فصل قریب دونوں ہوں

رسم
(جس میں عوارض بھی مذکور ہوں)

رسم تام
جنس قریب و خاصہ سے مرکب

رسم ناقص
صرف خاصہ یا جنس بعید و خاصہ سے مرکب
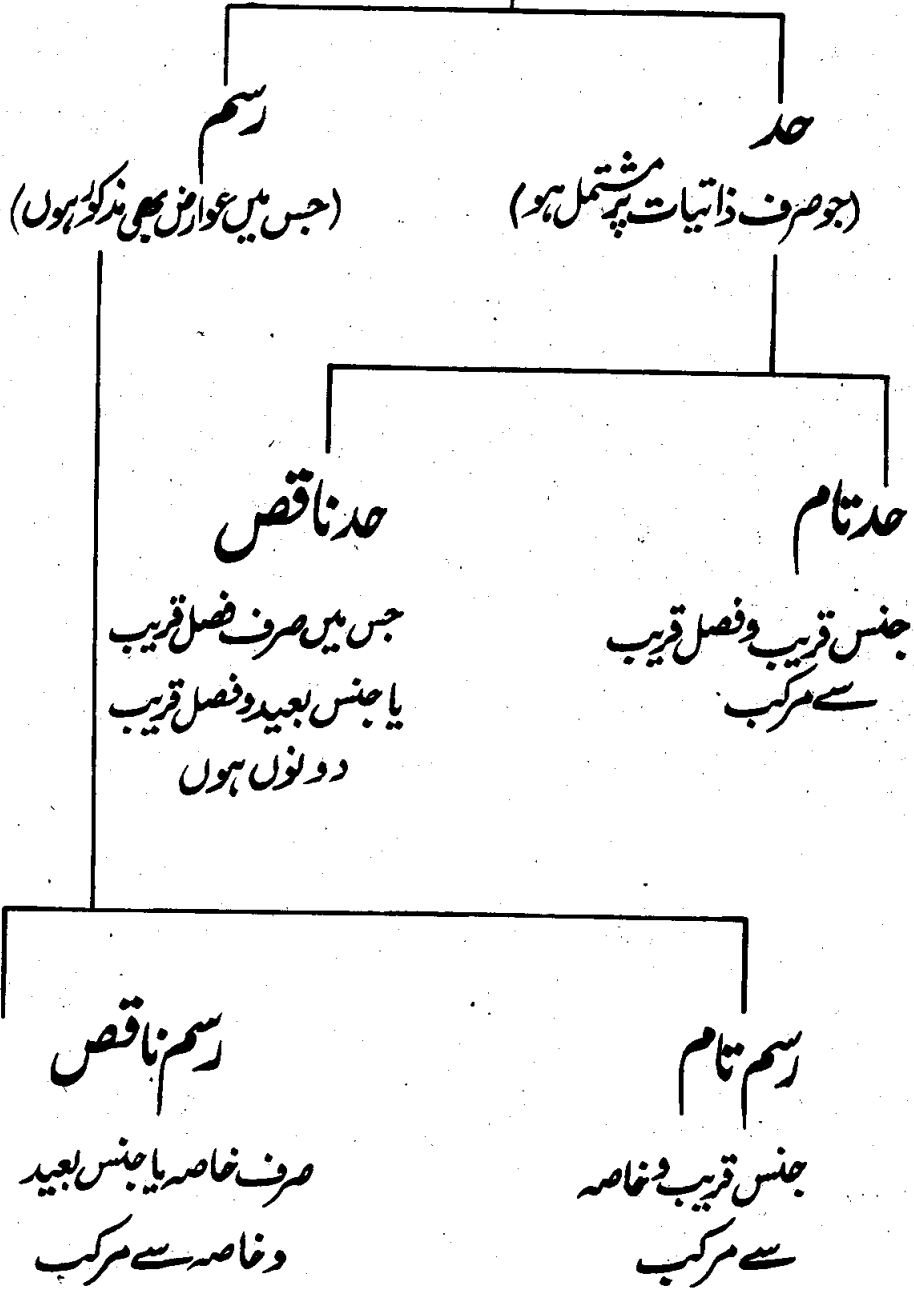
حد تام کسی شے کی وہ معرف ہے کہ اس شے کی جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہو جیسے حیوان ناطق انسان کی حد تام ہے۔

ان کی وجوہ تسمیہ قطبی وغیرہ میں ہیں۔ معرف اور معرف کے درمیان نسبت تساوی کی ہوتی ہے ہم کہیں گے کل انسان حیوان ناطق۔ کل حیوان ناطق انسان۔ کل ما لیس بحیوان ناطق لیس بانسان۔ نیز کل ما لیس بانسان لیس بحیوان ناطق

حد تام کا نقشہ یوں ہو گا۔

(حد تام) = (جنس قریب + فصل قریب)

حد ناقص کسی شے کی وہ معرف ہے کہ اس شے کی جنس بعید اور فصل قریب سے یا صرف فصل قریب ۱۔ سے مرکب ۲۔ ہو جیسے جسم ناطق یا صرف ناطق انسان کی حد ناقص ہے۔

مندرجہ بالا جملوں کی طرح یہاں بھی چار چار جملے بن جاتے ہیں۔ نقشہ یوں ہو گا۔

[حد ناقص] = [(جنس بعید + فصل قریب) ر (فصل قریب)]

فائدہ : محدود یعنی معرف حد پر دلالت تضمنی کے ساتھ دلالت کرتا ہے لفظ انسان جب ذات انسان پر مطابقتاً" دلالت کرتا ہے تو اس کے ضمن میں حیوان ناطق بھی آجاتا ہے اور جب حیوان پر دلالت ہو گی تو اس کے ضمن میں جسم وغیرہ اجناس عالیہ پر دلالت ہو گی۔

رسم تام کسی شے کی وہ معرف ہے کہ اس شے کی جنس قریب اور خاصہ سے مل کر بنے۔ جیسے حیوان ضاحک انسان کی رسم تام ہے۔

رسم تام کا نقشہ یوں ہے۔

(رسم تام) = (جنس قریب + خاصہ)

معرف کے لفظ سے جنس قریب دلالت تضمنی سے معلوم ہوتی ہے اور خاصہ دلالت التزامی سے۔

رسم ناقص کسی شے کی وہ معرف ہے جو اس کی جنس بعید اور خاصہ سے یا

۱۔ عبارت میں تسامح ہے کیونکہ جو تعریف فصل قریب سے ہو گی وہ تعریف مرکب کہاں ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ جنس بعید اور فصل قریب سے مرکب ہو یا صرف فصل قریب سے تعریف کی جاوے۔ ۱۲ شف ۲۔ اس سبق کا دوسرا حاشیہ دیکھ لیا جاوے۔ ۱۲ شف

صرف خاصہ سے مل کر بنے جیسے جسم ضاحک انسان کی رسم ناقص ہے۔

نقشہ یوں ہو گا۔

[رسم ناقص] = [(جنس بعید + خاصہ) / (خاصہ)]

خاصہ کی دو قسمیں ہیں خاصہ مفردہ جیسے ضاحک اور خاصہ مرکبہ جیسے انسان کا خاصہ ماشی، مستقیم القامہ اور چمگادڑ کا خاصہ طائر ولود۔ خاصہ مرکبہ کے ساتھ بھی تعریف درست ہے۔ تعریف کی ایک قسم تعریف لفظی ہے جیسے مشکل الفاظ کے معانی اور ان کی وضاحت اور جب تعریف حقیقی نہ ہو سکے صرف لفظی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ کی تعریف اس کی صفات و افعال اور اس کے اسماء حسنی کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اجزا (جنس، فصل) سے پاک ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مندرجہ ذیل چیزوں کی تعریف جان لیں۔

ایمان، کفر، شرک، رسول، تقلید، سنت، بدعت

ایمان کی تعریف : شرح عقائد کے متن عقائد نسفی میں ہے الایمان هو التصديق بما جاء من عند الله والاقرار به "جو چیز نبی علیہ السلام اللہ کی طرف سے لائے، اس کی تصدیق اور اقرار کو ایمان کہتے ہیں" علامہ تفتازانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں

ای تصديق النبی بالقلب فی جميع ما علم بالضرورة مجيئه (۱) به من عند الله تعالىٰ اجمالا (شرح عقائد ص ۱۱۹، ۱۲۰)

قاضی عضد الدین ایجی مواقف میں لکھتے ہیں۔

فهو (ای الایمان) عندنا و عليه اكثر الائمة كالقاضی والاستاذ التصديق للرسول فی ما علم اجمالا (بحوالہ دمغ الباطل ص ۱۴۳)

---

(۱) قاضی بیضاویؒ نے بھی یومنون بالغیب کے تحت ایمان کی تعریف لکھی ہے اور بالضرورۃ کی قید لگائی ہے لیکن علامہ انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فالایمان هو التصديق بكل ما جاء به رسول الله صلى الله عليه وسلم وان لم يكن متواترا والتزام احكامه والتبرؤ من كل دين سواه ومن قصره من المتكلمين على الضروريات فلان موضوع فنهم هو القطعی لا ان المؤمن به هو القطعی نعم التكفير انما يكون بجحوده (اکفار الملحدین عربی ص ۳ حاشیہ)

معلوم ہوا کہ ہمارے ایمان کی بنیاد نبی ﷺ کی تصدیق ہے۔ آپ سے جو کچھ ہمیں معلوم ہو' اس کو ماننا ایمان ہے۔ آپ نے رسالت کا دعویٰ فرمایا آپ نے قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کی کتاب فرمایا آپ نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی ان سب چیزوں کو ہم نبی کریم ﷺ کی تصدیق سے مان لیتے ہیں۔ اقرار باللسان اکراہ کے وقت معاف ہو جاتا ہے مگر تصدیق قلبی ہروقت ضروری ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں نبی ﷺ سے سنی ہوئی حدیث پاک اور قرآن پاک کی آیت قطعیت میں ایک مقام رکھتی تھیں کیونکہ ایک ہی زبان سے دونوں کو سنا تھا البتہ ہمارے لیے واسطوں کی کمی بیشی کی وجہ سے حدیث کا رتبہ دوسرے نمبر پر ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو شخص قرآن پاک کو مانتا ہے اور حدیث کا انکار کرتا ہے وہ بڑا بے وقوف پاگل آدمی ہے اس وجہ سے کہ اگر نبی ﷺ کی ذات گرامی پر اعتماد نہیں تو قرآن پر کیسے اعتماد ہوا؟

شاگرد: استاد جی وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون "ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں"

نیز فرمایا

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ "اس میں غیرواقعی بات نہ آگے کی طرف سے آسکتی ہے نہ پیچھے کی طرف سے"

استاد: ہم تو مانتے ہی ہیں مگر ان منکر حدیث سے لوگوں سے پوچھیں کہ بتاؤ اگر ایک آدمی دعویٰ کرے کہ میں نے احمد سے ایک لاکھ روپیہ لینا ہے۔ احمد منکر ہے عدالت نے مدعی سے گواہ مانگے دلیل طلب کی مدعی کہے میں جو کہہ رہا ہوں' میں خود گواہ ہوں۔ بتائیے کیا دنیا کی کوئی عدالت اس کو مانے گی۔ اس طرح قرآن کے سچے ہونے کی دلیل نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ پر بے اعتمادی کرنے کے بعد صرف قرآن ہی سے دینا درست نہیں ہے۔ ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس رسول کے واسطے یہ قرآن ملا وہ نہایت سچا انسان تھا اس کے کہنے پہ ہم نے مان لیا۔

ہرقل بادشاہ نے ابوسفیان سے پوچھا۔ فهل تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال کیا ان کے دعویٰ نبوت سے پہلے آپ ان پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ ابو سفیان نے جواب دیا۔ لا، نہیں۔ بعد میں ہرقل نے ابو سفیان کے جوابات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ وسالتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال فذكرت ان لا فقد عرف انه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله "میں نے تجھ سے سوال کیا کہ اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے بھی اس کو جھوٹا کہتے تھے تو تو نے کہا نہیں تو میں جان گیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بندوں کے معاملہ میں جھوٹ نہ بولیں اور خدا تعالیٰ پر جھوٹ کہنے لگیں" ظالمو بتلاؤ تو سہی کہ تم نبی کریم ﷺ کو ہر صغیر کبیر میں ناقابل اعتماد سمجھتے ہو تو اتنی بڑی بات کہ یہ خدا کی کتاب ہے اس کے اندر آپ نے ان کی کیسے تصدیق کر دی یہ تصدیق منافقانہ تصدیق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کا فرق بھی نبی علیہ السلام کے بتانے سے معلوم ہوا ہے۔

اس تعریف سے یہ بھی معلوم ہوا نبی ﷺ سے جو بات بھی بالبداہت ثابت ہے' اس کی تصدیق کے بغیر انسان مومن نہیں ہو سکتا مثلاً قرآن کریم' آخرت' فرشتے وغیرہ۔

نیز جس چیز کی تفصیل قطعیت کے ساتھ آپ سے ثابت ہو جائے اس کی تصدیق مفصل فرض ہے مثلاً قرآن پاک پر ایمان لانا اجمالاً فرض ہے۔ اور جس جس بات کا علم ہو جائے کہ قرآن پاک میں ہے اس کی تصدیق کرنا بھی فرض ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔

اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ متواترات میں آئے گی۔

کفر کی تعریف : مواقف میں کفر کی تعریف یوں ہے هو خلاف الايمان فهو عندنا عدم تصديق الرسول صلى الله عليه وسلم في بعض ما علم مجيئه ضرورة انتهى (دمغ الباطل ص ۱۲۴) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں ہر ہر بات کو ماننا ضروری ہے اور کفر یہ نہیں کہ نبی علیہ السلام کی ہر ہر بات کا انکار کریں' کسی بات کا بھی انکار کر دینا کفر ہے مگر یہ بات یاد رہے کہ اس کا ثبوت قطعی ہو۔ اگر حدیث متواتر نہیں' خبر واحد ہے یا اس کا معارض بھی ہے' اس کا انکار کفر نہیں ہوگا۔ لیکن اس کا استہزاء خطرے سے خالی نہیں ہے۔

پھر جس طرح سچے نبی کی تصدیق ضروری ہے اسی طرح جھوٹے دعویدار نبوت کی تصدیق کفر ہے۔ مرزا قادیانی اپنے دعویٰ نبوت کی وجہ سے کافر ہوا اس کے ماننے والے اس کی تصدیق سے کافر ٹھہرے۔

اس سے مرزائیوں کا یہ اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں پھر کافر کیوں؟ اس لیے کہ ایمان کے لیے ہر ہر بات کا ماننا ضروری ہے اور کفر کے لیے کسی ایک قطعی چیز کا انکار بھی کافی ہے معاذ اللہ تعالیٰ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیٔ (الانعام ۹۳) ''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی''

شاگرد: استاد جی رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کو بھی کفر کہا جاتا ہے وہ کیوں؟

استاد: اس لیے کہ آپ کی گستاخی کرنے والا لفظاً نہیں تو عملاً اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو نبی نہیں مانتا جو آپ کو رسول خدا مانتا ہے وہ ہرگز آپ کی ادنیٰ سی بھی گستاخی نہیں کر سکتا۔

اس طرح شعار کفر کو اپنانا نبی علیہ السلام کے انکار پر عملاً دلالت کرتا ہے اس طرح قرآن مجید کو یا اسم الٰہی کو اہانت کے ساتھ گندگی میں پھینک دینا کفر ہے۔

شاگرد: استاد جی بعض لوگ کہتے ہیں کہ دم کے ساتھ کتابت آیت جائز ہے۔

استاد: جائز اور مباح تو نہیں البتہ بعض فقہاء نے جب کوئی اور علاج کارگر نہ ہو اکل میتہ کی طرح اس کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا لم ینقل (رد المحتار ج۱ص۲۱۰) کہ اس کے ساتھ شفا کا ہونا منقول نہیں اس لیے ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلدین کے ہاں سوائے دم حیض کے اور کوئی خون ناپاک نہیں ہے۔ الروضۃ الندیۃ ج۱ص۲۰۔ اور بغرض بول ابل استعمال کرنے کا جواز بخاری شریف سے ثابت ہے۔ (دیکھئے بخاری ج۱ص۳۶)

شرک کی تعریف : حضرت شاہ ولی اللہؒ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں

الشرک ھو اثبات الصفات الخاصۃ باللہ تعالیٰ لغیرہ (الفوز الکبیر ص ۳۵ طبع قاہرہ) دوسرے نسخہ میں ہے

الشرک ان یثبت لغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ شیئا من الصفات المختصة به (الفوز الکبیر ص ۲۰ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

"شرک اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کسی چیز کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا ہے"

اس کے بعد شاہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ ذکر کی ہیں مثلاً

(۱) جہان میں ارادہ کن فیکون سے تصرف کرنا۔ یعنی جہاں میں کل اختیار تکوینی اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' کسی اور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

(۲) علم ذاتی یعنی وحی و الہام' خواب دلیل عقلی اور حواس کے بغیر کسی چیز کو جاننا یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے غیر کے لیے اس کو ماننا شرک ہے۔

(۳) بیماری اور شفا پیدا کرنا رزق کو تنگ یا کشادہ کرنا۔ الغرض غیر اللہ کو مختار کل' فریاد رس' حاجت روا' مشکل کشا' عالم الغیب ماننا شرک ہے۔

شاگرد: استاد جی شرک تو یہ ہو گا کہ غیر اللہ کو خالق مانا جائے۔

استاد: مکہ مکرمہ کے مشرکین بھی اس کے قائل تھے کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے ارشاد باری ہے

ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے"

اس کے باوجود وہ مشرک ٹھہرے۔

شاگرد: پھر ان کا شرک کیا تھا؟

استاد: شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے ان کے معبودوں کو اختیار دیا ہوا ہے اس لیے وہ ان کے لیے حاجت روا مشکل کشا' فریاد رس ہیں اور اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے (الفوز الکبیر بتوضیح ص ۲۱)

اس مقام پر چند اہم سوال جواب ہیں۔

سوال: بریلوی کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے علم غیب' اور دوسری صفات کو ذاتی مانتے ہیں۔ اور انبیاء و اولیاء کے لیے عطائی' پھر شرک کیسے ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ

صفات عطائی نہیں ہیں۔ جب عطائی ماننے کو شرک کہتے ہو تو گویا تم اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ان کو عطائی تسلیم کرتے ہو اور یہ تو اور بڑا جرم ہے۔

الجواب : اولاً بریلوی حضرات انبیاء و اولیاء ہی نہیں بلکہ ہر مخلوق کے لیے ان سب اختیارات کو ذاتی مانتے ہیں۔ بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان فرماتے ہیں:

"یقیناً اللہ تعالیٰ ازلی ابدی سمیع بصیر حاجت روا مشکل کشا خالق مالک فریادرس شفا وروزی رساں ہے مگر ان میں سے کوئی چیز الٰہ وعبد ومعبود کے درمیان باعث فرق نہیں۔" (رسائل نعیمیہ ص ۲۳۴)

دیکھئے مفتی صاحب نے ساری مخلوق کو ازلی ابدی کہہ دیا حاجت روا مشکل کشا کہہ دیا ساری مخلوق کو خالق بنایا یہ ہے ان کے حکیم الامت کا اعتقاد۔

بتائیں جو ازلی ابدی ہو وہ محتاج بھی ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اہل اسلام تو سوائے خدا کے کسی کو ازلی ابدی نہیں مانتے بتلائے اب شرک ہو یا نہیں؟

ثانیاً : ہر نبی ولی کے لیے ایک جیسا اختیار ماننا بھی سراسر گستاخی ہے کیونکہ سب کو نبی ﷺ کے برابر کرنا لازم آتا ہے۔

ثالثاً : ارشاد باری ہے للہ مافی السموات و مافی الارض یعنی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہی ہر چیز کا مالک ہے بھلا اس نے کب ان کو اختیار دیا ہے جسے چاہیں جب چاہیں جو چاہیں الاٹ کریں۔

رابعاً : انسان ہر کام وسائل سے کرتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ ولی بچہ دیتا ہے تو بتائیں کیا وہ خود ماں کے رحم میں بچے کی صورت اپنے ہاتھ سے بناتا ہے یا خدا کے فرشتے اس ولی کے حکم پر یہ کام کرتے ہیں۔

خامساً : انسان کسی مسلمان کا تعاون کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے یعنی دوسرے کا تعاون باعث ثواب ہے کیا ان اولیاء کو دوسروں کی حاجت روائی سے ثواب ملتا ہے یا نہیں اگر یوں کہیں کہ نہیں ملتا تو یہ ان کو کافر کہنے کے مترادف ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ ثواب تو ملتا ہے مگر ان کو ضرورت نہیں تو غلط ہے۔ نبی ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا

وما انا باغنی من الاجر منکما "میں ثواب حاصل کرنے میں تم سے زیادہ مستغنی

نہیں ہوں"

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا

ولکن لا غنی من برکتک "لیکن تیری برکت سے اے رب! استغنا نہیں ہے"

اب آپ ہی بتائیں کہ اگر ان کو اتنا اختیار ہے تو یہ خود ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تمہارا تعاون کر دیا کریں بلکہ کوئی مصیبت نازل نہ ہونے دیں۔

سادساً: یہ بتایا جائے کہ ان کو اختیار کب ملا کیا پیدائشی اختیار ہے یا بعد میں ملا آج کل لوگ اتنے پریشان ہیں کیا یہ اولیاء ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ نیز جس کو پریشانی ہو اس کو چاہیے کہ خدا کی فرماں برداری کر کے ولی بن جائے ساری کائنات کا حکمران بن جائے گا۔ جو لوگ اقتدار کے لیے پریشان ہیں ان کو ولی بننے کا مشورہ دے دو۔

سابعاً: کسی بھی نظام کے لیے اختیارات کی تقسیم ضروری ہے۔ خاصہ کی بحث میں نظام کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے دو آدمی ایک دوسرے کا نقصان چاہتے ہیں ایک لاہور جاتا ہے دوسرا پاک پتن جاتا ہے بتلائیں دونوں کا اختیار چلے گا یا صرف ایک کا یا دونوں عاجز ہوں گے؟ اسی طرح اگر ایک لڑکی کے رشتہ کے تین طلبگار ہیں۔ ایک لاہور جاتا ہے، دوسرا پاک پتن، تیسرا بغداد اور اولیاء کرام سے استمداد کرتے ہیں۔ بتلایئے کون سا ولی رشتہ کرانے میں کامیاب ہوگا اور کون سا ناکام؟

ثامناً: اللہ تعالیٰ کی صفات دو طرح کی ہیں۔ مختصہ، غیر مختصہ

غیر مختصہ وہ صفات ہیں جن کی ہم نام صفات اللہ تعالیٰ نے بندے کو عطا کی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ صفات ازلی ابدی اور ذاتی ہیں جبکہ بندے میں وہ صفات عطائی ہیں ازلی ابدی نہیں ہیں بلکہ جب سے خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں بندے میں پائی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ جب چاہے ان کو واپس لے سکتا ہے۔ جیسے سمع بصر، اللہ تعالیٰ ازلی ابدی سمیع بصیر ہے اس کی سمع بصر ذاتی ہے جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے سمیع بصیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فجعلناہ سمیعا بصیرا ایک اور فرق یہ ہے کہ بندہ سمع وبصر میں کان اور آنکھ کا محتاج ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی سنانے دکھانے پر قادر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بغیر آلات

وجوارح کے سمیع بصیر ہے اور اسے ہوائی لہروں اور روشنی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس پر قادر ہے کہ بندے کو بغیر ہوائی لہروں کے سنا دے اور بغیر روشنی کے دکھا دے بلکہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ایک شخص اس کے حکم سے دیکھ بھی لے اور سن بھی لے اور اس کے قریب کھڑے لوگ باوجود توجہ کے نہ دیکھ سکیں' نہ سن سکیں جیسے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام فرشتوں کو دیکھتے اور ان سے وحی سنتے تھے مگر پاس بیٹھے ہوئے لوگ اس کے سننے اور دیکھنے سے محروم تھے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس پر جنات کا غلبہ ہو وہ بسا اوقات ایسی چیز بھی سنتا اور دیکھتا ہے جس کو دوسرے نہیں سن سکتے۔

یہ صفات غیر مختصہ کی مثال ہے ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو بندے کے لیے ثابت کرنا درست ہے مگر اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور ازلی ابدی نہیں بلکہ اس کے اختیار میں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان صفات کو بندے کے لیے ازلی ابدی کہے یا بغیر عطاء خداندی کے ذاتی کہتا ہے وہ شخص کافر ہو گا۔

صفات باری تعالیٰ کی دوسری قسم صفات مختصہ ہیں۔ ان کو لوازم الوہیت کہا جاتا ہے ان صفات کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور وہ صفات ہیں علم غیب' حاجت روا ہونا' مشکل کشا ہونا' فریاد رس ہونا' مختار کل ہونا' شافی ہونا' خالق ہونا' رازق ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ کلمات جن معانی میں اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جاتے ہیں' دوسرے کے لیے ان معانی میں ان کا اطلاق قطعا ناجائز ہے۔ اس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صفات کسی مخلوق کو عطا ہی نہیں کیں۔

ان کو عطائی ماننا بھی ذاتی ماننے کے مترادف ہے دیکھئے علم غیب میں دو لفظ ہیں علم' غیب قرآن پاک اور حدیث شریف میں یہاں بھی علم (مصدر' فعل' اسم فاعل) اور غیب کا لفظ اکٹھا آیا ہے وہ صرف اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ غیر اللہ سے اس کی نفی ہی ہے لہٰذا علم غیب عطائی ماننے سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے' نبی ﷺ کی بھی تکذیب ہے۔ جس کو معطی کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ وہ کہے میں نے نہیں دیا' جس کو معطی لہ مانتے ہیں یعنی نبی ﷺ وہ فرمائیں مجھے نہیں ملا' ان مشرکین کو کس طرح پتہ چل گیا۔

اسی طرح دوسری صفات ہیں۔ الغرض ان صفات کو عطائی ماننے سے کفر بھی لازم آتا

ہے اور شرک بھی کفر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب لازم آتی ہے اور شرک اس لیے کہ جب عطا ثابت نہیں تو ذاتی ماننا لازم آتا ہے۔ مثال کے طور پر حامد مسعود سے کہتا ہے کہ تجھے احمد نے دس لاکھ روپیہ دیا ہے مہربانی کر کے سو روپیہ مجھے دے دو۔ مسعود کہتا ہے کہ مجھے احمد نے یہ رقم نہیں دی احمد سے رابطہ ہوا وہ کہتا ہے میں نے نہیں دی۔ مگر حامد پھر بھی کہہ رہا ہے کہ مسعود کے پاس یہ رقم ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ مسعود کے پاس وہ رقم ذاتی ہو یا ذاتی مان رہا ہو۔

شاگرد: استاد جی ان صفات کو لوازم الوہیت کیوں کہا؟

استاد: اس لیے کہ ان صفات کی وجہ سے بندہ خدا تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کرتا ہے اس کو قادر مطلق مانتا ہے اگر یہ صفات کسی اور میں ہوں تو آدمی اس کے سامنے جھکے گا یہی وجہ ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کے لیے یہ صفات مانتے ہیں ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں' نذریں مانتے ہیں۔

شاگرد: استاد جی مگر وہ لوگ جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو صفات دی ہیں تو پھر فوقیت تو مان لی؟

استاد: جب انسان کو علم ہو کہ میرا کام چھوٹے افسر کے پاس ہو جائے گا بڑے کے پاس کیا کرنے جائے گا ایک آدمی سے وزیر اعظم ناراض ہے مگر اس کا کام پٹواری سے ہے پٹواری راضی ہو' اسے وزیر اعظم سے کیا۔ اسی طرح کانسٹیبل کو تھانیدار سے تعلق ہے وہ ناراض ہو جائے تو اس کی ترقی رک سکتی ہے اسے بڑے افسروں کی منت ساجت نہیں کرنی ہو گی تو جب کسی شخص کو یقین ہے کہ دنیا میں گیارہویں کے ختم سے ساری زندگی کے مسائل حل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ہمیں نجات دلائیں گے اس کو کیا ضرورت ہے کہ ساری ساری رات خدا کے لیے نماز پڑھے' اور رو رو کر اپنی مغفرت کی دعائیں کرے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ سارا سال خیانت کرتے ہیں لیکن جب عرس میں دودھ لے جاتے ہیں تو ایک قطرہ بھی پانی نہیں ڈالتے۔

شاگرد: استاد جی اس طرح لوگوں کو افسر کا ڈر زیادہ ہے بہ نسبت خدا کے۔ کیا یہ بھی شرک ہے؟

استاد: یہ شرک نہیں کیونکہ افسر نظر آتا ہے اور اس سے معافی کی امید کم ہے جبکہ

اللہ تعالیٰ کو انسان نے دیکھا نہیں اور اس سے مغفرت کی امید ہوتی ہے (انفاس عیسیٰ ص ۲۰۹) الغرض افسر سے ڈرنا اسباب کے درجہ میں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا مافوق الاسباب قدرت کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب افسر غیر موجود ہوتا ہے تو اس کو صاحب صاحب کرنے والے بسا اوقات اس پر لعنت بھیجتے ہیں البتہ غیر اللہ کے لیے نذر ونیاز کرنے والے اسی طرح ڈرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے سرا وعلانیہ' ان کو ہر طرح قادر اور عالم الغیب جان کر اس لیے یہ تو شرک ہے اور سانپ سے ڈرنا شرک نہیں ہے۔

شاگرد: استاد جی اگر کوئی ان کو مجازی الٰہ کہہ دے یا الٰہ صغیر مان لے پھر؟

استاد: الٰہ ہوتا ہے حقیقی ہے اس میں نہ مجاز ہے نہ تعدد ہے نہ صغر۔ ارشاد باری ہے

والٰھکم الٰہ واحد' "اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"

یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد' "میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے"

لا تتخذوا الٰھین اثنین انما ھو الٰہ واحد "دو معبود مت بناؤ' بس ایک معبود وہی ہے"

یہ نہ فرمایا

الٰہ کبیر' الٰہ عظیم' الٰہ حقیقی' کیونکہ اس کا مقابل ہے کوئی نہیں۔ (مزید دیکھئے تقریر دل پذیر ص ۱۳۶)

فائدہ: نبی ﷺ کا اسم گرامی محمد یا احمد بچوں کے لیے رکھنا باعث برکت ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اللہ' رحمٰن' بچے یا بڑے کے لیے رکھنا قطعاً" ناجائز ہے۔ ارشاد فرمایا ھل تعلم لہ سمیا "کیا تو اس کا کوئی ہم نام جانتا ہے؟" بلکہ عبد اللہ یا عبد الرحمٰن نام رکھو۔ اس کے بندے بن کر رہو۔

گنتی کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی امتیازی حیثیت ہے۔ دیکھئے نبی ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ ہجرت کے بیان میں فرمایا

اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین "جب آپ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا اس حال میں کہ آپ دو میں سے ایک تھے"

مگر اپنے بارے میں فرمایا

مایکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم "نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے"

الغرض ثالث ثلاثۃ، رابع اربعہ، وغیرہ اللہ کے لیے بولنے ناجائز رابع ثلاثۃ، خامس اربعہ جائز ہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں امتیازی حیثیت ہے (انظر البرہان للامام الزرکشی ج ۴ ص ۱۱۷، ۱۱۸)

شاگرد: استاد جی حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کرتے، اندھوں کو بینا کرتے تھے اور غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے؟

استاد: ہم انبیاء کے لیے اخبار غیب مانتے ہیں نہ علم غیب اور اس قصہ میں علم کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ الغرض، ہم جس کی نفی کرتے ہیں اس کا ذکر نہیں ہے اور جس کا ذکر ہے، اس کے ہم منکر نہیں ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

تلک من انباء الغیب "یہ غیب کی خبروں سے ہے"

دوسرے کام معجزات کہلاتے ہیں معجزہ یا کرامت نبی یا ولی کا اختیاری کام نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اس کا اظہار کروا دیتے ہیں۔ اور اس کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ نبی اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور نبی کا دعویٰ نبوت کا مقصد اعلان توحید ہے مگر لوگوں نے اصل مقصد کو چھوڑ کر نبی و ولی کو ہی مختار کل مان لیا۔ اس کی کچھ بحث گزر چکی ہے کسی نبی نے کبھی یہ نہ کہا کہ مجھے پکارو ہمیشہ اللہ ہی کو پکارتے رہے اسی کو پکارنے کا حکم دیتے رہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بریلویوں کے مشہور عالم و حکیم الامت کے صاحبزادے مولانا اقتدار احمد خان نعیمی گجراتی کی شائع کردہ کتاب ازبلا (۱) سے اس سوال کا جواب نقل کر دیا جائے۔

اس کتاب میں لکھا ہے

"رہا آپ کا (عیسائیوں کا) یہ فرمانا کہ حضرت مسیح کے معجزات اختیاری تھے اور دیگر انبیاء کے اضطراری یعنی نبیوں نے خدا کے حکم سے معجزہ نمائی کی مگر مسیح نے اپنے اختیار سے

---

(۱) (ازبلا رد عیسائیت میں نہایت دلچسپ حیران کن اور مزیدار کتاب ہے، شروع کرنے کے بعد جب تک ختم نہ ہو جائے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ بلکہ اس میں رد عیسائیت کے ساتھ ساتھ رد بریلویت بھی خوب ہوتا ہے)

بڑے بڑے کام کیے سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ انجیل شریف سے ثابت ہے کہ صرف معجزہ نمائی ہی نہیں بلکہ ہر کام میں حضرت مسیح ایسے ہی مجبور تھے جیسے اور انبیاء .... ازبلا (مسلمان ہونے والی لڑکی کا نام) نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا معجزات کے صدور میں حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی اختیار نہ تھا جس کا ثبوت انجیلوں سے پیش کر دیا گیا (گزشتہ صفحہ میں) اب میں کہتی ہوں کہ حضرت مسیحؑ ہر کام اور ہر معاملہ میں دیگر انسانوں کی طرح مجبور محض تھے اگر وہ خدا ہوتے تو یہ مجبوری ان کو لاحق نہ ہوتی اور ...... قادر مطلق مختار کل اور مدبر خدا کی طرح وہ بھی ہر کام کرنے میں آزاد ہوتے اور دوسرے سے مدد مانگنے کی ان کو ضرورت پیش نہ آتی .... یعنی حضرت مسیح کی زندگی بھی خود ان کی نہ تھی بلکہ خدا کی بخشی ہوئی تھی .... حضرت مسیح دوسری جگہ فرماتے ہیں میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے (یوحنا ب ۵ آیت ۳۰) نیز فرمایا میں آسمان سے اترا ہوں نہ اس لیے کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کروں بلکہ اس لیے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے مطابق عمل کروں (یوحنا ب ۶ آیت ۳۸) پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح دیگر انسانوں کی طرح مجبور محض تھے اور جو دوسرے کا محتاج اور مجبور ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا لہٰذا مسیح بھی خدا نہیں ہو سکتے۔" (ازبلا ص ۱۰۴' ۱۰۶)

ملاحظہ کیا آپ نے ہم پر فتویٰ لگانے والوں کو جب غیر مسلم کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیم پیش کرنی پڑتی ہے تو خالص توحید ہی کام دیتی ہے بلکہ اس کتاب کے ص ۵۹ میں اسلام کی تعلیمات و احکام کا خلاصہ ہی توحید بتایا ہے۔

نکتہ : اولیاء کو حاجت روا مشکل کشا ماننے والوں کو بھی غیروں کے سامنے اسی طرح شرمندگی ہوتی ہے جس طرح عیسائیوں کو اس کی دلیل یہ ہے کہ موجودہ انجیل میں عیسائیوں کی جو نشانیاں مذکور ہیں آج کسی عیسائی میں وہ نشانیاں موجود نہیں ہیں تو جب سچا عیسائی ہی دنیا میں نہیں تو ہمیں کس عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں۔ کتاب ازبلا میں ہے سچے عیسائیوں کی نشانیاں یا علامات انجیل شریف میں اس طرح آتی ہیں۔

"اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے وہ میرے نام سے بد روحوں کو نکالیں گے نئی نئی زبانیں بولیں گے سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے"

(انجیل مرقس ب ۱۶ آیت ۱۷' ۱۸)

حضرت یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوگا تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لیے ناممکن نہ ہوگی" (انجیل متی ب ۱۷ آیت ۲۰) (بحوالہ ازبلا مرتبہ مفتی اقتدار احمد خان ص ۹' ۱۰' ۱۱)

اولیاء کو حاجت روا ماننے والے بتائیں کیا اس زمانہ میں کوئی ولی ہے۔ اور کیا کسی میں وہ اختیارات ہیں جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مانے جاتے ہیں۔ بلکہ اولیاءؒ کے لیے اس سے کہیں زیادہ اختیارات مانے جا رہے ہیں۔ جو انجیل میں عیسائیوں کے لیے لکھے ہوئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اعلان ہوتا ہے قضائے الٰہی سے مرگیا لیکن جب منوں مٹی کے نیچے آجاتا ہے تو اب وہی حاجت روا مشکل کشا ہو جاتا ہے۔

شاگرد: استاد جی یہ لوگ کہتے ہیں کہ شرک تو یہ ہے کہ ان صفات مذکورہ کو بتوں کے لیے مانا جائے۔ آپ ان آیات کو انبیاء اولیاء کے لیے بھی مانتے ہو

استاد: جس طرح چپڑاسی بادشاہ بننے کا دعویٰ کرے یہ بغاوت ہے اسی طرح فوجوں کا سربراہ بادشاہت کا مدعی ہو یہ بھی بغاوت ہے اس طرح خدا کے اوصاف کسی مخلوق کےلیے ثابت کریں شرک ہوگا۔

فائدہ: حیاۃ النبیؐ یا سماع الموتی کا انکار کرنے والے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عقائد شرکیہ ہیں حالانکہ ان کو شرک کہنا گویا اس چیز کا اقرار ہے کہ معاذ اللہ حیات برزخیہ باری تعالیٰ کی صفت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

تقلید: تقلید کا لغوی معنی اتباع اور اقتداء ہے۔

تقلید کی شرعی تعریف: حضرت تھانوی فرماتے ہیں

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔ (الاقتصاد ص ۵)

اس تعریف کی رو سے بخاری مسلم کی تصحیح کو ماننا یا کسی کا عبداللہ روپڑی' ثناء اللہ امرتسری کی بات مان لینا بھی تقلید ہے لہٰذا کوئی غیر مقلد غیر مقلد نہ رہا فرق یہ ہے کہ یہ

لوگ امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام بخاری وغیرہ ائمہ کی تقلید نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ موجودہ زمانہ کے نام نہاد اہل حدیث مولویوں کی تقلید کرتے ہیں۔ حالانکہ زندہ کی بجائے سلف صالحین کی تقلید بہتر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فمن کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا یؤمن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم (مشکاۃ ج ا ص ۳۲) "جو شخص سنت پر چلنا چاہتا ہو وہ ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلے جو فوت ہو چکے ہیں کیونکہ زندہ کبھی فتنہ سے مامون نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں"

مگر کیا عجب ہے کہ غیر مقلد کہہ دیں کہ چلو ابن مسعود کی ایک اور غلطی مل گئی معاذ اللہ تعالیٰ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قدر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانیں جن کا ارشاد گرامی ہے رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد میں تمہارے لیے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لیے عبد اللہ بن مسعود پسند کریں۔ (مستدرک ج ۳ ص ۳۱۹)

حضرت ابن مسعودؓ نے زندہ کی تقلید نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ زندہ پر فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ بات عین حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ بگاڑ غیر مقلدین میں آتا ہے۔ عبد اللہ چکڑالوی غلام احمد قادیانی اکثر منکر حدیث و قادیانی پہلے غیر مقلد ہی تھے' بلکہ غیر مقلدین قادیانی اور چکڑالوی کو سنی مسلمان کہتے ہیں۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں : اب سنیوں میں آپس میں کئی اختلاف پیدا ہو گئے ہیں' مقلد اور غیر مقلد' بدعتی اور وہابی' عرشی اور فرشی' قادیانی اور چکڑالوی (لغات الحدیث ص ۱۸۱ کتاب السین)

شاگرد : استاد جی غیر مقلد کہتے ہیں تقلید کا معنی ہے گلے میں پٹہ ڈالنا۔

استاد : تقلید کا ایک معنی ہے قلادہ پہنانا۔ قلادہ کا لفظ انسان کے لیے ہار پر بولا جاتا ہے اور جانوروں کے پٹے کو بھی قلادہ کہتے ہیں ہم انسانوں کی نسبت سے تقلید کا معنی کرتے ہیں ہار پہنانا اور وہ لوگ خدا جانے جانوروں والا معنی کیوں لیتے ہیں؟ اور اصطلاحی معنی اس کا اتباع ہی ہے۔

شاگرد : قرآن حدیث کے ہوتے ہوئے دوسرے کی تقلید ہی کیوں؟

استاد: حضرت تھانویؒ نے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

احکام شرعیہ
- منصوص
  - متعارض
    - معلوم التقدیم والتاخیر
    - غیر معلوم التقدیم والتاخیر
  - غیر متعارض
- غیر منصوص
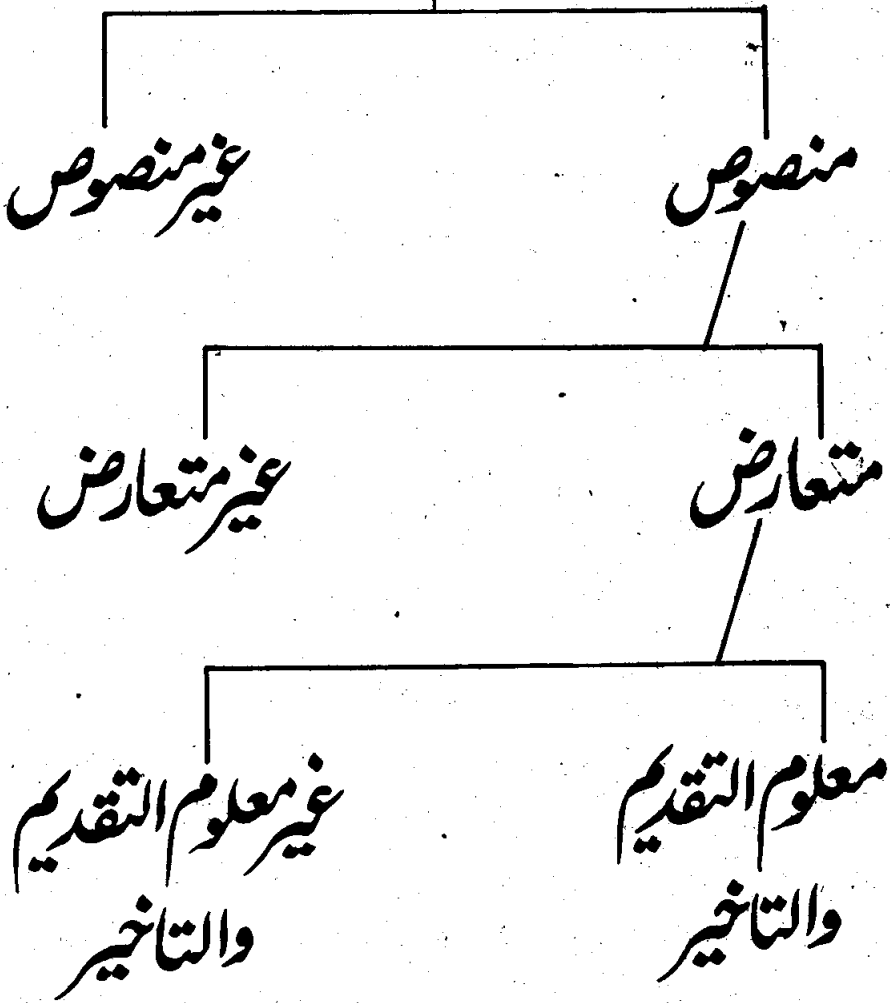
تو احکام شرعیہ چار قسم پر ہیں (۱) غیر منصوص یعنی وہ مسائل جن کا حکم قرآن پاک یا حدیث شریف میں نہیں مل رہا جیسے موجودہ بنکاری کی بیشتر جزئیات' انجکشن کے ساتھ وضو یا روزے کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مسئلہ۔

(۲) منصوص غیر متعارض۔ یعنی مسئلہ کا حکم قرآن کریم یا حدیث شریف سے ملتا ہے اور اس کے مقابل کوئی اور حدیث یا آیت بالکل نہیں ہے جیسے نماز' روزہ کی فرضیت۔

(۳) منصوص متعارض معلوم التقدیم والتاخیر' یعنی مسئلہ کے بارہ میں دو قسم کی نصوص ہیں ایک سے حرمت دوسرے سے حلت معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ کون سی مقدم اور کونسی موخر ہے جیسے شرب خمر یہ بات معلوم ہے کہ خمر کی حلت مقدم ہے' حرمت متاخر ہے۔

(۴) منصوص متعارض غیر معلوم التقدیم والتاخیر' کسی مسئلہ کے بارہ میں نصوص متعارضہ موجود ہیں اور تقدم و تاخر کا علم قطعی نہیں جیسے رفع یدین' قراءت خلف الامام' آمین بالجہر کے ساتھ وغیرہ۔

واضح رہے کہ کسی مسئلہ کے بارہ میں یہ معلوم کرنا کہ وہ ان چاروں میں سے کس قسم میں داخل ہے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ہمیں اس کا حکم غیر منصوص معلوم ہوتا ہو اور اس کے بارہ میں قرآن پاک کی آیات موجود ہوں۔ یا ہم اس کو منصوص غیر متعارض گمان کریں اور وہ متعارض ہو۔ غیرمقلدین حضرات کی بڑی خباثت ہے کہ وہ اپنے ہر مسئلے کو منصوص غیر متعارض یقین کرتے ہیں جبکہ ان کا کوئی مختلف فیہ مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس نص نہ ہو۔

جب مسائل کی یہ قسمیں سمجھ آگئیں تو جان لیں کہ دوسری اور تیسری صورت میں تقلید ناجائز ہے اور پہلی اور چوتھی میں تقلید کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے بارے میں نص غیر متعارض نہیں ہے۔ اگر مل جائے تو دوسری یا تیسری قسم میں لے جائیں گے۔

سو جب مسئلہ کا حکم غیر منصوص ہے یا اس کے بارہ میں نصوص متعارض ہیں تو اجتہاد وقیاس سے حکم معلوم کریں گے مگر ان جیسے خواہشات کے پیروکار جو تین طلاقیں دے کر غیر مقلد بنے ہوئے ہیں۔ ان کے اجتہاد وقیاس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ سلف صالحین کی تقلید کرنا ہوگی جن کے مسائل مدونہ مل جاتے ہیں اور اتبع سبیل من اناب کے مفہوم میں شامل

ہیں۔ واللہ اعلم (ماخوذ از الکلام الفرید ملحق بہ خیر التنقید)

شاگرد: استاد جی! بعض لوگ مسلم الثبوت سے تعریف پیش کر کے اعتراض کرتے ہیں

استاد: مسلم الثبوت کی عبارت میں ایک لفظ حذف ہے۔ عبارت یوں ہے التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ تقدیر یوں ہے التقلید العمل بقول الغیر من غیر معرفۃ حجۃ یا من غیر ذکر حجۃ اور آپ جانتے ہیں کہ بخاری شریف میں احادیث صحیحہ ہیں مگر امام بخاریؒ نے ان کی دلیل پر بحث نہیں کی تو یہ بھی تقلید ہے۔

رہا یہ کہ صاحب ہدایہ وغیرہ حضرات دلیل جاننے کے باوجود مقلد ہیں' اس کا جواب ہے کہ مجتہد دلیل سے مسئلہ معلوم کرتا ہے جبکہ مقلد کو پہلے مسئلہ بتایا جاتا ہے پھر دلیل معلوم ہو یا نہ ہو۔

سنت کی تعریف : ہم اس مقام پر صرف سنت قائمہ کی قدرے وضاحت چاہتے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات آمین بالجہر' رفع یدین عند الرکوع وغیرہ کو سنت قرار دے کر حنفیہ کو تارک سنت کا لقب دیے ہوئے ہیں۔

حالانکہ پہلے درجہ میں سنت قائمہ وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۷۱' ۱۷۲ میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تین چیزوں کا جاننا فرض کفایہ ہے۔ اول محکمات قرآنیہ' دوم سنت قائمہ اور سنت قائمہ کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہوں' دوسرا درجہ وہ جس میں صحابہ کے دو یا تین قول ہوں (اور ظاہر ہے کہ جب صحابہ میں اختلاف ہوگا تو ائمہ میں بھی ہو سکتا ہے) ان کو جاننا بھی شاہ صاحب نے فرض کفایہ بتلایا۔ سوم ورثہ کے حصوں کو جاننا۔

اب غیر مقلد بتلائیں کہ طلاق ثلاثہ اور تراویح کے بارہ میں ائمہ اربعہ کا متفق علیہ قول سنت قائمہ ہے یا نہیں؟ اس کی مخالفت بدعت ہے یا سنت؟ نیز حنفیہ کے دوسرے مسائل جو صحابہ سے بھی منقول ہیں کیا سنت قائمہ کی دوسری قسم میں داخل ہیں یا نہیں۔

واضح رہے کہ غیر مقلدین رفع یدین اور آمین بالجہر کو سنت بتاتے ہیں حالانکہ سنت وہ عمل ہے جس پر نبی ﷺ یا خلفاء نے دوام کیا ہو اور ان مسائل کے دوام پر کوئی حدیث صریح صحیح نہیں ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ان پر دوام کرنا ثابت ہے اور نہ ہی ان کے بارہ میں کوئی قولی حدیث منقول ہے۔ علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں

"کبھی سنت اس کام کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو اور وہ واجب نہ ہو جیسے داہنے ہاتھ سے کھانا کھانا" (لغات الحدیث' کتاب السین ص ۱۸۱)

بدعت کی تعریف : لغت میں بدعت ہر نئے کام کو کہا جاتا ہے مگر اصطلاح شرع میں بدعت ہر اس نئے کام کو کہا جاتا ہے جس کو دین سمجھ کر کیا جائے اور باوجود تقاضے کے قرون ثلاثہ (صحابہ' تابعین' اور تبع تابعین) میں نہ پایا گیا ہو۔

بدعت کا ضرر : بدعتی اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سے نیکی کے کام نہیں بتائے اور نہ کیے ہیں۔ اور چونکہ بدعتی روز بروز کوئی نئی بدعت ایجاد کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کا دین کبھی مکمل نہیں ہوتا۔ مثلاً اس زمانہ میں میلاد پر جلوس نکالنے والے گستاخ ہیں کل کوئی اور بدعت ایجار کر کے اس کو معیار محبت رسول قرار دے سکتے ہیں ونعوذ باللہ من ذلک

مندرجہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ شادی کی رسومات باوجود گناہ ہونے کے بدعت نہیں ہیں کیونکہ ان کو دین سمجھ کر نہیں بلکہ گناہ سمجھ کر کرتے ہیں۔

جبکہ فوتگی کی رسومات تیجا' ساتواں' چہلم وغیرہ کو ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ شریعت نے نہ تو ان کا حکم دیا اور نہ ہی ان کا ثبوت ہے۔

شاگرد : استاد جی صوفیہ کے وظائف' مدارس کا موجودہ نظام وغیرہ چیزیں ان زمانوں میں نہ تھیں اور ہم ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔

استاد : ہم ان کو دین کا ایک ذریعہ سمجھ کر کرتے ہیں اور صوفیہ کا مقصد تزکیہ نفس ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اس زمانہ میں اصلاح اس کے بغیر نہیں ہوتی۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۲۱) حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ مرتبہ احسان کے حاصل ہونے کے بعد اشغال صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے گلستان بوستان کے بعد کریما شروع کرے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۰۱)

اس طرح مدارس کی بات ہے نبی ﷺ کی ہر بات اور ہر کام حجت تھا نہ کتابوں کی ضرورت تھی نہ سند کی نہ صرف کی نہ نحو کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جمع قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ روایت حدیث کا سلسلہ شروع ہوا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب عادل تھے' تابعین کے زمانہ میں کچھ لوگ جھوٹ بولنے لگے تو جرح تعدیل کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ تدوین حدیث کا حکم جاری کیا۔ تو

یہ علوم مدونہ سب حالات کا تقاضا ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں ان کا تقاضا نہ تھا ہمارے زمانہ میں تقاضا ہوا لہذا بدعت نہیں ہیں اس کے برخلاف تیجا وغیرہ رسمیں اس کا منشا ایصال ثواب ہے اور جلوس میلاد کا باعث حب رسول ﷺ ہے اور یہ دونوں چیزیں صدر اول میں موجود تھیں مگر یہ کام نہ ہوئے اس لیے ان کا کرنا بدعت ہے دوسری بات یہ ہے کہ اہل بدعت بدعات نہ کرنے والوں کو طعنہ وہابیت وغیرہ کا دیتے ہیں۔ جبکہ ہم ان کاموں کو دین میں معاون مانتے ہیں مگر ان کے نہ کرنے والوں کو کافر و گستاخ نہیں کہتے۔

تدریب

س: ذیل کے معرفات میں اقسام معرف کی بتاؤ (حد تام ر ناقص، رسم تام ر ناقص متعین کرو) (۱) جوہر ناطق (۲) جسم نامی ناطق (۳) جسم حساس (۴) جسم متحرک بالارادہ (۵) حیوان صاہل (۶) حیوان ناہق (۷) جسم ناہق (۸) حساس (۹) ناطق (۱۰) الکلمۃ ا۔ لفظ وضع لمعنی مفرد (۱۱) الفعل کلمۃ دلت علی معنیٍ فی نفسها مقترن باحد الازمنۃ الثلاثۃ

س: معرِّف اور معرَّف میں فرق بتاؤ نیز مثال دینے کے بعد یہ بتاؤ کہ ان کے درمیان کون سی نسبت ہوتی ہے۔

س: شرک کی تعریف کر کے مثال دیں۔

س: کیا الٰہ عطائی یا مجازی بھی ہوتا ہے یا نہیں بمعہ دلیل؟

س: لوازم الوہیت کیا ہیں اور کس کے ساتھ خاص ہیں؟

س: سمع بصر کو بندے کے لیے عطائی مانتے ہیں علم غیب کیوں نہیں وجہ بتائیں۔

س: غیر اللہ کے لیے عطائی علم غیب ماننا درست ہے یا نہیں نیز عطائی ماننے والا مومن ہے یا مشرک یا کافر؟

س: کفر کی تعریف کر کے یہ بتائیں کہ مرزا قادیانی اور منکر حدیث مسلمان ہیں یا نہیں

ا۔ نمبر ۱۰ و ۱۱ میں الکلمۃ اور الفعل لفظ معرف سے خارج ہیں۔ بعد میں کے لفظ معرف ہیں۔ ۱۲ شف

اور کیوں؟

س: جن صفات کو بتوں میں مان کر شرک لازم ہوتا ہے کیا وہ حکم صرف بتوں کے ساتھ خاص ہے بمعہ دلیل ذکر کریں؟

س: اولیاء کو حاجت روا مشکل کشا مان کر نبیؐ کی گستاخی کیسے لازم آتی ہے۔

س: تقلید کی تعریف کر کے بتائیں کہ تقلید کب واجب ہوتی ہے۔ نیز کس قسم کے مسائل میں تقلید ہوتی ہے۔

س: ایمان کی تعریف کر کے یہ بتائیں کہ انکار حدیث ایمان کے منافی ہے یا نہیں۔

س: بدعت کی لغوی و اصطلاحی تعریف کریں۔

س: بدعت اتنی بری کیوں ہے۔ نیز رسوم زواج اور رسوم وفات کا فرق بتائیں۔

س: وظائف صوفیہ نیز مدارس کا قائم کرنا اب جائز ہے یا بدعت ہے ان میں اور تیجا وغیرہ میں فرق واضح کریں۔

تنبیہ: جو اصطلاحات منطق کی اب تک تیرہ سبقوں میں پڑھی ہیں وہ یکجا بطور فہرست لکھی جاتی ہیں۔ ان کو خوب یاد کرلو اور آپس میں ایک دوسرے سے سوالات کرو۔

(۱) علم (۲) تصور (۳) تصدیق (۴) تصور بدیہی (۵) تصور نظری (۶) تصدیق بدیہی (۷) تصدیق نظری (۸) نظرو فکر (۹) منطق[۱] (۱۰) موضوع منطق (۱۱) غرض منطق
(۱۲) دلالت (۱۳) دال (۱۴) مدلول (۱۵) وضع (۱۶) موضوع لہ (۱۷) دلالت لفظیہ (۱۸) دلالت غیر لفظیہ (۱۹) دلالت لفظیہ وضعیہ (۲۰) دلالت لفظیہ طبعیہ (۲۱) دلالت لفظیہ عقلیہ (۲۲) دلالت غیر لفظیہ وضعیہ (۲۳) دلالت غیر لفظیہ طبعیہ (۲۴) دلالت غیر لفظیہ عقلیہ (۲۵) دلالت مطابقیہ (۲۶) دلالت تضمنیہ (۲۷) دلالت التزامیہ (۲۸) لازم (۲۹) مفرد (۳۰) مرکب (۳۱) مفہوم (۳۲) کلی (۳۳) جزئی (۳۴) حقیقت و ماہیت (۳۵) کلی ذاتی (۳۶) کلی عرضی (۳۷) جنس (۳۸) نوع (۳۹) فصل (۴۰) خاصہ (۴۱) عرض عام (۴۲) جنس قریب (۴۳) جنس بعید (۴۴) فصل قریب (۴۵) فصل بعید (۴۶) تساوی (۴۷) تباین (۴۸) عموم خصوص

۱؎ علم منطق۔ ۱۲ شف

مطلق (۴۹) عموم وخصوص من وجہ (۵۰) معرف و قول شارح (۵۱) حد تام (۵۲) حد ناقص (۵۳) رسم تام (۵۴) رسم ناقص۔

بعض نسخوں میں اصطلاحات کے اوپر جو نمبر دیئے ہیں ان سے یہ تعداد ۵۶ ہے صحیح تعداد ۵۴ ہی ہے اور مصنف نے آخر کتاب میں بھی ۵۴ ہی لکھے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے ان کو یاد کرنے کا مطالبہ فرمایا ہے مگر ہمارا مطالبہ یہ بھی ہے کہ ان کو کم از کم قرآن پاک کی مثالوں میں جاری کرنے کی کوشش ضرور کرو۔

تصدیقات[1] کی بحث

سبق اول

حجت کی بحث

دو یا زیادہ تصدیق جانی ہوئی کو ترتیب دے کر جب کوئی نہ جانی ہوئی بات (تصدیق) معلوم کریں تو ان جانی ہوئی[2] تصدیق کو حجت اور دلیل کہتے ہیں جیسے [3] مثلاً تم کو اس کا علم ہے کہ انسان ایک جاندار شے ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہر جاندار شے جسم والی ہے تو ان دونوں باتوں کے جاننے سے تم یہ جان گئے کہ انسان جسم والا ہے۔

جاننا چاہئے کہ دلیل ہمیشہ دو تصدیق کا مجموعہ ہے جن میں سے کسی ایک کا کلی ہونا اور کسی ایک کا موجبہ ہونا ضروری ہے۔

شاگرد: استاد جی بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ دلیل صرف ایک جملہ ہوتا ہے یا پورا جملہ بھی نہیں ہوتا جیسے تھرمامیٹر سے بخار معلوم کر لیتے ہیں۔

استاد: بسا اوقات دلیل میں کچھ حصہ حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تھرمامیٹر سے ۱۰۱ درجہ دیکھ کر دلیل یوں بنتی ہے۔ اس کا درجہ حرارت ۱۰۱ درجہ ہے اور جس کا درجہ حرارت ۱۰۱ ہو وہ بخار زدہ ہوتا ہے۔

جاء ربک میں ہم لفظ رب کی ترکیب یوں کریں گے رب مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اس کا دوسرا حصہ حذف ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔

---

[1] تصدیق کی جمع ہے، غیر ذی عقل ہونے کی وجہ سے الف تاء سے آئی ہے۔ علم کی دوسری قسم وہ صورت جو جملہ خبریہ یقینی کی ہو۔۱۲ ج [2] یعنی ان کے مجموعہ کو۔۱۲ [3] اس جگہ پہنچ کر سبق سوم کا دوسرا حاشیہ مکرر دیکھ لو۔۱۲ شف

فائدہ: چونکہ دلیل کا ایک حصہ لازما کلی ہوتا ہے اس کے لیے منطقی یہ کہتے ہیں کہ الجزئی لا یکون کاسبا ولا مکتسبا (سلم العلوم ص ۵۸)

ہم احمد کی شکل دیکھ کر اس کے حقیقی بھائی کی شکل معلوم نہیں کر سکتے اس طرح کسی کے نام سے اس کے بھائی کا نام معلوم نہیں کر سکتے اس مثال میں احمد اور اس کا بھائی دونوں جزئیات ہیں نہ وہ کاسب ہیں نہ مکتسب

شاگرد: استاد جی ہم ایک کتاب کو دیکھ کر دوسری کا اندازہ کر لیتے ہیں اس کے لیے ہم ایک نسخہ دیکھ کر کئی نسخے خرید لیتے ہیں۔

استاد: ان کے اندر بھی امر کلی کی وجہ سے اکتساب ہوتا ہے وہ اس طرح کہ مثلاً یہ قرآن پاک تاج کمپنی کا ہے اس کا حوالہ نمبر ۱۲۴ ہے اور تاج کمپنی کے حوالہ نمبر ۱۲۴ کے ہر نسخہ کا یہی ڈیزائن ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف اگر یوں کہا جائے کہ کوئی انسان پتھر نہیں اور کوئی پتھر لکڑی نہیں یا یوں کہا جائے بعض مسلمان امریکی ہیں بعض امریکی کافر ہیں تو کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ پہلی میں نتیجہ نہ نکلنے کا سبب یہ ہے کہ کوئی قضیہ موجبہ نہیں۔ دوسری صورت میں یہ کہ کوئی قضیہ کلیہ نہیں ہے۔

تدریب

س: حجت کی تعریف کر کے مثال دیں نیز اس کا دوسرا نام ذکر کریں

س: بسا اوقات ہم دلیل میں دو قضیے نہیں دیکھتے' پھر اس کو دلیل کیوں کہتے ہیں؟

س: جاء ربک میں لفظ رب کا اعراب بتائیں اور اس کی دلیل منطقی شکل کے مطابق پیش کریں

س: منطقی کہتے ہیں الجزئی لا یکون کاسبا ولا مکتسبا اس ضابطہ کی وضاحت کریں اور مثال ذکر کریں

س: ہر دلیل میں کن دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے؟ مع امثلہ ذکر کریں

س: مندرجہ ذیل دلیلوں پر غور کریں اور صحیح وغلط کو الگ الگ کریں

۱۔ محمود نیک آدمی ہے کیونکہ شریعت کا پابند ہے اور ہر شریعت کا پابند نیک ہوتا

ہے

۲۔ خالد ڈاکٹر ہے کیونکہ وہ ڈاکٹر کا بھائی ہے اور بعض ڈاکٹروں کے بھائی ڈاکٹر ہوتے ہیں

۳۔ خالد کا دوست کافر ہے کیونکہ بعض کافر پاکستانی ہیں اور بعض پاکستانی مسلمان ہیں

۴۔ میرا بھائی پائلٹ ہے کیونکہ وہ ماہی گیر نہیں ہے اور بعض ماہی گیر پائلٹ ہیں

۵۔ تیرا بیٹا مستقبل کا وزیر اعظم ہے کیونکہ تیرے بیٹے نے میٹرک پاس کر لیا ہے اور بعض میٹرک پاس سیاست میں حصہ نہیں لیتے اور بعض سیاستدان ایم این اے بنتے ہیں اور بعض ایم این اے وزیر اعظم بن جاتے ہیں

سبق دوم
قضیوں کی بحث

قضیہ وہ مرکب لفظ ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں[۱] جیسے زید کھڑا ہے[۲]۔

مرکب کہہ کر غیر مرکب خارج ہو گئے۔ ضرب میں اگر ضمیر ھو مستتر مانیں تو قضیہ ہے اور اگر نہ مانیں تو مفرد ہے۔ یعنی بشرط ھو قضیہ اور بشرط عدم ھو (لا شئ) مفرد ہے۔ سچا یا جھوٹا کہہ سکنے کی قید سے جملہ انشائیہ اور شک وغیرہ نکل گیا۔ قضیّۃ میں یا پر تشدید ہے اور اس کی جمع قضایا ہے جیسے ھدیّۃ کی جمع ھدایا (انظر مختار الصحاح ص ۵۴۰)

فائدہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ قضایا ہیں ان میں کذب کا احتمال نہیں مگر صدق تو ہے۔ لہٰذا یہ قضایا ہیں ان اللہ ثالث ثلاثہ کذب صریح ہے یہ بھی قضیہ ہے۔ قضیہ میں صدق و کذب دونوں میں سے ایک کا ہونا کافی ہے۔ اگر دونوں نہ ہوں تب تصور ہے یعنی ان میں سے ایک مانعۃ الخلو کے طریقہ پر پایا جائے۔ حقیقیہ یا مانعۃ الجمع کے طریقہ پر ضروری نہیں یا یہ کہ نفس جملہ دونوں کا محتمل ہے، اگرچہ واقع میں دوسری جانب محال ہے۔

فائدہ: استفہام انکاری لفظوں کے اعتبار سے تصور ہے مگر ممکن ہے کہ معنی کا لحاظ کر کے اس کو تصدیق کہہ دیں جیسے

ءالہ مع اللہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟

اسی طرح استفہام تقریری جیسے

قل اؤنبئکم بشر من ذلکم النار کہو کیا میں اس سے بھی بری چیز کی خبر دوں؟ وہ آگ ہے۔

---

[۱] چاہے واقع میں کیسا ہی ہو، سچا ہو یا جھوٹا اس لیے "زمین اوپر ہے" بھی قضیہ ہو گا۔ ۱۲

[۲] یا نہیں کھڑا ہے۔ ۱۲ شف

فائدہ : امر یا استفہام کو خبر کے اسلوب میں ادا کریں تو قضیہ ہو جائے گا جیسے اعنا (ہماری مدد کر) تصور ہے مگر ایاک نستعین خبر ہے اخبرنی اور ما ھذا دونوں تصور ہیں مگر استفھمک خبر اور قضیہ ہے۔

قضیہ کی دو قسمیں ہیں حملیہ اور شرطیہ۔

حملیہ : وہ قضیہ ہے جو دو مفرد سے مل کر بنے اور اس میں ایک شے کا دوسری شے کے لیے ثبوت ہو[۱]۔ جیسے زید کھڑا ہے کہ اس میں زید کے لیے کھڑا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یا ایک شے سے دوسری شے کی نفی ہو[۲]۔ جیسے زید عالم نہیں کہ اس میں زید سے عالم ہونے کو نفی[۳]۔ کیا گیا ہے۔ اول کو موجبہ اور دوسرے کو سالبہ کہتے ہیں۔ قضیہ حملیہ کے جزو اول کو موضوع اور دوسرے جزء کو محمول کہتے ہیں اور جو ان دونوں کے درمیان نسبت ہے اس پر جو لفظ دلالت کرے اس کو رابطہ کہتے ہیں جیسے زید کھڑا ہے اس قضیہ میں زید موضوع ہے اور کھڑا محمول ہے اور لفظ "ہے" رابطہ[۴] ہے۔

حمل کا معنی ہے کہ دو چیزیں معنوی تغایر کے باوجود وجود میں متحد ہوں جیسے اللہ رحمٰن ، رحمٰن کا مفہوم اگرچہ اور ہے مگر اللہ تعالیٰ اور رحمٰن ایک ہی ذات ہے۔ حمل کا دوسرا نام اسناد ہے اس کے لیے قضیہ حملیہ وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے جو دو جملوں سے مرکب نہ ہو جیسے جملہ شرطیہ۔

قضیہ حملیہ کی چند صورتیں درج ذیل ہیں۔

(۱) دونوں جزء لفظوں میں ایک جیسے ہوں اور قضیہ موجبہ ہو۔ جیسے والسابقون السابقون (سورۃ الواقعہ)

ارشاد نبوی ہے الایمن فالایمن

(۲) لفظ ایک جیسے ہوں اور قضیہ سالبہ ہو جیسے کسی کا نام جمیلہ ہو اور وہ خوبصورت نہ ہو تو کہا جائے جمیلة لیست بجمیلة

۱۔ ہونا بتایا گیا ہو۔ ۱۲ ۲۔ یعنی نہ ہونا بتایا گیا ہو۔ ۱۲ ۳۔ یعنی زید کے عالم نہ ہونے کو بتایا گیا ہے جیسے کہ پہلی مثال میں کھڑے ہونے کو بتایا گیا ہے۔ ۱۲ ۴۔ زبان عربی میں رابطہ اکثر مقدر ہوتا ہے۔ ۱۲ شف

(۳) طرفین کے لیے الگ الگ لفظ ہوں جیسے زید قائم

(۴) کبھی حرف سلب کو موضوع یا محمول کا جزء بنا دیتے ہیں جیسے اللا حی لا عالم (بے جان بے علم ہے) اس قضیہ کو معدولہ کہتے ہیں۔ اردو میں حرف سلب کو جزء بنانے کی مثالیں ناکافی' ناجائز' نخالص وغیرہ ہیں۔ انجان' بے وقوف میں بھی اس کا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد یاد رکھیں کہ جس طرح جملہ میں مسند الیہ جملہ نہیں ہوتا مگر کسی تاویل کے بعد اور خبر جملہ ہو سکتی ہے۔ اس طرح قضیہ حملیہ کے اندر محمول کبھی مفرد ہو گا کبھی مرکب ناقص اور کبھی قضیہ البتہ موضوع یا مفرد ہو گا یا مرکب ناقص۔ اب اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قضیہ	موضوع	نوع	محمول	نوع
اللہ ربنا	اللہ	مفرد	ربنا	مرکب تقییدی
ربنا الذی اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی	ربنا	مرکب تقییدی	الذی اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی	مرکب تقییدی
ربی الذی یحیی ویمیت	ربی	مرکب تقییدی	الذی یحیی ویمیت	مرکب تقییدی
صلیت فی المسجد	انا	مفرد	صلی فی المسجد	مرکب تقییدی
ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم	الموت الذی تفرون منہ	مرکب تقییدی	فانہ ملاقیکم	قضیہ حملیہ
ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا	من	مفرد	یتق اللہ یجعل لہ مخرجا	قضیہ شرطیہ متصلہ
الطلاب یقرأون او یکتبون	الطلاب	مفرد	یقرأون او یکتبون	قضیہ شرطیہ منفصلہ
کل من علیھا فان	کل من علیھا	مرکب تقییدی	فان	مفرد

ویبقی وجہ ربک	وجہ ربک	مرکب تقییدی	یبقی	مفرد
ذو الجلال والاکرام	ذو الجلال و الاکرام			
ان ربک لبالمرصاد	ربک	مرکب تقییدی	بالمرصاد	مرکب غیر تقییدی
لا الٰہ الا اللہ	الٰہ	مفرد	الا اللہ	مرکب تقییدی
محمد رسول اللہ	محمد	مفرد	رسول اللہ	مرکب تقییدی
ان اللہ بکل	اللہ	مفرد	بکل شئ	مرکب تقییدی
شئ علیم			علیم	
قال ابو بکر الصدیق	ابوبکر	مرکب تقییدی	قال	مفرد
	الصدیق			

قضیہ حملیہ کی مفصل بحث تو ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں کریں گے۔ یہاں چند باتیں یاد رکھیں۔

(۱) اگر کسی لفظ کے جزء سے معنی کے جزء پر دلالت مقصود نہ ہو ترکیب یا تحلیل منطق میں وہ اکٹھا شمار ہوگا۔ جیسے عطاء اللہ پورا نام مفرد شمار ہو گا محمد رسول اللہ ایک کتاب کا نام ہے۔ اگر موضوع یا محمول ہو تو مفرد ہو گا مرکب ناقص یا تام شمار نہ ہوگا۔

(۲) مرکب تقییدی وہ مرکب ناقص ہے جس میں دونوں جزؤں کے ملنے سے جملہ نہ بن سکے مگر ایک جز دوسرے کے لیے قید ہو جیسے مرکب اضافی، توصیفی، مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ، فعل اور مفعول بہ، فعل و مفعول مطلق، ممیز تمیز، موصول صلہ، ظرف مظروف وغیرہ۔ مرکب غیر تقییدی میں ایک جز دوسرے کے لیے قید نہیں ہوتا جیسے جار اور مجرور البتہ جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر مرکب تقییدی ہوں گے۔

(۳) جس طرح نحو کے اندر جملہ موصول کے لیے صلہ، مبتدا کے لیے خبر، موصوف کی صفت، ذوالحال کا حال بن جاتا ہے اسی طرح منطق کے اندر بسا اوقات قضیہ، ذوالحال موصوف کے بعد آ جانے سے مرکب تقییدی کا جز بن جاتا ہے بلکہ کبھی جملہ کبریٰ کے تحت آنے کے بعد انشاء بن کر قضیہ کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے جیسے قل لوشاء اللہ ما تلوتہ علیکم کے اندر لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ ہے۔ لیکن اس سے پہلے قل ہے اس کا موضوع انت ہے اور محمول قل ہے جس کے لیے یہ قضیہ

شرطیہ قید ہے لہٰذا قل مقید اس قید سے مل کر مرکب تقییدی ہو کر محمول بن رہا ہے۔ چونکہ صیغہ امر ہے اس لیے قضیہ نہیں بلکہ انشاء بنے گا۔

(۴) قضیہ کا اساسی جزء حذف ہو اس کو ماننا ضروری ہے مثلاً مبتدا یا خبر حذف ہے اور اگر ظرف کا متعلق حذف ہو تو اس کو نکالنے کی خاص حاجت نہیں ہے۔ جار مجرور یا ظرف عموماً مرکب غیر تقییدی ہوتا ہے اس کو محمول بنا کر قضیہ یوں کریں گے۔ جیسے زید فی الدار میں فی الدار مرکب غیر تقییدی محمول ہے [1] لو لا علی لھلک عمر میں قضیہ مقدم کا محمول محذوف ہے اس کو نکال کر قضیہ مکمل کریں گے (واللہ اعلم)

(۵) نحو میں آپ نے پڑھا ہے کہ ہر جملہ میں مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے مسند الیہ کو منطق میں موضوع اور مسند کو محمول کہتے ہیں۔

(۶) ہر قضیہ میں چار چیزوں کا وجود ضروری ہے ۱۔ موضوع ۲۔ محمول ۳۔ نسبت (اسناد) نسبت کی نوعیت کہ یہ اسناد ضروری ہے یا غیر ضروری ہے اس نوعیت کا نام جہت ہے۔

(۷) قضیہ میں اگر چاروں جزء ذکر ہوں اس کو رباعیہ یا موجہہ کہتے ہیں جس کا مفصل بیان آئندہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر قضیہ میں موضوع محمول اور اسناد پر دلالت کرنے والا ذکر ہو اس کو ثلاثیہ کہتے ہیں جیسے کان اللہ علیما حکیما کے اندر فعل ناقص کو رابطہ مانتے ہیں اسی طرح ان اللہ ھو مولاہ ترجمہ "پیغمبر کا رفیق اللہ ہے" میں ھو کو رابطہ مانتے ہیں۔

---

[1] لیکن بہتر یہ ہے کہ جس طرح نحو میں جار مجرور یا ظرف کا متعلق نکال کر خبر بناتے ہیں اسی طرح زید فی الدار کی ترکیب منطقی میں حصل یا حاصل کو محذوف مانا جائے گا۔ فرق یہ ہے کہ نحوی ترکیب مین محذوف لفظاً خبر ہے اور جار مجرور فضلہ ہے۔ زید حاصل فی الدار میں کہتے ہیں حاصل مرفوع ہے' کیونکہ خبر ہے اور جار مجرور محلاً" منصوب ہے کیونکہ مفعول فیہ ہے

جبکہ ترکیب منطقی میں جار مجرور متعلق سمیت محمول بنے گا۔ زید فی الدار کی ترکیب منطقی یوں ہوگی

زید موضوع' فی جزء اول' الدار جزء ثانی: دونوں جز مل کر مرکب غیر تقییدی ہو کر قید ہوا حاصل محذوف کے لیے۔ مقید قید مل کر مرکب تقییدی ہو کر محمول۔ موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہوا۔ (انظر میر قطبی ص ۵۰)

اگر قضیہ میں صرف موضوع محمول ذکر ہو اس کو ثنائیہ کہتے ہیں جیسے اللہ رب العالمین' اللہ قدیر

شاگرد: استاد جی قضیہ کے اندر تو بسا اوقات بہت سے کلمات علاوہ موضوع محمول کے ہوتے ہیں جیسے ان اللہ علی کل شیٔ قدیر

استاد: وہ زائد الفاظ بھی عموماً موضوع یا محمول کے ساتھ مرکب تقییدی یا غیر تقییدی بنتے ہیں۔ کان وغیرہ نسبت پر دلالت کرنے کی وجہ سے رابطہ کہلاتے ہیں۔

شاگرد: استاد جی ثنائیہ' ثلاثیہ' رباعیہ کے علاوہ کل قضیہ حملیہ کی کوئی اور قسم بھی ہے؟

استاد: نہیں۔

شاگرد: ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات قضیہ کا کوئی جز بھی ذکر نہیں ہوتا اور کبھی صرف موضوع یا صرف محمول ہوتا ہے جیسے ارشاد باری ہے

ونا دی اصحاب الجنة اصحاب النار ان قد وجد نا ما وعد نا ربنا حقا فهل وجد تم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم (اعراف ۴۴)

ترجمہ "اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا' ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا' تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا؟ وہ کہیں گے ہاں"

یہاں نعم کے بعد قضیہ کا کوئی جز ذکر نہیں۔

ایک مقام پر فرمایا وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا (النحل)

ترجمہ "اور متقی لوگوں سے کہا گیا تمہارے رب نے کیا اتارا؟ انہوں نے کہا خیر"

اس کے اندر مسند اور مسند الیہ دونوں حذف ہیں۔ مسند کی قید مذکور ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے واذا قیل لهم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین

ترجمہ "اور جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اتارا تو وہ کہتے ہیں وہ تو پہلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں"

اس میں قالوا کے بعد صرف محمول ذکر ہے۔

ایک جگہ ہے قل من یرزقکم من السماء والارض قل اللہ ترجمہ "آپ پوچھئے تمہیں آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے اللہ"

قل کے بعد صرف موضوع ذکر ہے۔ ان صورتوں کا کیا نام ہے؟

استاد: ان کے اندر محذوف کو مذکور مان کر قضیہ کی نوع متعین کریں۔ مذکورہ سوالوں کے اندر قضیہ ثنائیہ ہو گا اور اگر جواب میں قضیہ موجہہ نکالا جائے گا تو وہ رباعیہ ہوگا۔ جیسے هل الله هو الخالق بالضرورة کے جواب میں نعم ہو تو حذف شدہ قضیہ رباعیہ اور موجہہ ہوگا۔

[قضیہ حملیہ کی چار قسمیں ہیں[۱] مخصوصہ، طبعیہ، محصورہ، مہملہ]

ان اقسام کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

قضیہ

- محکوم علیہ کلی
  - محکوم علیہ مفہومِ کلی — قضیہ طبعیہ
  - محکوم علیہ افراد
    - محکوم علیہ افراد متعین / کلاً یا بعضا — قضیہ محصورہ
    - محکوم علیہ افراد غیر متعین — قضیہ مہملہ
- محکوم علیہ جزئی — قضیہ مخصوصہ / شخصیہ

---

[۱] موضوع کی حالتوں کے اعتبار سے۔ ۱۲
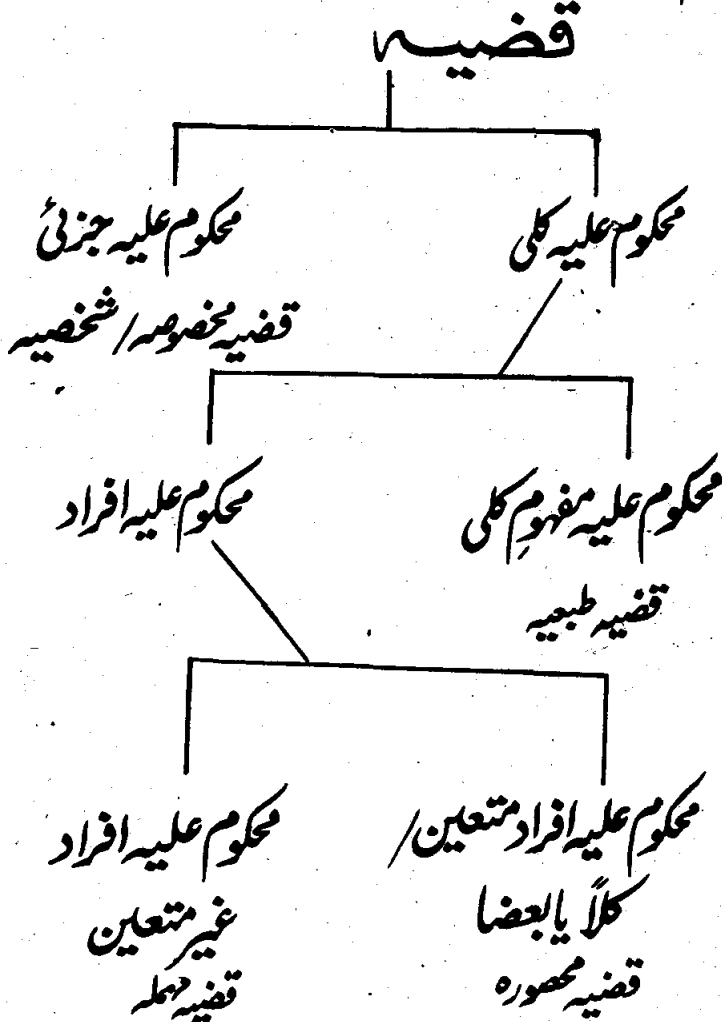
قضیہ مخصوصہ یا شخصیہ : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع شخص معین ہو[1]۔ جیسے زید کھڑا ہے اس کا موضوع زید ہے اور وہ شخص معین ہے۔

اس کی مثالیں : محمد رسول اللّٰہ، ما انت الا بشر مثلنا، ان نحن الا بشر مثلکم

فائدہ : یہ ضروری نہیں کہ قضیہ مخصوصہ کا محکوم علیہ ایک فرد متعین ہو بلکہ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں مگر متعین ہوں جیسے اوپر تیسری مثال میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے والسماء بنیناھا باید وانا لموسعون

اس کے اندر اگرچہ ضمیر جمع کی ہے مگر ذات باری تعالیٰ ہی مراد ہے۔ یہ بھی قضیہ شخصیہ ہے۔

شاگرد : استاد جی ارشاد باری تعالیٰ ہے وما ھم بمؤمنین (منافقین کے بارہ میں) اولئک علی ھدی من ربھم (مومنین کے بارے میں) ان کو قضیہ شخصیہ کہیں یا نہیں؟

استاد : ان کا مرجع اور مشار الیہ اگر متعین ہے تو شخصیہ ہے ورنہ نہیں منافق اور مومن خود کلی ہیں، خاص افراد مراد نہیں لہٰذا یہ شخصیہ نہ ہوں گے اس کے برخلاف قالوا واقبلوا علیھم ماذا تفقدون اس کے اندر اخوان یوسف علیہ السلام مراد ہیں لہٰذا یہ شخصیہ ہے (واللہ اعلم)

اس قسم کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ ہم قضیہ میں موجود حکم کو محکوم علیہ سے سلب نہ کریں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولما تبین لہ انہ عدو للّٰہ تبرا منہ "پھر جب ان پر بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن تھا تو اس سے بیزار ہو گئے" اس کے اندر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے باپ کو عدو اللہ فرمایا ہے۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ یوں کہہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کا باپ مومن تھا اور یہ فرمان ان کے چچا کے لیے ہے۔

قضیہ طبعیہ : وہ قضیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم اس کا کلی کے مفہوم[2] پر ہو افراد پر نہ ہو جیسے انسان نوع ہے، اس میں نوع ہونے کا حکم انسان کے مفہوم کے لیے ہے انسان کے افراد کے لیے نہیں[3]۔

---

[1] یعنی جزئی۔ ۱۲

[2] مراد مفہوم سے نفس حقیقت ہے۔ ۱۲ شف [3] کیونکہ افراد نوع نہیں ہیں بلکہ مفہوم ہی نوع ہے اور یہ تو موجبہ ہے اور سالبہ کی مثال انسان جنس نہیں ہے۔ ۱۲

اس کی علامت یہ ہے کہ محمول کو موضوع کے افراد کے لیے ثابت نہیں کر سکتے جیسے انسان کے افراد زید' عمر' بکر کو کلی نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی نوع کہہ سکتے ہیں اسی طرح الانسان کلی' الانسان لیس بجنس' الناطق فصل یہ سب قضایا طبعیہ ہیں۔

قضیہ طبعیہ کی ایک اور مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے

انا عرضنا الامانة علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا ○ "ہم نے امانت آسمان' زمین اور پہاڑوں پر پیش کی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل ہے"

پہلے قضیہ کا موضوع ضمیر متکلم ہے۔ یہ قضیہ شخصیہ ہے۔ لیکن سموات' ارض' جبال اور انسان سے ان کی طبائع مراد ہیں اس لیے فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان یہ قضایا طبعیہ ہیں۔ حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۲۵۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

"اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے۔ چونکہ ان میں عہدہ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہ تھی لہٰذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہاں پر ابی یا انکار کا معنی بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کا طبعی انکار مراد ہے ...... ان اشیاء کے برخلاف انسان میں استعداد اور صلاحیت موجود تھی۔"
(معالم العرفان ج ۱۴' ص ۳۸۴' ۳۸۵)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام غزالی اور امام بیضاوی کی اس تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۹)

ان الشرک لظلم عظیم' الدین النصیحة بھی قضایا طبعیہ معلوم ہوتے ہیں۔

قضیہ محصورہ [۱]: وہ قضیہ ہے کہ موضوع اس کا کلی ہو اور حکم اس کا کلی

---

[۱] اس کو مسورہ بھی کہتے ہیں اور جس حرف سے افراد کے کل یا بعض ہونے کی مقدار بیان کی جائے' اس کو سور کہتے ہیں۔۱۲

کے افراد پر ہو اور یہ بھی اس میں بیان کیا جاوے کہ حکم اس کلی کے ہر ہر فرد پر ہے یا بعض افراد پر جیسے ہر انسان جاندار ہے دیکھئے اس میں موضوع کلی یعنی انسان ہے اور حکم جاندار ہونے کا اس کے ہر ہر فرد پر ہے۔ ا

قضیہ محصورہ کی چار قسمیں ہیں اور ان کو محصورات اربع کہتے ہیں۔

موجبہ کلیہ' موجبہ جزئیہ' سالبہ کلیہ' سالبہ جزئیہ

محصورہ کی نشانی یہ ہے اس کے اندر ایسا لفظ ہوتا ہے جو کل یا بعض افراد پر دلالت کرتا ہے اصطلاح میں اس کو سور کہتے ہیں حصر کے معنی حد بندی کے ہوتے ہیں چونکہ اس مین افراد کی حد بندی ہوتی ہے لہٰذا اس کو محصورہ کہتے ہیں

فائدہ : قضیہ محصورہ' مہملہ وغیرہ میں محکوم علیہ یعنی موضوع کا اعتبار ہے۔ مفعول بہ' مجرور وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ ارشاد باری ہے

قالوا ما انزل اللّٰه علی بشر من شیٔ تو کفار کے قول میں دو جگہ سلب کلی یا عموم سلب ہے' بشر اور شی میں۔ لیکن قضیہ شخصیہ ہے محصورہ نہیں ہے۔

کفار کے اس سلب کلی کے رد میں ایجاب جزئی ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے

قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی

علامہ تفتازانیؒ اس مناسبت سے تحریر فرماتے ہیں

وانما قال (المصنف) الایجاب والسلب دون الموجبۃ والسالبۃ لان الکلیۃ والبعضیۃ ھنا لیست فی جانب المحکوم علیہ بل فی متعلقات الحکم (التلویح علی التوضیح ج ۱ ص ۵۵ طبع بیروت) "مصنف نے ایجاب وسلب کہا' موجبہ اور سالبہ نہ کہا کیونکہ اس جگہ کلیت اور بعضیت محکوم علیہ کی جانب میں نہیں بلکہ حکم کے متعلقات میں ہے"

موجبہ کلیہ : وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان کیا جاوے کہ موضوع کے ہر ہر فرد کے لیے محمول ثابت ہے جیسے ہر انسان جاندار ہے

ا۔ یہ تو موجبہ ہے اور سالبہ یہ کہ کوئی انسان پتھر نہیں۔ ۱۲ ج

اگر لفظ کل معرفہ پر لگ جائے تو بھی موجبہ کلیہ ہو گا جیسے لکل فرعون موسیٰ' مراد ہے لکل مبطل محق موجبہ کلیہ کا سور کل اور لام استغراق ہے۔ لام استغراق کی مثال الحمد للہ یعنی کل حمد للہ کل کی مثال کل مسلم یؤمن باللہ ورسولہ والیوم الآخر

فائدہ: الحمد للہ کا الف لام اگر جنسی ہو تو استغراق پر دلالت التزامی ہوگی کیونکہ جنس کی صورت میں ترجمہ یوں ہے "جسے تعریف کہتے ہیں' وہ اللہ کے لیے ہے" لہٰذا ہر ہر تعریف اس کے لیے ثابت ہوئی اور قضیہ طبعیہ ہوگا اور اگر الف لام عہد خارجی ہو تو قضیہ شخصیہ ہوگا اور جب کسی قضیہ میں موضوع پر الف لام عہد ذہنی ہو وہ قضیہ مہملہ بنتا ہے۔

لفظ کل کبھی مجموعہ افراد کے لیے ہوتا ہے جیسے کل انسان لا یسعہ ھذا الدار (سب انسانوں کو یہ گھر نہیں سماتا) اور کبھی لفظ کل ایک ایک فرد کے لیے ہوتا ہے جیسے کل طالب حاضر۔ قضیہ محصورہ کے لیے یہ کل افرادی استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ: لفظ کل بغیر اضافت استعمال نہیں ہوتا اس کا مضاف الیہ اگر حذف کیا جائے تو عوض میں تنوین لاتے ہیں جیسے کلٌ اٰمن باللہ اس کا مفہوم ہے کلھم اٰمن باللہ پھر کل کا مضاف الیہ عموماً" موصوف ہوتا ہے اور اس کی صفت مذکور یا محذوف ہوتی ہے اس کے بعد یہ یاد رکھو کہ لفظ کل ہمیشہ موجبہ کلیہ کا معنی نہیں دیتا بلکہ کبھی کثیر کے معنی میں بھی آتا ہے موجبہ کلیہ کے کے لیے تب ہوتا ہے جب اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہو۔

اب ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤولا "تحقیق کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی"

اس کے اندر مضاف الیہ ذکر ہے اور وہ غیر موصوف ہے۔

کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ "جیسے حالت ایک دانے کی جو اگائے سات بالیں' ہر بالی میں سو دانے"

اس میں مضاف الیہ کی صفت محذوف ہے۔ تقدیر یوں ہے کل سنبلۃ من ھذہ السنابل یا من سبع سنابل

لا الہ الا ھو خالق کل شیٔ

اس میں کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے اور وہ غیر موصوف ہے۔

کل شئ فعلوہ فی الزبر "جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں سب اعمال ناموں میں ہے"
اس میں کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے' اس نکرہ کی صفت جملہ ہے۔

لکل امری منھم یومئذ شان یغنیہ "ان میں سے ہر ایک کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا"

اس میں مضاف الیہ کی صفت جار مجرور ہے۔

وھبنا لہ اسحق ویعقوب وکلا جعلنا نبیا ○ "ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا"

تقدیر عبارت یوں ہے وکل واحد منھما اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ موصوف صفت ہے۔

یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شئ "اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں"

اس کے اندر کل کثیر کا معنی دیتا ہے۔

انی وجدت امراۃ تملکھم واوتیت من کل شئ "میں نے ایک عورت کو پایا ان پر حکمرانی کرتے ہوئے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے"

اس کے اندر بھی لفظ کل کثرت کے لیے ہے۔

شاگرد: استاد جی ارشاد باری تعالیٰ ہے لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا "تم میں سے ہر ایک کو دیا ہم نے ایک دستور اور راہ"

اس کے اندر منکم جار مجرور کل کی صفت ہے' مضاف الیہ نہ مذکور ہے نہ مقدر۔

استاد: اس کا مضاف الیہ مقدر ہے تقدیر یوں ہے لکل امۃ کائنۃ منکم (انظر حاشیہ الجمل علی الجلالین ج ۱' ص ۴۹۷)

شاگرد: استاد جی لا الہ الا ھو خالق کل شئ کے اندر ہر ہر چیز مراد ہے یا بعض اشیاء؟

استاد: اس کے اندر کائنات کی ہر ہر چیز آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے۔

شاگرد: ارشاد باری ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ "اور ہم نے

آپ پر قرآن اتارا کہ ہر بات کو بیان کرنے والا ہے" نیز فرمایا ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شیٔ "یہ قرآن کوئی تراشی ہوئی بات تو نہیں لیکن تصدیق اس کلام کی جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہر چیز کی"

ان مقامات کے اندر بھی کل شیٔ کا لفظ اسی طرح موجود ہے جس طرح خالق کل شیٔ میں ہے۔

استاد: یہ بات ہم سمجھا چکے ہیں کہ لفظ کل ہر وقت موجبہ کلیہ کے لیے نص قطعی نہیں ہے بلکہ عموماً" کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے مثالیں گزر چکی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی بیان ہو چکا کہ لفظ کل کے مضاف الیہ کی صفت کبھی محذوف ہوتی ہے جیسے فی کل سنبلة مائة حبة کی تقدیر ہے فی کل سنبلة من هذه السنابل اس طرح یہاں کل شیٔ میں شیٔ موصوف ہے اس کی صفت محذوف ہے۔ علامہ بغویؒ لکھتے ہیں تبیانا لکل شیٔ يُحْتَاجُ اِلَيْهِ من الامر والنهی والحلال والحرام والحدود والاحكام (معالم التنزیل بر ہامش خازن ج ۴، ص ۱۱۰) تو جملہ يُحْتَاجُ اِلَيْهِ صفت ہے اور من بیانیہ سے اس کی مزید وضاحت ہے۔

علامہ ابوالبرکات نسفی حنفیؒ لکھتے ہیں۔

تبیانا لکل شیٔ من امور الدین (مدارک ج ۳ ص ۱۳۱ بر ہامش خازن) مزید حوالہ جات کے لیے ازالتہ الریب ص ۴۶۴ سے ۴۸۵ تک مطالعہ فرمائیں۔

شاگرد: استاد جی پھر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہمیں قرآن کریم سے دین کے کل مسائل بھی معلوم نہیں ہوتے۔

استاد: اس سوال کا جواب علامہ نسفی یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

اما فی الاحكام المنصوصة فظاهر وكذا فی ما ثبت بالسنة او بالاجماع او بقول الصحابی او بالقياس لان مرجع الكل الی الكتاب حيث اَمَرَنَا فيه باتباع رسوله وطاعته بقوله اطيعوا الله واطيعوا الرسول وحَثَّنَا علی الاجماع فيه بقوله "ويتبع غير سبيل المؤمنين" وقد رضی رسول الله صلی الله عليه وسلم لامته باتباع اصحابه بقوله "اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهديتم" وقد اجتهدوا وقاسوا ووَطَّأُوا طرق الاجتهاد والقياس مع انه امرنا به بقوله "فاعتبروا يا اولی

الابصار" فکانت السنة والاجماع وقول الصحابی والقیاس مستندة الی تبیان الکتاب فتبین انه کان تبیانا لکل شیٔ (تفسیر مدارک ج ۴' ص ۱۳۱ بر ہامش خازن)

دوسری جگہ فرماتے ہیں

وتفصیل کل شیٔ یحتاج الیه فی الدنیا لانه القانون الذی تستند الیه السنة والاجماع والقیاس (مدارک ج ۴' ص ۴۸)

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے اندر منصوص یا اصولی طور پر دین کی ہر چیز موجود ہے اور اجماع اور قیاس کی حجیت بھی قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔ اب غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ہر ہر مسئلہ کا جواب صرف قرآن و حدیث سے ہونا ضروری ہے' اگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ منصوص طور پر یا اصولی طور پر قرآن وحدیث سے ثابت ہو تو فقہ اسلامی کا ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے منصوص یا اصولی طور پر ثابت ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ اجماع اور قیاس کی حجیت بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اگر اس کا مفہوم یہ ہو کہ ہر مسئلہ کا جواب منصوص طور پر (صراحتہ") قرآن و حدیث سے ضروری ہے تو یہ بات سراسر غلط ہے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا جواب قرآن و حدیث میں منصوص نہیں ہے۔

فائدہ: کلمہ مَا اور مَنْ اگرچہ عموم کے لیے بھی استعمال ہو جاتے ہیں مگر کلیہ کے لیے ہمیشہ نص نہیں بلکہ عموماً" قضیہ مہملہ کے لیے آتے ہیں جیسے ویستغفرون لمن فی الارض "فرشتے زمین پر بسنے والوں کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔" مراد صرف اہل ایمان ہیں کفار نہیں۔ دوسری جگہ ہے ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض "کیا تم نڈر ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں۔" آسمانوں پر فرشتے' ارواح انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جسد عنصری کے ساتھ موجود ہیں مگر یہاں من فی السماء سے صرف اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ نیز فرمایا علم الانسان مالم یعلم "اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔" ما برائے عموم کی مثال قولہ تعالیٰ علمت نفس ما احضرت مراد ہے علمت کل نفس (انظر تفسیر الجلالین)

لہذا غیر مقلدین حضرات کا یہ کہنا کہ لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب میں لفظ من سے ہر ہر نمازی منفرد' امام' مقتدی قطعی طور پر مراد ہے' درست نہیں ہے۔ مزید

تفصیل تناقض کی بحث میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح بریلوی حضرات کا علمک ما لم تکن تعلم میں لفظ ما سے علم غیب کلی پر استدلال قطعاً باطل ہے۔ (مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو ازالہ الریب ص ۵۰۲ تا ۵۰۷ اور احسن الکلام ج ۲ ص ۱۸ تا ۲۶)

[موجبہ جزئیہ : وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان ہو کہ موضوع کے بعض افراد کے لیے محمول ثابت ہے جیسے بعض جاندار انسان ہیں۔]

موجبہ جزئیہ کے کے لیے مندرجہ ذیل طرق ہیں۔

(۱) لفظ بعض یا واحد یا قلیل، کثیر یا اکثر ذکر کریں جیسے واحد من الجسم حیوان ارشاد باری تعالیٰ ہے ان بعض الظن اثم نیز ارشاد ہے وقلیل من عبادی الشکور نیز فرمایا وکثیر منھم فاسقون نیز فرمایا ولکن اکثر الناس لا یعلمون نیز فرمایا وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین

ارشاد باری تعالیٰ ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض قضیہ شرطیہ متصلہ ہے۔ اس کے مقدم میں لفظ بعض موجود ہے مگر یہ قضیہ موجبہ جزئیہ نہ کہلائے گا کیونکہ یہاں جزئیت موضوع کی جانب نہیں بلکہ اس کے متعلقات میں ہے۔

(۲) من تبعیضیہ کے ذکر کرنے سے جیسے ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین

اس مقام پر چند ابحاث ہیں۔

بحث اول : کلمہ مِنْ ہمیشہ تبعیض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ۱۴ دوسرے معانی بھی مغنی اللبیب (ج ۱، ص ۳۱۸ تا ص ۳۲۵) میں مندرج ہیں۔ ہمیں یہاں صرف دو معانی ذکر کرنے ضروری ہیں

(۱) عموم یا تاکید عموم کے لیے جیسے ما جاءنی من احد، ما جاءنی من رجل ان کے اندر من زائدہ ہے اور مقصد عموم یا تاکید عموم ہے نہ کہ تبعیض۔

(۲) من بیانیہ یعنی کبھی ما قبل کے بیان کے لیے صرف من کو لایا جاتا ہے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان "پس تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو"

اس کے بعد علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

وفی کتاب المصاحف لا بن الانباری ان بعض الزنادقة تمسک بقولہ تعالیٰ

(وعد الله الذین امنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة) فی الطعن علی بعض الصحابة والحق ان من فیها للتبیین لا للتبعیض ای الذین آمنوا هم هؤلاء ومثل (الذین استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقو اجر عظیم) و کلهم محسن ومتق "وان لم ینتهوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منهم عذاب الیم" فالمقول فیهم ذلک کلهم کفار (ج ۱ ص ۳۱۹)

"ابن انباریؒ کی کتاب المصاحف میں ہے کہ بعض زندیقوں نے اللہ تعالیٰ کے قول وعد الله الذین آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة "وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان مسلمانوں میں سے مغفرت کا" سے بعض صحابہ پر تنقید وطعن کے بارہ میں دلیل پکڑی ہے (کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ مغفرت صرف ان صحابہ کے لیے ہے جو اہل ایمان تھے کیونکہ منھم میں من تبعیضیہ ہے جس سے مفہوم مخالف کے طور پر معلوم ہوا کہ بعض صحابہ منافق تھے معاذ اللہ تعالیٰ۔ ابن الانباریؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں) اور حق یہ ہے کہ من یہاں بیانیہ ہے تبعیضیہ نہیں ہے معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے یعنی انہی صحابہ سے (اس کے بعد ابن الانباریؒ نے دو آیات بطور استدلال کے ذکر کی ہیں۔

پہلی آیت ہے الذین استجابوا لله الآیۃ "جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں' ان کے لیے ثواب عظیم ہے"

دوسری آیت یہ ہے وان لم ینتهوا الآیۃ "اور اگر یہ لوگ باز نہ آئے اس چیز سے جو کہتے ہیں البتہ پہنچے گا کافروں کو ان میں سے عذاب دکھ دینے والا"

ان دونوں آیتوں میں من سے ماقبل اور مابعد ایک ہی قسم کے لوگ ہیں۔ پہلی آیت میں مِنْ کے بعد محسن اور متقی لوگوں کا ذکر ہے اور مِنْ سے ماقبل بھی وہی لوگ ہیں۔ دوسری آیت میں مِنْ سے ماقبل اور مابعد دونوں جگہ کفار کا ذکر ہے تو مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ اس طرح سورۃ الفتح کی آیت وعد الله الذین آمنوا الخ کے اندر من بیانیہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرة "تحقیق اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جس وقت وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے"

نیز فرمایا بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمومنون الی اھلیھم ابدا "بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور ایمان والے اپنے گھر والوں کی طرف کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے" اور یہ آیات بھی سورۃ فتح کی ہیں۔

بحث دوم: کبھی قضیہ جزئیہ بول کر صرف ایک شخص مراد ہوتا ہے جیسے

ومنھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی "اور ان میں سے بعض کہتے ہیں مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے"

یہ آیت جد بن قیس منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بحث سوم: جب بعض افراد کے لیے محمول ثابت ہو تو یہ ضروری نہیں کہ دوسرے بعض سے اس کی نفی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہر فرد کے لیے ثبوت ہو لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے بعض کا ذکر کر دیا اور بعض سے سکوت کر لیا۔ جیسے اہل منطق کہتے ہیں کل انسان ناطق کا عکس ہے بعض انسان ناطق حالانکہ منطق کہتے ہیں کل انسان ناطق

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا انہ کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا "وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول نبی تھے" نیز فرمایا کان صدیقا نبیا "وہ صدیق تھے نبی تھے"

اس سے یہ مراد لینا سراسر ضلالت ہے کہ دیگر انبیاء میں یہ صفات نہ تھیں معاذ اللہ تعالیٰ

اسی طرح شیعہ کا حضرت علیؓ کی فضیلت ومنقبت والی احادیث بیان کر کے دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن کرنا عقل کے خلاف ہے۔ مثلا حدیث مسلم ہے بروایۃ زر بن حبیش قال علی رضی اللہ عنہ والذی خلق الحبۃ وبرا النسمۃ انہ لعھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان لا یحبنی الا مؤمن ولا یبغضنی الا منافق (مشکوۃ ج ۳ ص ۱۷۱۹)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور ذی روح کو پیدا کیا بے شک مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی کہ نہیں دوست رکھے گا مجھ کو مگر مومن اور نہیں دشمن رکھے گا مجھ کو مگر منافق"

دوسری روایت یہ ہے کہ خیبر کے دن آپ نے فرمایا لاعطین ھذہ الرایۃ غدا رجلا یفتح اللہ علی یدہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ (مشکوۃ ج ۳ ص ۱۷۱۹)
"میں جھنڈا کل ایک ایسے آدمی کو دوں گا جس کے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں"

دوسرے دن آپ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ یہ نہایت بے عقلی کی بات ہے کہ ان روایات سے دوسرے حضرات پر طعن رکھا جائے اور یہ معنی کیا جائے کہ حضرت علیؓ سے خدا و رسولؐ کو محبت تھی، کسی دوسرے سے نہ تھی کیونکہ دوسروں کی نفی کا ذکر کہاں؟ اور اگر یہ مان لیا جائے تو پھر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے محبت ہوئی، آپ کے علاوہ کسی سے محبت نہ ہوئی تو یہ شیعہ خود اپنے قول کے مطابق بھی خدا و رسولؐ کی محبت سے محروم ہوئے۔

فائدہ: نکرہ تحت الاثبات عموماً" تبعیض کا فائدہ دیتا ہے جیسے وجوہ یومئذ ناعمۃ "کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہیں" یہ موجبہ جزئیہ ہے۔ البتہ کبھی کبھی تعمیم کے لیے بھی آتا ہے جیسے علمت نفس ما قدمت واخرت "جان لے گا ہر جی جو کچھ کہ آگے بھیجا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا" معنی ہے علمت کل نفس لہٰذا یہ موجبہ کلیہ ہے۔

سالبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ ظاہر کیا جاوے کہ محمول موضوع کے ہر ہر فرد سے نفی کیا گیا ہے جیسے کوئی انسان پتھر نہیں۔

سالبہ کلیہ لانے کا طریق یہ ہے کہ شروع میں لا شیٔ یا لا واحد لایا جائے یا نکرہ تحت النفی ہو جیسے لا شیٔ من الحمار بانسان لا نفی جنس کی مثال لا نبی بعدی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا نزول اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ گزشتہ انبیاء میں سے ہیں دوسری مثال لا لغو فیھا ولا تاثیم نیز فرمایا لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ نکرہ تحت النفی کی مثال واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منھا شفاعۃ ولا یوخذ منھا عدل "اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو کچھ نفع نہ دے سکے گا اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی فدیہ لیا جائے گا"

دوسری جگہ فرمایا: واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة (بقرہ ۱۲۳) "اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی"

فائدہ: کبھی نفی بطور سلبہ کلیہ کے ہوتی ہے جبکہ غرض نفی کمال ہوتی ہے جیسے لا دین لمن لا عهد له اسی طرح لا صلاة لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب کے اندر لا نفی کمال کے لیے ہے نفی ذات کے لیے نہیں ہے۔ نیز من بھی عموم کے لیے نہیں ہے۔

شاگرد: استاد جی غیر مقلد کہتے ہیں کہ جو لا 'لا نبی بعدی کے اندر ہے' وہ لا صلاة کے اندر بھی ہے۔ فرق کیا ہے؟

استاد: اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اجماعی ہے بلکہ ضروریات دین سے ہے اس کا منکر پکا کافر ہے جبکہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ نیز ختم نبوت کا ثبوت نصوص قطعیہ غیر متعارضہ سے ہے جبکہ فاتحہ خلف الامام کے لیے جو نصوص پیش کی جاتی ہیں وہ نہ تو قطعی ہیں نہ غیر متعارض بلکہ امام کے پیچھے خاموش رہنے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

مزید تفصیل ان شاء اللہ بحث تناقض میں آئے گی۔

شاگرد: استاد جی ارشاد باری تعالیٰ ہے

ما فرطنا فی الکتاب من شیء "ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی"

یہاں نکرہ تحت النفی ہے اس سے بعض لوگ علم غیب پر استدلال کرتے ہیں۔

استاد: یہاں اگرچہ نکرہ تحت النفی واقع ہے مگر یہ نکرہ مطلقہ نہیں بلکہ نکرہ موصوفہ ہے۔

علامہ ابو السعود حنفی لکھتے ہیں کہ

ای ما ترکنا فی القرآن شیئا من الاشیاء المهمة (تفسیر ابی السعود ج ۳ ص ۱۳۱) "ہم نے قرآن کریم میں اشیاء مہمہ میں سے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا بیان ہم نے نہ کر دیا ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ شیءکی صفت محذوف ہے۔ قرآن پاک میں ضروری اشیاء

سب بیان کردی گئی ہیں اور اس سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا کما لا یخفی
اس کی تائید امام رازی کے قول سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں

"ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ" یجب ان یکون مخصوصا ببیان الاشیاء التی یجب معرفتها (تفسیر کبیر ج ۱۲' ص ۲۱۵ بحوالہ ازالتہ الریب ص ۳۸۱)

ما فرطنا فی الکتاب من شی میں جو شے کا لفظ ہے' وہ عام نہیں بلکہ اس کا ان اشیاء کے ساتھ خاص کردینا واجب ہے جن کی معرفت اور علم لابدی اور ضروری ہے۔

شاگرد: استاد جی مندرجہ ذیل قضایا محصورہ کی کس نوع میں داخل ہیں لا الہ الا اللہ' وان منکم الا واردها' ان کل نفس لما علیها حافظ' وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقها' فسجد الملائکۃ کلهم اجمعون الا ابلیس' هل من خالق غیر اللہ' لو کان فیهما آلهۃ الا اللہ لفسدتا' جاء کل طالب الا خالدا' ان انتم الا مفترون' ولا یغفر الذنوب الا انت

استاد: ایک مثال هل من خالق غیر اللہ تو قضیہ نہیں کیونکہ استفہام ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ اس کا معنی ہے لا خالق غیر اللہ تو پھر یہ سالبہ کلیہ ہے۔

لو کان فیهما الهۃ الا اللہ لفسدتا قضیہ شرطیہ ہے اور ہم حملیہ کی بحث کر رہے ہیں البتہ اس کا مقدم قضیہ حملیہ ہے اگر "الا اللہ" کو قید مانا جائے تو مقید قید مل کر موضوع ہوگا اور قضیہ مہملہ ہوگا۔ اور اگر الا اللہ سے الگ قضیہ مانا جائے تو وہ قضیہ شخصیہ بنے گا۔

بقیہ مثالوں میں بعض کے اندر محمول بعد الا مستثنیٰ مفرغ ہے اس وقت قضیہ کی دو حیثیتیں ہیں: لفظی' معنوی۔ اگر لفظ کا لحاظ کریں تو اداۃ استثناء مستثنیٰ سے مل کر محمول بنتا ہے اور قضیہ سالبہ ہے اور اگر معنی کا لحاظ کریں تو قضیہ موجبہ بن سکتا ہے مثلا ان منکم الا واردها' ان کل نفس لما علیها حافظ' وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقها' لا الہ الا اللہ کے اندر محمول میں حرف استثناء داخل ہو تو سالبہ کلیہ ہے اور اگر معنی کا لحاظ کریں تو پہلے تین قضایا موجبہ کلیہ ہوں گے معنی ہے کلکم واردها چوتھا قضیہ لا الہ الا اللہ میں معنی کا لحاظ کریں تو دو قضایا ہوں گے۔ ۱۔ لا الہ غیر اللہ ۲۔ اللہ الہ اول سالبہ کلیہ ثانی شخصیہ ہے۔ ان انتم الا مفترون کے اندر اگر خاص لوگوں کو خطاب ہے تو شخصیہ ہے اور اگر نوع کا بیان ہے تو مہملہ۔ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایک ایک قضیہ بنایا

جائے بالخصوص ہ لا ہ لا سہ کو سالبہ کلیہ مانا جائے اور لا مہ و محمول کہا جائے اور کوئی لفظ محذوف نہ نکالا جائے واللہ اعلم

بعض مثالوں میں موضوع الا کے بعد مستثنیٰ مفرغ ہے جیسے ولا یغفر الذنوب الا انت اگر مرکب تقییدی موضوع ہو تو معنی یہ ہے لا یغفر الذنوب غیرک یا احد غیرک اس میں نکرہ تحت النفی ہے لہٰذا سالبہ کلیہ ہے۔ اس قضیہ کا لازم معنی ہے تغفر الذنوب انت فقط اور یہ قضیہ شخصیہ ہے۔ اس طرح جاء کل طالب الا خالدا موجبہ کلیہ ہوگا اور اگر معنی کا لحاظ کریں تو موجبہ جزئیہ ہے۔

لیکن مستثنیٰ منقطع کی صورت میں اگر مقید اور قید کو ملا کر موضوع بنائیں تو فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس موجبہ کلیہ ہو گا۔

اور اگر الا ابلیس کو بمنزلہ قضیہ مستقلہ مان لیں یعنی ابلیس ما سجد تو اس میں دو قضایا ہوں گے پہلا قضیہ موجبہ کلیہ ثانی قضیہ شخصیہ۔

سالبہ جزئیہ وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں یہ بیان ہو کہ محمول موضوع کے بعض افراد سے سلب کیا گیا ہے جیسے بعض جاندار انسان نہیں۔

محمول کا موضوع کے بعض افراد سے سلب دو طرح ہوتا ہے۔

۱۔ بعض سے سلب ہو اور مفہوم مخالف کے طور پر دوسرے بعض کے لیے ثبوت ہو جیسے بعض جاندار انسان نہیں۔ اور مفہوم مخالف صادق ہے یعنی بعض جاندار انسان ہیں۔

۲۔ بعض سے سلب ہو اور مفہوم مخالف بھی کاذب ہو یعنی سلب تو ہر ہر فرد سے ہے مگر تصریح صرف بعض افراد کے لیے کر دی جیسے بعض الانسان لیس بحجر یا لیس بعض الانسان بحجر

سالبہ جزئیہ کے شروع لیس بعض یا بعض لیس وغیرہ یا کل لیس یا لیس کل وغیرہ ہوتا ہے جیسے لیس بعض الحیوان بانسان' بعض الحیوان لیس بانسان' وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض' ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ

فائدہ: لفظ نفی کے بعد کل وغیرہ ہو اس کے بعد الا وغیرہ ہو تو سلب کلی ہوتا ہے جیسے ان کل من فی السموات والارض الا آتی الرحمن عبدا' ان منکم الا واردھا' اس کی تقدیر ہے وان منکم احد الا واردھا' وان من قریۃ الا خلا فیھا نذیر ـــــ

فائدہ : بعض کتب میں سلب عموم وعموم سلب کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں سلب عموم کا معنی یہ ہے کہ قضیہ کلیہ پر لفظ سلب لگا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کلیہ نہ رہا جیسے ما کل انسان بمسلم یعنی قضیہ سالبہ جزئیہ ہے اور عموم سلب کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ہر ہر فرد سے محمول کا سلب ہے جیسے لا شئ من الانسان بحجر یعنی قضیہ سالبہ کلیہ کے لیے عموم سلب کا لفظ اور قضیہ سالبہ جزئیہ کے لیے سلب عموم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

قضیہ مہملہ وہ قضیہ ہے کہ محمول موضوع کے افراد کے لیے ثابت ہے ۱۔ اور یہ نہ بیان کیا جاوے کہ ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہے ۲۔ یا بعض کے لیے جیسے انسان جاندار ہے۔ ۳۔

قضیہ مہملہ میں افراد کا ذکر نہیں ہوتا حکم افراد پر ہوتا ہے۔ بسا اوقات مبالغہ پیدا کرنے کے لیے افراد کا ذکر ترک کر دیا جاتا ہے تو سامع عموم سمجھتا ہے جبکہ مراد بعض افراد ہوتے ہیں مثلاً بعض دواؤں پر لکھتے ہیں لکڑ ہضم پتھر ہضم۔ اگر ہر فرد مراد ہو تو کذب صریح ہے اور اگر بعض افراد مراد ہوں تو خالص صدق ہے کیونکہ نمک پتھر ہے اور دار چینی، ملٹھی وغیرہ لکڑ ہیں اور یہ چیزیں ہضم ہو جاتی ہیں۔ اور اصل مقصد یہ ہے کہ ہر غذا اس سے ہضم ہوتی ہے۔

قرآن کریم اور حدیث شریف کے بہت سے مقامات میں انسان پر حکم لگایا گیا ہے اور مراد خاص افراد ہیں وہاں بھی قضیہ مہملہ ہے جیسے فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن "سو آدمی کو جب اس کا رب آزماتا ہے تو اس کو اکرام وانعام دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے میری قدر بڑھا دی اور جب اللہ تعالی بندے کو آزماتا ہے تو اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے میری قدر گھٹا دی"

اور فرمایا ویقول الانسان ء اذا ما مت لسوف اخرج حیا ○ اولا یذکر الانسان أنا خلقناہ من قبل ولم یک شیئا "اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو زندہ نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اس کو پہلے پیدا کیا اور وہ کوئی چیز نہ تھا"

۱۔ یا منفی ہے جیسے انسان پتھر نہیں۔۱۲ ج ۲۔ یا منفی۔۱۲ ۳۔ اس میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ ہر ہر انسان یا کوئی کوئی۔۱۲

نیز فرمایا اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفة فاذا ھو خصیم مبین ○ "کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا سو وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا" (ان میں انسان کافر مراد ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے ویقول الکافر یا لیتنی کنت ترابا "اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا" اگرچہ مہملہ ہے مگر ہر کافر مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے یھرم ابن ادم ویشب منه اثنان الحرص علی المال والحرص علی العمر "ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے اور اس سے دو چیزیں جوان ہوتی ہیں' مال کی حرص اور عمر کی حرص" دوسری روایت میں ہے لا یزال قلب الکبیر شابا فی اثنین فی حب الدنیا و طول الامل "بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں میں جوان ہوتا ہے' دنیا کی محبت اور لمبی امید" نیز فرمایا لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغی ثالثا "اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری چاہے گا" ان احادیث میں ابن آدم' الکبیر سے افراد مراد ہیں مگر قضایا محصورہ نہیں مہملہ ہیں۔ ابن آدم سے مراد نوع انسانی ہے نہ کہ حضرت آدم کا کوئی خاص بیٹا اس لیے یہ قضیہ شخصیہ نہیں ہو گا۔

نکتہ: ارشاد باری ہے فمنھم من آمن و منھم من کفر اگر محمول مقدم مانا جائے تو قضیہ مہملہ ہے اور اگر من بہ معنی بعض کے موضوع مانا جائے (کیونکہ بعض نحوی اسے اسم مانتے ہیں انظر الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۵۴۰ وحاشیہ کشاف ج ۱ ص ۶۵ تحت قولہ تعالی فاخرج به من الثمرات رزقا لکم) تو پھر قضیہ موجبہ جزئیہ ہو گا اسی طرح ہے ومنھم من یومن به ومنھم من لا یومن به واللہ اعلم

فائدہ: سلم میں لکھا ہے کہ کبھی سور (کل یا بعض پر دلالت کرنے والا لفظ) محمول کی جانب ذکر کرتے ہیں اس وقت قضیہ کا نام منحرفہ رکھا جاتا ہے۔ راقم کے خیال میں اس کی مثال یہ ہے۔ وانا منا المسلمون و منا القاسطون نیز واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض

فائدہ: چونکہ قضیہ مہملہ میں حکم عموما" بعض افراد پر ہوتا ہے نہ کہ سب افراد پر اس کے لیے وہ آیات جن میں انسان کی برائی کا ذکر ہے جیسے وکان الانسان اکثر شیء جدلا "اور انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے" ان سے یہ استدلال کرنا کہ انسان برا ہے

لہٰذا انبیاء انسان نہیں ہو سکتے یہ استدلال باطل ہے کیونکہ یہ برائی چند افراد میں ہے نہ کہ کل میں ۔ بلکہ بسا اوقات ایک خاص فرد مراد ہوتا ہے و نحو ... الانسان ... خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین کے تحت تفسیر جلالین میں ہے اولم یر الانسان یعنی وھو العاصی بن وائل الخ واما الانسان اذا ما ابتلاہ الایۃ کی تفسیر میں ہے فاما الانسان الکافر اذا ما ابتلاہ اختبرہ الخ (انظر تفسیر الجلالین)

تدریب

سوال ۱ قضایا مندرجہ ذیل میں اقسام قضایا کی بتاؤ۔

عمرو مسجد میں ہے' حیوان جنس ہے' ہر گھوڑا ہنہناتا ہے' کوئی گدھا بے جان نہیں' بعض انسان لکھنے والے ہیں' بعض انسان ان پڑھ ہیں' ہر گھوڑا جسم والا ہے' کوئی پتھر انسان نہیں' ہر جاندار مرنے والا ہے' ہر متکبر ذلیل ہے' ہر متواضع[1] عزت والا ہے' ہر حریص خوار ہے۔[2]

سوال ۲ مندرجہ ذیل قضایا میں موضوع و محمول کو جدا جدا کریں نیز یہ بتائیں کہ قضیہ موجبہ ہے یا سالبہ۔

منھم من یؤمن بہ' ومنھم من لا یؤمن بہ' ان اللہ قد احاط بکل شئ علما' ان انتم الا بشر مثلنا' ان نحن الا بشر مثلکم' ھو اللہ احد' اللہ الصمد' ما ودعک ربک وما قلی' ان بعض الظن اثم

سوال ۳ مندرجہ ذیل قضایا کی ترکیب (تحلیل) منطقی کیجئے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم' ثم رددناہ اسفل سافلین' انا اعطیناک الکوثر' وما ھی الا ذکری للبشر' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سوال ۴ مندرجہ ذیل قضایا میں طبعیہ' محصورہ' مہملہ اور شخصیہ کو جدا جدا کریں

واضل فرعون قومہ وما ھدی' یقول ابن آدم مالی مالی' وما علمناہ الشعر

---

[1] عاجزی انکساری کرنے والا۔ ۱۲ [2] ہر لالچی ذلیل ہے۔ ۱۲ ج

وما ینبغی له' آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون' کل آمن بالله وملائکته' لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم' خلق الانسان من عجل' ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل' ما هذا بشرا' ان هذا الا ملک کریم

سوال ۵ لفظ کل کس قضیہ کا سور ہے لفظ کل کا استعمال کتنی طرح ہوتا ہے بمعہ مثال نیز یہ بتائیں کہ آیت ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ وغیرہ آیات سے اہل بدعت کس بات پر استدلال کرتے ہیں اور اس کا کیا جواب ہے۔

سوال ۶ مندرجہ ذیل قضایا محصورہ کی نوع متعین کریں۔

کل شئ هالک الا وجهه' کل من علیها فان' الا کلکم ضال الا من هدیته' بل اکثرهم لا یؤمنون' وان کثیرا من الناس عن آیاتنا لغافلون' انهن اضللن کثیرا من الناس (ضمیر کا مرجع الاصنام ہے)' ان کل ذلک لما متاع الحیاة الدنیا' ما کل طالب ناجحا' ان الامر کله لله' لا رجل فی الدار

سوال ۷ ان الانسان خلق هلوعا جیسی آیات سے انسان کی برائی ثابت کر کے بعض لوگ حضرات انبیاء کرام کی انسانیت کا انکار کرتے ہیں اس کا کیا جواب ہے۔

سوال ۸ لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اور لا نبی بعدی کے لا میں کیا فرق ہے بمعہ دلیل بیان کریں۔

سوال ۹ الحمد کے الف لام میں کتنے احتمال ہیں اور ہر صورت میں قضیہ کی نوع متعین کریں

سوال ۱۰ لفظ مَنْ' مَا' کُل ہمیشہ عموم کے لیے ہیں یا نہیں؟ بمع امثلہ ذکر کریں

سوال ۱۱ قالوا ما انزل الله علی بشر من شئ میں دو جگہ سلب کل ہے' وہ کون سی جگہیں ہیں؟ نیز یہ قضیہ کی کون سی قسم ہے؟

سوال ۱۲ قضیہ حملیہ کی تعریف کریں اور وجہ تسمیہ بتائیں

سوال ۱۳ کیا موضوع و محمول ہمیشہ مفرد ہی ہوں گے یا اور بھی کوئی احتمال ہے؟ بمع مثال بتائیں

سوال ۱۴ غیر مقلدین کے اس جملہ پر تبصرہ کریں کہ "ہر سوال کا جواب صرف قرآن وحدیث سے ضروری ہے"

سوال ۱۵ لفظ مَنْ کے چند معانی مع امثلہ ذکر کریں

سوال ۱۶ منهم من يقول ائذن لی کون سا قضیہ ہے؟ مع دلیل

سوال ۱۷ کبھی قضیہ کا کوئی جزو ذکر نہیں ہوتا، کبھی صرف ایک جزو ذکر ہوتا ہے، ان کی مثالیں دیں اور قضیہ کا نام بتائیں

سوال ۱۸ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت والی احادیث سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص پر استدلال کرنا کیسا ہے؟ مع دلیل

سوال ۱۹ علمک ما لم تکن تعلم سے بریلوی کس عقیدہ پر استدلال کرتے ہیں اور کس طرح؟ نیز اس کا جواب ارشاد فرمائیے

سوال ۲۰ لا صلاة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب سے غیر مقلد کس طرح فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اس کا جواب کیا ہے؟

مبحث الموجہات

اگرچہ یہ بحث کتاب میں نہیں ہے مگر کثرت فوائد کی وجہ سے اس کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ جاننا چاہیے کہ ہر قضیہ حملیہ میں محمول کے وصف کو موضوع کی ذات کے لیے ثابت کیا جاتا ہے یا اس سے منفی کیا جاتا ہے پھر یہ ثبوت یا نفی واقع اور نفس الامر میں جس کیفیت کے ساتھ پائی جائے' اس کو مادہ کہتے ہیں اور اگر اسے بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ ذکر کریں اس لفظ کو جہت کہتے ہیں۔ جس قضیہ میں وہ جہت مذکور ہو' اس کو موجہہ کہتے ہیں۔[۱]

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر جہت مادہ کے مطابق ہو تو قضیہ صادقہ ہو گا ورنہ کاذبہ جیسے اللہ ربنا بالضرورۃ اس قضیہ کے اندر ذات خداوندی موضوع ہے۔ وصف ربوبیت کو اس کے لیے ثابت کیا گیا یہ محمول ہے۔ یہ بات واقع میں ضروری ہے۔ یہ مادہ ہے اور قضیہ میں بھی اس کو بالضرورہ کہا گیا تو لفظ بالضرورۃ جہت ہے چونکہ جہت مادہ کے مطابق ہے اس کے لیے قضیہ صادقہ ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر قضیہ میں ایسی کیفیت ہوتی ہے مگر عام طور پر جہت کو لفظاً" ذکر نہیں کیا جاتا اس کے لیے کتب منطق میں ان کو پڑھ کر انسان متحیر ہو جاتا ہے ہم اپنی ترتیب سے اقسام موجہات ذکر کر کے قرآن پاک و حدیث شریف کی مثالوں سے ان کا اجراء کریں گے تو ان کی اجنبیت ان شاء اللہ دور ہو جائے گی۔

منطق کی جملہ کتابوں میں قضایا بسیطہ کو پہلے اور قضایا مرکبہ کو بعد میں لایا جاتا ہے مگر ہم نے طلبہ کی سہولت کے لیے ترتیب بدل دی ہے اور ہم اپنی ترتیب کے مطابق قدرے وضاحت کریں گے۔ دوسری ترتیب اور اس کی مثالیں عام کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت الاستاد صوفی عبدالحمید صاحب سواتی دامت برکاتہم تشریحات سواتی شرح ایساغوجی میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] موجهة باب تفعیل سے اسم مفعول ہے۔ منجد میں ہے: شَیْءٌ مُوَجَّهٌ: جُعِلَ عَلٰی جِهَةٍ وَاحِدَةٍ لَا یَخْتَلِفُ (ص ۸۹)

ہر قضیہ موجبہ یا سالبہ اس کی نسبت واقعہ میں متکیف ہو گی کسی نہ کسی کیفیت کے ساتھ۔ کیفیات چار ہیں یعنی وہ کیفیات جو فن میں معتبر ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں ورنہ کیفیات تو بہت ہیں۔ (۱) ضرورت' (۲) دوام' (۳) فعلیت' (۴) امکان (تشریحات سواتی ص ۱۰۶)

ضرورت کا معنی یہ ہوتا ہے کہ محمول کا ثبوت ذات موضوع کے لیے ضروری و لازمی ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔ ضرورت ذاتیہ' ضرورت وصفیہ' ضرورت وقتیہ۔

ضرورت ذاتیہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک موضوع کی ذات موجود ہے محمول کا ثبوت اس کے لیے ضروری ہے جیسے محمود انسان ہے تو جب تک محمود موجود ہے انسان ہونا اس کے لیے ضروری ہے۔ پھر اگر موضوع کی ذات ازلی ابدی ہو گی تو ضروری ہونا بھی ازلی ابدی ہو گا جیسے اللہ قدیر' ان اللہ علی کل شئ شہید ان میں ضرورت ازلی ہے منطقی اسلوب میں یوں کہیں گے اللہ قدیر بالضرورۃ' ان اللہ علی کل شئ شہید بالضرورۃ

ضرورت وصفیہ کا معنی یہ ہے کہ جب تک موضوع کی ذات وصف عنوانی سے موصوف ہے' محمول کا ثبوت ذات موضوع کے لیے ضروری ہے یعنی وصف عنوانی کو ضرورت کے پائے جانے میں دخل ہے گویا وصف عنوانی اس حکم کی علت ہے جیسے والکافرون ھم الظالمون (اور کافر لوگ وہی ہیں ظالم)

موضوع کی ذات یہاں ابو جہل' ابو لہب' قارون' ہامان وغیرہ بے شمار افراد ہیں۔ الکافرون ان کے لیے وصف عنوانی ہے اور کفر ہی ان کے ظالم ہونے کا سبب ہے۔ منطقی انداز میں اس کا مفہوم یوں ہو گا

والکافرون ھم الظالمون بالضرورۃ بسبب کفرھم او بشرط کفرھم

پھر ضرورت وصفیہ کا استعمال دو طرح ہوتا ہے (۱) یا بغیر قید کے' اس کا نام مشروطہ عامہ [۱] ہے۔ (۲) اس کے ساتھ لادوام ذاتی کی قید ہو یعنی جب تک ذات موضوع اس وصف

---

[۱] مشروطہ عامہ دو معنوں پر بولا جاتا ہے

۱۔ وصف عنوانی کا حکم کے ضروری ہونے میں دخل ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اکثر یہی پایا جاتا ہے۔

۲۔ جب تک موضوع کی ذات وصف عنوانی سے موصوف ہے' محمول کا ثبوت موضوع کی ذات کے =

سے موصوف ہے' یہ محمول اس کے لیے ثابت ہے لیکن اگر اس کا یہ وصف باقی نہ رہے تو محمول کا ثبوت ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی ذات کے ساتھ ساتھ دائمی نہیں ہے۔ اس قضیہ کو مشروطہ خاصہ کہتے ہیں۔

مشروطہ عامہ کی چند مثالیں : انما المومنون اخوۃ' المومن مالف' المومنون کرجل واحد' المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ' ان الذین کفروا ماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین

ان سب قضایا میں وصف عنوانی کا حکم میں دخل ہے۔ دیکھئے انما المومنون اخوۃ کا معنی یہ ہے انما المومنون اخوۃ ماداموا مومنین یا انما المومنون اخوۃ بشرط ایمانھم اسی طرح باقی قضایا ہیں۔

مشروطہ خاصہ کی مثالیں : نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے المحتکر ملعون (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۶۶۴) کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے المحتکر ملعون مادام محتکرا لا دائما ہاں اگر کوئی شخص ذخیرہ اندوزی سے توبہ نہ کرے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بہت زیادہ کھاتا تھا۔ وہ اسلام لایا تو تھوڑا کھانے لگا۔ نبی علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا ان المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء (بخاری بحوالہ مشکاۃ ج ۲ ص ۳۶۲) شان ورود کو دیکھ کر یہ معنی لیے جا سکتے ہیں والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء ما دام کافرا لا دائما یا یوں کہیں الکافر یاکل کثیرا لکفرہ

اوپر ذکر کردہ بعض قضیوں کو مشروطہ خاصہ کہنا ممکن ہے۔ ایک قضیہ یہ ہے انما المومنون اخوۃ دوسرا قضیہ یہ ہے المسلم من سلم السلمون من لسانہ ویدہ پہلے قضیہ

= لیے ضروری ہے۔ انوار العلوم شرح اردو سلم العلوم ص ۱۴۸ میں اس کی مثال یوں دیتے ہیں کل کاتب انسان بالضرورۃ ما دام کاتبا قرآن کریم سے اس کی مثال یہ بن سکتی ہے الا یعلم من خلق یہ استفہام انکاری ہے۔ اس سے یہ قضیہ مفہوم ہوتا ہے قد یعلم الخالق یا ان من خلق یعلم اس مفہوم کو منطقی ترتیب سے یوں ادا کر سکتے ہیں الخالق عالم بخلقہ بالضرورۃ ما دام خالقا اور اللہ تعالی کے لیے خالق ہونا ازلی ابدی طور پر ثابت ہے۔ ہاں اللہ کا عالم ہونا مستقل صفت ہے' وصف خلق کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

کا مفہوم یوں بن سکتا ہے المومنون اخوۃ ما داموا مومنین لا دائما کیونکہ اگر کوئی مومن العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو اخوت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے قضیہ کے ترتیب منطقی یوں ہو گی المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ما دام مسلما لا دائما نیز یوں بھی المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ما داموا مسلمین لا دائما ا۔ اسی طرح وما یستوی الاحیاء ولا الاموات

وصف عنوانی: محمول کا ثبوت ہمیشہ کسی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ کبھی اس کو بیان کرنے کے لیے ایسا لفظ لاتے ہیں جو عین ذات ہے مثلاً اس کا علم ذکر کریں یا اس کی نوع ذکر کریں مثلاً کل انسان ،مکلف بالایمان اور کبھی حقیقت کا جزء یا جنس ذکر کرتے ہیں اور کبھی خاصہ یا عرض عام لاتے ہیں۔ ان مختلف اقسام کے تمام کلمات کو وصف عنوانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ قطبی میں ہے کہ ذات موضوع کبھی عین وصف ہوگا جیسے کل انسان حیوان اس وقت یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ' دائمہ مطلقہ اور مشروطہ عامہ تینوں قسموں کا احتمال رکھتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کل انسان حیوان بالضرورۃ' کل انسان حیوان دائما' کل انسان حیوان ما دام انسانا اور کبھی ذات موضوع عین وصف نہیں ہوتا جیسے کل کاتب حیوان (قطبی ص ۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ وصف عنوانی مشتق ہی نہیں بلکہ جامد اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ پھر مفرد ہی نہیں بلکہ موصوف صفت' موصول صلہ بھی بن سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بسا اوقات وصف عنوانی کو حکم میں دخل ہوتا ہے۔۲

ا۔ حضرت گنگوہی ایک مقام پر لکھتے ہیں اتشرک امتک میں امت موصوف بقید اجابت ہے تو یہ قضیہ مشروطہ ہے نما دام الوصف نفی محمول کی ضروری ہے نہ بعد رفع وصف کے الخ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۶۲) مزید تفصیل اصل کتاب میں دیکھیں

۲۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مشتق میں مبدا اشتقاق کا بالفعل ہونا واجب ہے تا کہ حقیقی معنی صحیح ہوویں ورنہ مجاز ہو جاوے گا۔ وہو خلاف الاصل" (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۵۸)

توضیح کے متن تنقیح میں ہے النسبة الى المشتق تدل على علية الماخذ فكذا النسبة الى الموصوف بالمشتق (توضیح ص ۵۵) =

مثالیں: ۱۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون

۲۔ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع

۳۔ خالد کو ملک کا وزیر اعظم بنا دیا گیا اب اس کو وزیر اعظم کے لفظ سے بیان کریں، یہ وصف عنوانی ہے۔ پھر اگر یوں کہیں وزیر اعظم کی دو بیویاں اور چھ بچے ہیں۔ اس جملہ میں وزیر اعظم کی ذات مراد ہے یہ مطلب تو نہیں کہ جب اس کا عہدہ ختم ہو گا تو بیوی بچے بیوی بچے نہ رہیں گے۔ یہ قضیہ مشروطہ نہیں ہے۔

اور اگر یوں کہیں وزیر اعظم سارے ملک کا حاکم ہے تو یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اپنے عہدے پر برقرار ہے۔ یہ قضیہ مشروطہ خاصہ ہے۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب اس کے اندر الطالب وصف عنوانی ہے مشرکین کے لیے اور المطلوب وصف عنوانی ہے ان کے معبودان باطلہ کے لیے۔

۵۔ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک بڑھیا سے فرمایا انہ لا تدخل الجنۃ عجوز "جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی" اس نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو قرآن نہیں پڑھتی؟ ارشاد ہے انا انشاناھن انشاء فجعلناھن ابکارا (مشکاۃ ج ۳ ص ۱۳۶۹) تو وصف عجوز کے ساتھ جنت میں نہ جائے گی بلکہ باکرہ ہو کر۔

ضرورت وقتیہ کا معنی یہ ہے کہ محمول موضوع کے لیے ثابت ہے کسی وقت متعین یا غیر متعین میں۔ پھر اس کے ساتھ لا دوام کا لحاظ ہو تو مرکبہ ورنہ بسیطہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ان الاولین والاخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم کیونکہ معنی یہ ہے الاولون والاخرون مجموعون یوم القیامۃ بالضرورۃ چونکہ وقت متعین ہے اس لیے قضیہ وقتیہ مطلقہ ہے۔

منتشرہ مطلقہ کی مثالیں: قل ای وربی لتبعثن جواب قسم منتشرہ مطلقہ ہے اسی طرح

---

* ایک دوسرے مقام پر توضیح میں لکھتے ہیں فانہ اذا کان الشیٔ خبرا للاسم الموصول فان الصلۃ علۃ للخبر وقد ذکر غیر مرۃ انہ اذا حکم علی المشتق فان المشتق منہ علۃ لہ (توضیح مع التلویح ص ۲۰۸)

ارشاد ہے ان منکم الا واردھا یعنی یہ تمام ورود نار ضرور ہو گا جب بھی ہو گا وقت ہمارے لیے اس قضیہ میں متعین نہیں کیا گیا۔

اور اگر ان کے ساتھ لادوام کی قید لگا میں تو قضیہ وقتیہ اور منتشرہ کہلائے گا۔

وقتیہ کی مثال: الصوم فرض فی شهر رمضان منطقی انداز میں یوں کہہ سکتے ہیں الصوم فرض فی شهر رمضان لا دائما

منتشرہ کی مثال: اداء الحج فرض فی العمر مرة منطقی قضیہ یوں بنے گا اداء الحج فرض فی وقت ما لا دائما

جہات کی دوسری قسم دوام ہے۔ دوام یا ذاتی ہو گا یا وصفی جس قضیہ میں دوام ذاتی ہو اس کو دائمہ مطلقہ کہتے ہیں یعنی وہ قضیہ جس میں محمول کی نسبت ذات موضوع کی طرف دائمی ہو جب تک کہ موضوع کی ذات موجود ہے جیسے القرآن کتاب اللہ' ان الشیطان لکم عدو' ان اللہ عدو للکافرین جس قضیہ میں ضرورت ذاتیہ ہو دوام بھی پایا جائے گا مگر ایسا قضیہ جس میں وصف محمول کا ثبوت ذات موضوع کے لیے ہو بالضرورة نہ ہو مگر بالدوام ہو۔ اس کو یوں سمجھو کہ کسی امیر ترین آدمی کے بارہ میں کہا جائے هو غنی دائما یعنی جب تک زندہ ہے مالدار ہے تو اگرچہ اس کی غنا بالضرورة نہیں اس پر فقر کا آنا ممکن ہے تو اگر فقر نہ آیا تو دائمہ ہو گا ضروریہ نہ ہو گا۔

مگر ایسا قضیہ جس میں ضرورة نہیں مگر دوام ازلی ہو اس کی مثال فلاسفہ کے مذہب کے مطابق یوں بنتی ہے۔ کل فلک متحرک بالدوام کیونکہ وہ لوگ آسمان کو قدیم مانتے ہیں اور یہ خلاف اسلام ہے۔ دوام وصفی کا معنی یہ ہے کہ جب تک موضوع کی ذات وصف عنوانی سے موصوف ہے محمول اس کے لیے ثابت ہے پھر اس کی دو صورتیں ہیں بغیر کسی قید کے ہو گا اس کا نام عرفیہ عامہ ہے یا لادوام ذاتی کے ساتھ مقید ہو گا اس کا نام عرفیہ خاصہ ہے۔

عرفیہ عامہ کی مثال یہ ہے مشرک ہمیشہ یااللہ مدد سے جلتا ہے۔ عرفیہ خاصہ کی مثال: ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم (الآیۃ) کیونکہ آیت کریمہ کفار کے بارہ میں ہے اور ان کا اہل ایمان سے لڑنا بوجہ ان کے کفر کے ہے۔ مگر ساتھ حتی یردوکم عن دینکم ذکر فرمایا جو بمنزلہ لا دائما کے ہے۔

عرفیہ کی چند اور مثالیں : ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنة اللّٰہ والملئکة والناس اجمعین خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (بقرہ ۱۶۱) ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا ولو افتدی بہ (آل عمران ۹۱) اس سے پہلے یہ آیت ہے ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالون (آل عمران ۹۰) ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللّٰہ ثم ماتوا وھم کفار فلن یغفر اللّٰہ لھم (محمد ۳۴)

شاگرد : ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا یزال الذین کفروا فی مریة منہ حتی تاتیھم الساعة یہ عرفیہ خاصہ ہے یا عامہ۔

استاد : اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ کفار کے شک و شبہ کی انتہاء بیان کی گئی ہے پھر تو عرفیہ خاصہ ہے اور اگر اس کا لحاظ کیا جائے کہ قیامت کا ذکر بھی دوام بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ دنیا و مافیہا کی انتہاء قیامت ہے تو پھر عرفیہ عامہ ہوگا' عرفیہ خاصہ نہ ہوگا۔

البتہ ابلیس کو یہ فرمایا فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم اس میں قیامت تک مہلت کا ذکر ہے' ہمیشگی کے لیے نہیں ہے۔

فائدہ : بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ فعل مضارع پر کان داخل ہو جائے تو زمانہ ماضی میں دوام کا معنی دیتا ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اس کے لیے مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں کان ینام وھو جنب (طیالسی ص۱۹۹) کان یطوف علی نسائہ بغسل واحد (ترمذی ج ۱ ص ۲۰)

علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ فان المختار الذی علیہ الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منھا الدوام ولا التکرار وانما ھی فعل ماض یدل علی وقوعہ مرة فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا تقتضیہ بوضعھا الخ' (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ ماخوذ از خزائن السنن حصہ دوم ص ۱۰۷)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا دوام رفع پر استدلال ان روایات سے صحیح نہیں ہے جن میں کان مضارع پر داخل ہے مثلاً کان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذلک اذا رفع راسہ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲)

شاگرد : استاد جی پھر دوام یا عدم دوام کی کیا دلیل ہوگی۔

استاد : اس کو جواب علامہ نووی کے حوالہ سے گزر گیا ہے کہ کسی اور قرینے سے اس کو متعین کرنا ہو گا مثلاً" موطاء امام مالک میں حضرت علیؓ کی روایت ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الصلاۃ کلما خفض ورفع فلم تزل تلک صلاتہ حتی لقی اللہ (موطا ص ۲۵ مجتبائی)

ملاحظہ کیا آپ نے کس قدر تصریح ہے تکبیر کے دوام وعدم نسخ پر جبکہ رفع یدین کی روایات خاصی مضطرب ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ بحث تناقض میں آئے گی

شاگرد : استاد جی غیر مقلد کہتے ہیں کہ رفع یدین قبل الرکوع وبعدہ کی روایت میں آتا ہے فما زالت تلک صلاتہ حتی لقی اللہ تعالٰی (نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۱۰)

استاد : اس کی سند بھی نصب الرایہ میں ذکر ہے اس میں ایک راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے جو کذاب وضاع ہے اور کذاب کی روایت موضوع اور جعلی ہوتی ہے اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں کیا جا سکتا مزید تفصیل کے لیے حاشیہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۰۹ اور خزائن السنن حصہ دوم ص ۱۰۶ اور نور الصباح ص ۲۴۳ کا مطالعہ کریں۔

جہت کی تیسری قسم فعلیت ہے۔ فعلیت کا معنی حضرت صوفی صاحب نے یہ بتایا ہے کہ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں نسبت کا پایا جانا (تشریحات سواتی ص ۱۰۶) فعلیت کا پایا جانا تین طرح ہوتا ہے۔

(۱) صرف فعلیت ہے بغیر کسی قید کے اس وقت قضیہ کا نام مطلقہ عامہ رکھا جاتا ہے جیسے کل من علیہا فان' یدخل من یشاء فی رحمتہ' انا اعتدنا للظلمین نارا

فائدہ : بسا اوقات قضیہ کو مطلقہ عامہ کی صورت میں رکھا جاتا ہے جبکہ وہ دوام رکھتا ہے اس اعتبار سے اسے دائمہ کہہ سکتے ہیں جیسے ان اللہ کان علیما حکیما

لیکن جب تک دوام کا لفظ نہ ہو یا دوام پر کوئی قطعی دلیل نہ ہو اسے دائمہ نہیں کہیں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ انک میت وانھم میتون یہ مطلقہ عامہ ہے بعض لوگ غلط فہمی سے اس سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد زندگی نہیں دی گئی اور یہ معنی تب بن سکتا ہے جب اس کو دائمہ مانا جائے اور دوام پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس کو دائمہ مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت بھی آپ پر میت کا اطلاق درست تھا۔ اور یہ نرا سفسطہ ہے کیونکہ قرآن کریم تو

آپ ﷺ کی زندگی ہی میں نازل ہوا۔ بلکہ آپ کی حیات برزخیہ پر دلائل بھی ہیں اور اجماع امت بھی ہے۔ قدرے تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک اور مثال : قولہ تعالیٰ انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ (سورۃ الانشقاق)

ترجمہ "اے انسان بے شک تو تکلیف اٹھانے والا ہے اپنے رب کی طرف تکلیف اٹھانا' پھر اس سے ملنے والا ہے" (معالم العرفان پ ۳۰ ص ۱۷۷) اس کی شرح کرتے ہوئے ابو داؤد طیالسی کے حوالہ سے حافظ ابن کثیر یہ حدیث لائے ہیں عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال جبریل یا محمد عش ما شئت فانک میت واحبب من شئت فانک مفارقہ واعمل ما شئت فانک ملاقیہ (ابن کثیر تفسیر سورہ انشقاق پ ۳۰) -

ترجمہ : جبریلؑ نے نبی کریم ﷺ سے کہا اے نبی کریم آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں مگر ایک دن موت ضرور آنی ہے دنیا میں آپ جس سے چاہیں محبت کریں ایک دن جدائی ضرور ہوگی آپ جو چاہیں عمل کریں اس کا نتیجہ سامنے ضرور آئے گا۔ (معالم العرفان پ ۳۰ ص ۱۷۸)

ان کے اندر فانک میت' فانک مفارقہ' فانک ملاقیہ قضایا مطلقہ عامہ ہیں اور اگر ان کے اگر یہ لحاظ ہو کہ ان کا ہونا ضروری ہے کسی وقت میں تو منتشرہ مطلقہ ہوں گے۔

فائدہ : جملہ فعلیہ خبریہ نیز جملہ اسمیہ خبریہ پر عموماً مطلقہ عامہ ہی بنتے ہیں ہاں اگر ان کے ساتھ ضرورت یا دوام وغیرہ کا لحاظ ہو تو الگ بات ہے۔

(۲) کبھی قضیہ میں فعلیت کے ساتھ لادوام ذاتی کی شرط ہوتی ہے اس وقت قضیہ کا نام وجودیہ لادائمہ ہوتا ہے جیسے یولج الیل فی النہار ویولج النہار فی الیل یہ دونوں قضیئے وجودیہ لادائمہ ہیں۔ ترتیب منطقی یوں ہوگی۔ اللہ یدخل اللیل فی النہار بالفعل لا دائما ویدخل النہار فی اللیل بالفعل لا دائما نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ولکنی اصوم وافطر یہ قضیہ وجودیہ لا دائمہ ہے۔

(۳) کبھی قضیہ میں فعلیت کے ساتھ لا بالضرورۃ کی قید ہوتی ہے۔ اس وقت قضیہ کا نام وجودیہ لا ضروریہ رکھا جاتا ہے جیسے۔ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب کیونکہ رزق دینا اللہ تعالیٰ پر واجب تو نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محض فضل ہے۔

جہت کی چوتھی قسم امکان ہے۔ امکان کا معنی یہ ہے کہ جو حکم ایجابی یا سلبی قضیہ میں

لگایا گیا ہے وہ محال نہیں ہے اس کا نہ ہونا ضروری نہیں ہے جیسے کسی غریب کے لڑکے کے بارے میں کہا جائے ممکن ہے کہ یہ مستقبل میں بادشاہ ہو۔ یہ قضیہ صادقہ ہے کیونکہ اس کا بادشاہ بننا محال نہیں دنیا میں کتنے ہی حکمران ایسے ہوئے ہیں جن کے باپ دادا غریب لوگ تھے۔

امکان کی دو قسمیں کرتے ہیں امکان عام' امکان خاص۔ ان کی تعریف سے پہلے ان کی مثالیں سمجھ لیں۔ تین مسلمان لڑکیاں ہوں۔ ایک نابالغ دوسری بالغہ حائضہ تیسری بالغہ طاہرہ۔ رمضان کا مہینہ ہو۔ ان تینوں کے بارہ میں جملے بنائیں۔ نابالغ لڑکی روزہ رکھ سکتی ہے۔ بالغہ حائضہ روزہ نہیں رکھ سکتی۔ بالغہ طاہرہ روزہ رکھ سکتی ہے۔

دوسرا قضیہ تو واضح ہے کیونکہ حائضہ عورت کا روزہ ہوتا ہی نہیں ہے پہلے اور تیسرے کے الفاظ اگرچہ ایک جیسے ہیں مگر مفہوم کا فرق ہے نابالغ لڑکی روزہ رکھ بھی سکتی ہے چھوڑ بھی سکتی ہے جبکہ بالغہ طاہرہ روزہ رکھ سکتی ہے مگر چھوڑ نہیں سکتی۔

دوسری صورت کو منطقی امتناع سے تعبیر کرتے ہیں پہلی کو امکان خاص سے اور اس قضیہ کا نام ممکنہ خاصہ رکھا جاتا ہے اور تیسری صورت کو امکان عام سے تعبیر کرتے ہیں اور قضیہ کا نام ممکنہ عامہ ہے۔

فائدہ : ممکنہ خاصہ خواہ موجبہ ہو یا سالبہ دونوں صورتیں ممکن ہوتی ہیں نہ کوئی ممتنع ہوتی ہے نہ واجب اس کے لیے اس کو قضایا مرکبہ میں شمار کرتے ہیں مندرجہ ذیل دونوں قضایا پر غور کریں۔

نابالغ بچی کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہے' نابالغ بچی کے لیے روزہ نہ رکھنا ممکن ہے کی صورت میں سالبہ اور سالبہ کی صورت میں موجبہ کا معنی بھی ادا ہو جاتا ہے۔ ممکنہ عامہ کی مثال قرآن پاک سے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما اس میں قضیہ فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ان حضرات کے نزدیک ممکنہ عامہ ہے جن کے نزدیک صفا مروہ کی سعی واجب ہے۔ ممکنہ خاصہ کی مثال: فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ دونوں جگہ فلا اثم علیہ ممکنہ خاصہ ہے کیونکہ ۱۲ ذوالحجہ کو منی سے آنا یا ۱۳ کو آنا دونوں جائز ہیں۔ ممکنہ عامہ کی ایک اور مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم

یخلقون اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون اگر اس کے اندر موضوع الذین یدعون من دون اللہ ہے اس سے مراد اگر اصنام ہیں (جیساکہ تفسیر جلالین وغیرہ میں ہے) تو اموات کا معنی بے جان ہے اور اس صورت میں قضیہ دائمہ یا ضروریہ ہے۔

اور اگر موضوع ہر وہ چیز ہے جس کو سوائے خدا کے معبود بنایا جاتا ہے خواہ زندہ ہو یا مردہ' جاندار ہو یا بے جان حتی کہ فرشتے یا انبیاء علیہم السلام ہوں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہوں جو کہ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں تو اموات غیر احیاء کا ثبوت بطور قضیہ ممکنہ کے ہو گا یعنی غیر خدا جس کو بھی پکارا جائے اس پر موت کا آنا ممکن ہے زندہ رہنا اس کے لیے بالضرورۃ نہیں ہے اور جس پر فنا ممکن ہو' وہ الہٰ نہیں ہو سکتا۔ اس کو حاجات میں پکارنا بے عقلی کی بات ہے۔ علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وجوز ان یکون المراد من المخبر عنه بما ذکر مایتناول جمیع معبوداتھم من ذوی العقول وغیرھم فیرتکب فی (اموات) عموم المجاز لیشمل ما کان له حیاہ ثم مات کعزیر او سیموت کعیسی والملائکۃ علیھم الصلاۃ والسلام وما لیس من شانه الحیاہ اصلا کالاصنام.......... و معنی کونھم امواتا انھم لا بد لھم من الموت وکونھم غیر احیاء غیر تامۃ حیاتھم والحیاۃ التامۃ ھی الحیاۃ الذاتیۃ التی لا یرد علیھا الموت (تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰)

ملخص یہ کہ یا تو قضیہ ممکنہ ہو گا اور یا منتشرہ مطلقہ جیساکہ خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں (اموات غیر احیاء) انھم لو کانوا آلھۃ علی الحقیقۃ لکانوا احیاء غیر اموات ای غیر جائز علیھا الموت کالحی الذی لا یموت وامرھم علی العکس من ذلک (تفسیر کشاف ج ۲ ص ۴۰۶)

خط کشیدہ عبارت قضیہ کے ممکنہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم جو کہتے ہیں وھو حی لا یموت یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ مندرجہ بالا آیت سے قبر کی زندگی کے خلاف استدلال کرنا باطل ہے۔

نوٹ : اختصار کے پیش نظر بعض قضایا موجہہ کو ترک کیا گیا نیز موجہات کے جاننے سے شرعی فائدہ کہ فرض واجب وغیرہ کا علم ہوتا ہے ہم نے اختصارا ترک کر دیا ہے ان شاء اللہ کسی اور جگہ ذکر کریں گے واللہ الموفق

فائدہ

لا دائما سے مطلقہ عامہ اور لا بالضرورۃ سے ممکنہ عامہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور اگر بجائے لا دائما یا لا بالضرورۃ کے مستقل طور پر دوسرا قضیہ ذکر کریں تو مرکبہ نہ ہوگا بلکہ دو مستقل بسیطے ہوں گے۔

تدریب
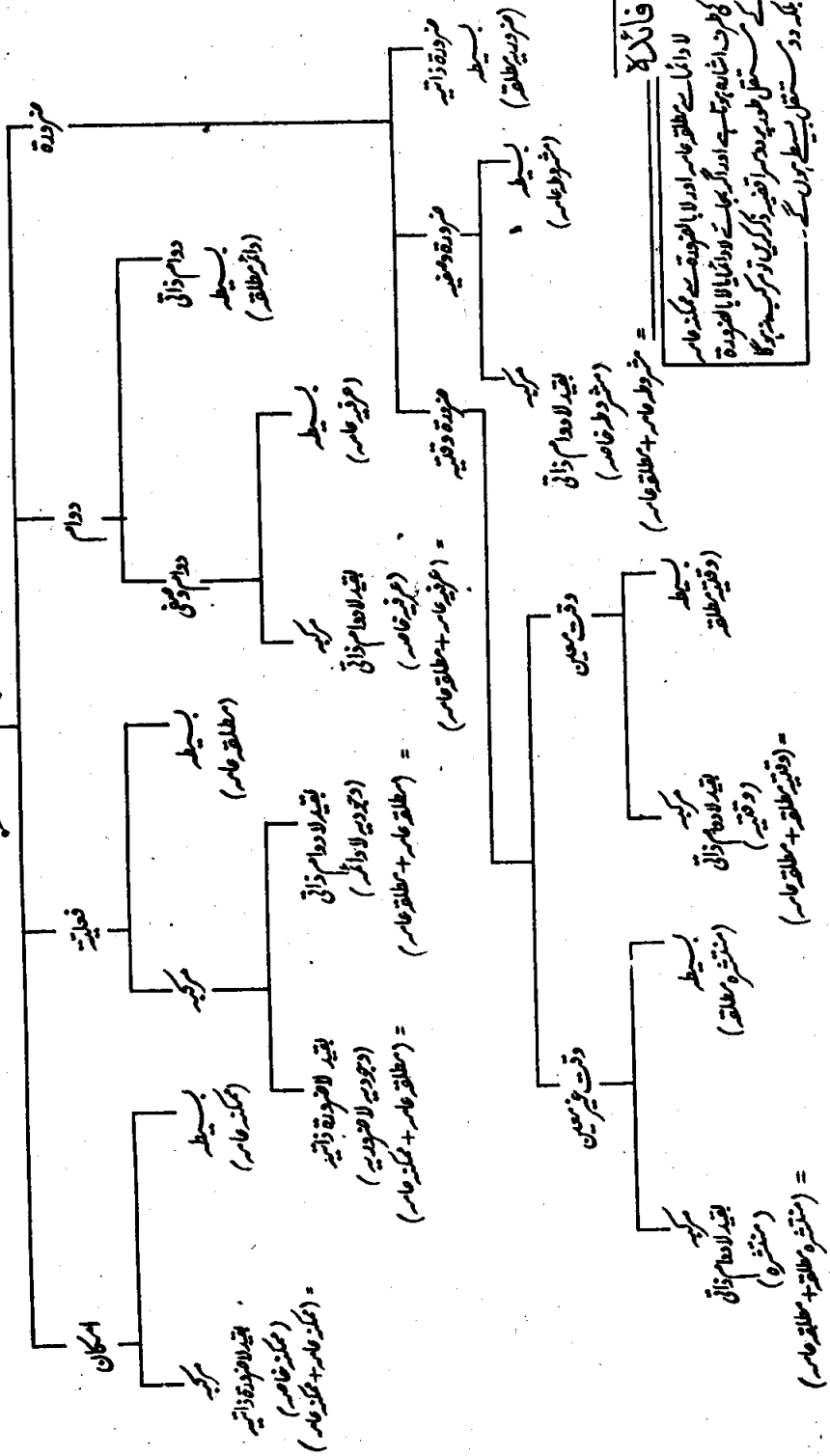
س (۱): خالی جگہ پر کریں۔

قضیہ	نوع جہت	نوع موجہہ
اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم		
محمد رسول اللہ		
کل بنی آدم خطاء		
یتوفاکم ملک الموت		
اللہ الصمد		
ان الساعۃ لآتیۃ		
انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم		
انتم لہا واردون		
والشمس تجری لمستقر لہا		
قول یہود: انا لن ندخلہا ابدا ما داموا فیہا		
ومنہم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہٖ		
الیک الا ما دمت علیہ قائما		
فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم		
ومنہم من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک		
فانک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم		
ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا		
تتنزل علیہم الملائکۃ		
انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم		
ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم		
ثم تردون الی عالم الغیب والشہادۃ		

اللہ ربنا

الحمد للہ

کل من علیھا فان

ویبقی وجہ ربک

الکافر عدو اللہ

قرآن کا منکر کافر ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام

وان من شئ الا یسبح بحمدہ

ولکن لا تفقھون تسبیحھم

لا باس بالغنی لمن اتقی اللہ عزوجل

لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس

ویقول خیرا وینمی خیرا

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

کل شئی ھالک الا وجھہ

س (۲): مادہ جہت اور موجہہ کی تعریف کریں اور مثال دیں۔ نیز یہ بتائیں کہ موجہہ کس باب سے ہے؟

س (۳): قضیہ کب صادقہ اور کب کاذبہ ہوتا ہے۔

س (۴): جہت کی چار قسمیں کون کون سی ہیں اور ان کے پائے جانے کی کیا صورتیں ہیں۔

س (۵): ضرورۃ اور دوام کا کیا فرق ہے۔ مثال دیں۔

س (۶): وصف و ذات کا فرق بیان کر کے وصف عنوانی کی تعریف کریں اور مثال سے وضاحت کریں۔

س (۷): موجہہ بسیطہ اور مرکبہ کی وضاحت کریں۔

س (۸): خالی جگہ پر کریں۔

[مشروطہ عامہ + لادوام ذاتی] =

[عرفیہ عامہ +   ] = [عرفیہ خاصہ]

[مطلقہ عامہ +]=[وجودیہ لا دائمہ]

[+ لا ضرورۃ ذاتیہ]=[وجودیہ لا ضروریہ]

[مشروطہ خاصہ -]=[مشروطہ عامہ]

[وقتیہ مطلقہ + لادوام ذاتی]=[ ] [ ]

[منتشرہ مطلقہ +]=[منتشرہ]

س (۹) : کیا ہر قضیہ میں جہت ہوتی ہے یا نہیں وضاحت کریں۔

س (۱۰) : قضایا موجہہ مشکل کیوں ہیں نیز ان کی مشکل کو حل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

س (۱۱) : کان مضارع پر داخل ہو جائے تو استمرار کا فائدہ دیتا ہے یا نہیں وضاحت کریں۔

س (۱۲) : انک میت وانھم میتون (الایہ) سے حضرات انبیاء کرام اور بالخصوص جناب نبی کریم ﷺ کی حیات برزخیہ کی نفی پر استدلال درست ہے یا نہیں منطقی طور پر وضاحت کریں۔

س (۱۳) : مندرجہ ذیل قضایا کی مثالیں قرآن کریم یا حدیث شریف سے دیں۔ مشروطہ عامہ' مشروطہ خاصہ ' مطلقہ عامہ' وجودیہ لا ضروریہ ' ممکنہ خاصہ ' وقتیہ' منتشرہ' ممکنہ عامہ۔

سبق سوم
قضیہ شرطیہ کی بحث

قضیہ شرطیہ وہ قضیہ ہے جو دو قضیوں ۱؎ سے مل کر ۲؎ بنے جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن ہو گا۔ (سورج نکلے گا) ایک قضیہ ہے اور (دن ہوگا) دوسرا قضیہ ہے۔ ۳؎

یا جیسے زید یا تو پڑھا ہوا ہے یا ان پڑھ ہے (زید پڑھا ہوا ہے) ایک قضیہ ہے اور (زید ان پڑھ ہے) دوسرا قضیہ ہے ۴؎ ان میں سے پہلے قضیہ کو مقدم اور دوسرے کو تالی کہتے ہیں۔

اس مقام پر چند ابحاث ہیں۔

بحث اول: دو قضیے تب بنیں گے جب شرط، جزاء وغیرہ کے کلمات حذف کر دیے جائیں اگر ان کو ساتھ رکھیں اور یوں کہیں (اگر سورج نکلے گا) تو یہ صدق کذب کا احتمال نہ رکھے گا۔

۱؎ ان میں سے پہلے قضیہ کو مقدم اور دوسرے کو تالی بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ج ۲؎ اور دیکھو تو دونوں میں خاص ارتباط بھی ہے۔ ۱۲شف یعنی تعلق ہے اور یہاں ایسا ہے جیسا کہ شرط کے ساتھ جزا کو ہوتا ہے۔ کہ ایک کے بعد دوسرے کا ہونا ضروری ہے۔ ۱۲ ۳؎ اس طرح سے کہ ان دونوں قضیوں میں خاص ارتباط بھی ہو اور اس ارتباط کی تفصیل شرطیہ کی قسموں میں سے معلوم ہوگی یعنی دو طرح کا ربط ہوگا (۱) یا تو ایک قضیہ کے ہونے پر دوسرے کا ہونا بیان ہوگا چاہے دوسرے کا ہونا نہ ہونا ضروری ہو کر ہو یا ویسے ہی (۲) اور یا دونوں میں علیحدگی وجدائی کا ہونا نہ ہونا بیان ہوگا، چاہے قضیوں ہی کی ذات سے جدائی ہو یا ویسے ہی ہو۔ اب قسموں میں غور کر کے دیکھنا۔ ۱۲ج ۴؎ اور ان میں ایک خاص ارتباط بھی ہے۔ ۱۲شف یعنی تعلق ہے، اگرچہ خلاف کا ہی ہے کہ ایک کے ہونے پر دوسرے کا نہ ہونا ضروری ہے جیسے ضدوں اور نقیضوں میں ہوتا ہے۔ ۱۲

بحث ثانی: دوسری مثال کو شرطیہ کیوں کہا جاتا ہے جبکہ اس میں شرط کا نہ معنی ہے نہ لفظ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں صراحۃً نہیں مگر اشارۃً شرط کا معنی آ جایا کرتا ہے کیونکہ دوسرے قضیہ کا معنی یہ ہے۔ زید اگر پڑھا ہوا ہے تو ان پڑھ نہیں ہے اور اگر ان پڑھ ہے تو پڑھا ہوا نہیں ہے۔

بحث ثالث: دوسرے قضیہ میں زید کا ایک مرتبہ ذکر ہے لیکن جب اس کی تحلیل کی تو دو دفعہ ذکر کیا ایسا کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دو قضیوں کو اختصار کی غرض ایک ہی قضیہ بنا دیا تھا جب اختصار زائل کیا اپنی اصل پر آ گئے۔

شاگرد: استاد جی اگر موضوع دو دفعہ لائیں تو کیا حرج ہے۔ جیسے اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی

استاد: جواب یہ ہے کہ جب موضوع دونوں میں ایک بنتا ہو تو ایک مرتبہ ذکر کرنا کافی ہے ورنہ الگ الگ ذکر ہو گا۔ وسیاتی تفصیلہ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہیں متصلہ، منفصلہ۔]

ان کی تعریفات آ رہی ہیں۔

شاگرد: استاد جی علم نحو میں تو دو جملوں کے اکٹھے ہونے کی بہت سے صورتیں پائی جاتی ہیں مثال کے طور پر جملہ معطوفہ کے لیے دس حروف استعمال ہوئے ہیں مگر علماء منطق صرف انہیں دو قسموں میں کیوں منحصر کرتے ہیں؟

استاد: اس کی وجہ یہ ہے کہ قضایا کی بحث سے اصل مقصد مبحث قیاس ہے اور قیاس میں قضایا مرکبہ کی صرف یہی دو صورتیں متصلہ منفصلہ استعمال ہوئی اس لیے انہیں کا اعتبار ہے۔

شاگرد: تو پھر مندرجہ ذیل قضایا کس قسم میں داخل ہیں۔

جاء زید وعمرو، زید حاضر وموجود، جاء زید و ذھب عمرو

استاد: آخر مثال تو دو قضایا حملیہ ہیں پہلی دو مثالوں میں اگر معطوف علیہ اور معطوف کو ملا کر موضوع یا محمول بنائیں تو ایک قضیہ حملیہ ہو گا اور اگر اول میں محمول اور ثانی میں موضوع مقدر مانیں تو دو دو قضایا حملیہ ہوں گے۔

شاگرد: بات تو وہی آ گئی قضیہ شرطیہ بھی دو سے ہی مرکب ہوتا ہے ؟

استاد: قضیہ شرطیہ سے جب ادوات شرط کو حذف کریں تو دو بنتے ہیں یعنی بالقوۃ قضایا حملیہ ہیں۔ جبکہ مذکورہ مثالوں میں حرف عطف کو حذف کریں نہ کریں بالفعل دو قضایا حملیہ ہیں۔

[شرطیہ متصلہ وہ قضیہ شرطیہ ہے کہ اس میں یہ بات ہو کہ ایک قضیہ کے تسلیم کر لینے پر دوسرے قضیہ کے ثبوت[1] یا نفی کا حکم ہو۔]

واضح ہو کہ جملہ شرطیہ اور قضیہ شرطیہ کی اصطلاحات میں چند فرق ہیں۔ کیونکہ منطقی صرف معنی کا لحاظ کرتے ہیں اور نحوی لفظ کا۔ نیز منطقی دوسرے جزء تالی کا قضیہ (جملہ خبریہ) ہونا ضروری قرار دیتے ہیں لہٰذا اگر جملہ شرطیہ کی جزاء جملہ انشائیہ ہو جیسے وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ "اور تم جہاں کہیں ہو' اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیرو" فان قاتلوکم فاقتلوھم "پھر اگر وہ تم سے لڑتے ہیں تو ان کو قتل کرو" تو نحوی اس کو جملہ شرطیہ انشائیہ کہیں گے مگر منطقی اس کو قضیہ شرطیہ نہیں کہیں گے مگر یہ کہ جملہ انشائیہ کو خبریہ کی صورت بنائیں مثلاً یوں کہیں فان قاتلوکم یجب علیکم قتلھم "پھر اگر وہ تم سے لڑیں' تمہارے اوپر ان کو قتل کرنا واجب ہے"

قضیہ شرطیہ کی ایک قسم میں بظاہر اداۃ شرط موجود نہیں ہوتا جبکہ جملہ شرطیہ میں کلمہ شرط کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جملہ شرطیہ صرف قضیہ شرطیہ متصلہ سے مشابہت رکھتا ہے' منفصلہ سے نہیں۔ نیز جزاء مقدم نہیں ہوتی مگر منطقی تالی کے موخر ہونے کی شرط نہیں لگاتے لہٰذا اجیب دعوۃ الداع اذا دعان "پکارنے والے کی دعا کو میں منظور کر لیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے" قضیہ شرطیہ ہو گا۔

اگر قضیہ کا ایک جزء حذف ہو تو اس کو نکال کر قضیہ پورا کریں گے جیسے ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم "اور جو خوشی سے امر خیر کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دانی کرنے والا جاننے والا ہے" اس کے اندر شرط کا تالی حذف ہے اور جزاء تالی پر دال ہے اس حذف شدہ کو نکال کر قضیہ شرطیہ بنائیں گے۔ وان تخالطوھم فاخوانکم "اگر تم ان کو ساتھ ملاؤ تو تمہارے بھائی ہیں" اس کے اندر تالی کا موضوع حذف ہے اصل ہے فھم اخوانکم نیز قضیہ فھم اخوانکم دراصل تالی نہیں ہے' تالی محذوف ہے' یہ اس کا بدل ہے۔ اصل ہے

---

[1] ہونے یا نہ ہونے کا۔ ۱۲

وان تخالطوھم فلا باس وغیرہ واللہ اعلم۔

فائدہ: نحوی طور پر کلمات شرط بہت ہیں مثلاً اِنْ کَیْفَ مَنْ مَا مَتیٰ اَنّٰی اِذَا اِذْ لَوْ اَیٌّ اَیْنَ کُلَّمَا وغیرہ۔

لَوْ اِنْ کَیْفَ مَتیٰ اَنّٰی اِذَا اِذْ کُلَّمَا اَیْنَ سے قضیہ شرطیہ ہی بنے گا۔ لو ان حرف شرط ہیں ترکیب منطقی یوں ہوگی ان تشکروہ یرضہ لکم

ان اداۃ اتصال' تشکر مقید' ہ ضمیرقید' مقید قید مل کر مرکب تقییدی ہو کر محمول' واؤ ضمیر موضوع' موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہو کر مقدم' یرض مقید' ہ ضمیر قید اول' لام جزء اول' کم ضمیر جزء ثانی' دونوں جزء مل کر مرکب غیر تقییدی ہو کر قید ثانی' مقید اپنی دونوں قیدوں سے مل کر محمول' ھو ضمیر مستتر موضوع' موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہو کر تالی' مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا۔

متی' کیف' انی' اذ' اذا' کلما' این حرف نہیں ہیں۔ ان کی ترکیب منطقی یوں ہے متی تصم اصم

متی اداۃ اتصال قید مقدم' تصم مقید' مقید قید مل کر محمول' انت ضمیر مستتر موضوع' موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہو کر مقدم' اصم محمول' انا ضمیر مستتر موضوع' موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہو کر تالی' مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا۔

ما' من' ای چونکہ ذات پر دلالت کرتے ہیں اس لیے اس وقت ان سے قضیہ حملیہ بنے گا جب یہ تنہا موضوع قرار دیے جائیں یا شرط سمیت جیسے فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر "پھر جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو شمار رکھنا دوسرے دنوں سے" اس کے اندر اگر من کو موصولہ بنائیں تو جملہ فعلیہ کان منکم مریضا او علی سفر صلہ ہو گا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا' فعدۃ من ایام اخر اس کی خبر ہے۔

منطقی ترکیب میں من مقید اور قضیہ حملیہ قید بن کر موضوع ہوگا اور فعدۃ من ایام اخر (جو اصل میں ہے فعلیہ عدۃ من ایام اخر) محمول ہے اور اگر من کو شرطیہ بنائیں تو من مبتدا ہے اور جملہ شرطیہ اس کے بعد وہ اس کی خبر ہو گا۔

منطقی ترکیب میں من موضوع ہوگا اور کان منکم مریضا او علی سفر قضیہ شرطیہ منفصلہ مقدم ہے فعدۃ من ایام آخر (اصلہ فعلیہ عدۃ من ایام اخر) قضیہ حملیہ اس

کے لیے تالی ہے' مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہو کر محمول ہوگا۔ اور اگر ان کے بعد فعل فاعل ہو اور مفعول بہ مقدر یا مذکور ہو تب بھی یہ موضوع بنیں گے جیسے مَنْ یُکْرِمْنِیْ اُکْرِمْہُ' مَنْ تُکْرِمْہُ اُکْرِمْہُ' مَنْ تُکْرِمْ اُکْرِمْ جب اس کی تقدیر مَنْ تُکْرِمْہُ اُکْرِمْہُ مانی جائے۔ اور اگر محذوف نہ مانیں تو من شرطیہ مفعول بہ مقدم ہوگا اور قضیہ شرطیہ بنے گا۔

فائدہ: مَنْ تُکْرِمْہُ اُکْرِمْہُ کے اندر اشتغال یعنی ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کا احتمال بھی ہے' اس وقت قضیہ شرطیہ ہی بنے گا۔

اَیٌّ اگر ذات کے لیے ہو تو مَنْ' مَا کی طرح اور اگر ذات کے لیے نہ ہو تو مَتٰی وغیرہ کی طرح ترکیب میں واقع ہوگا۔

فائدہ: چونکہ یہ کلمات بھی اِنْ شرطیہ کے معنی کو متضمن ہیں اس لیے ان تمام قضایا کو معنیً" شرطیہ کہنا ممکن ہے۔

اگر ثبوت[1] کا حکم ہوگا تو متصلہ موجبہ کہلائے گا جیسے اگر زید انسان ہے تو جاندار بھی ہوگا دیکھو اس قضیہ میں زید کے انسان ہونے پر اس کے جاندار ہونے کا حکم کیا گیا ہے۔[2]

شرطیہ موجبہ میں مقدم یا تالی کا موجبہ ہونا شرط نہیں شرط یہ ہے کہ ان دونوں سے پہلے نفی نہ ہو۔ نفی کی مثالیں انشاء اللہ سالبہ شرطیہ میں آئیں گے۔

شرطیہ متصلہ موجبہ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

۱۔ دونوں جزء موجبہ ہوں جیسے وان تشکروہ یرضه لکم "اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے" فان تبتم فلکم رؤوس اموالکم "پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں"

۲۔ دونوں جزء سالبہ ہوں جیسے فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم "اگر تم نے ان سے ہم بستری نہ کی ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں"

۳۔ اول موجبہ ہو دوسرا سالبہ ہو جیسے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ "پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے حلال نہیں اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے"

---

[1] ہونے یا نہ ہونے کا ۔ [2] یعنی جان دار کا ثبوت کیا گیا ہے ۔ ۱۲۰

۴۔ اول سالبہ ثانی موجبہ ہو جیسے فان لم یصبھا وابل فطل "اور اگر اس کو زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار کافی ہے" نیز وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین "اور اگر تو ہمارے لیے مغفرت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہوں گے"

اور اگر نفی کا حکم ہو تو متصلہ سالبہ ہو گا جیسے نہیں ہے یہ بات کہ اگر زید انسان ہو تو گھوڑا ہو دیکھو اس قضیہ میں زید کے انسان ہونے کی صورت میں اس کے گھوڑا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔[۱]

اس کی مثال قرآن پاک سے ارشاد باری تعالیٰ ہے

قالوا کونوا ھودا او نصاری تھتدوا قل بل ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین

تھتدوا جواب امر ہے۔ تقدیر عبارت یوں بنتی ہے

ان تکونوا ھودا او نصاری تھتدوا

اس کے جواب میں فرمایا قل بل ملة ابراھیم حنیفا

اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے

قل لیس ان تکونوا ھودا او نصاری تھتدوا بل ان تتبعوا ملة ابراھیم حنیفا تھتدوا واللہ اعلم

پہلا قضیہ شرطیہ متصلہ سالبہ ہے کیونکہ اس میں اداۃ نفی اداۃ شرط سے پہلے ہے لیس البتة اذا کان زید انسانا کان فرسا کی طرح دوسرا قضیہ جو بل کے بعد ہے، وہ شرطیہ متصلہ موجبہ ہے۔

فائدہ : کبھی شرطیہ میں تالی کو حذف کر دیتے ہیں جیسے ولولا فضل اللہ علیکم ورحمته وان اللہ رؤف رحیم (نور آیت نمبر ۲۰) تقدیرہ لعاجلکم بالعقوبۃ (جلالین) اسی طرح کبھی مقدم سے محمول حذف کر دیتے ہیں جیسے لولا انتم لکنا مؤمنین، "اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان والے ہوتے" لو لا علی لھلک عمر، "اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتے" لو لا ان تدارکه نعمة من ربه لنبذ بالعراء وھو مذموم "اگر نہ سنبھالتا اس کو

---

[۱] یعنی گھوڑا نہ ہونے کا حکم کیا گیا۔۱۲

احسان تیزے رب کا' پھینکا جاتا چٹیل میدان میں الزام کھا کر" معلوم ہوا کہ شرطیہ متصلہ موجبہ کا نقشہ یوں ہو گا۔

[شرطیہ متصلہ موجبہ] = [مقدم + تالی]

اور سالبہ کا یوں۔

[شرطیہ متصلہ سالبہ] = [اداۃ سلب + مقدم + تالی]

فائدہ : جب لفظا حرف شرط کا یا جزاء کا ذکر نہ ہو یا فا کے بعد مضارع منصوب ہو (بشرطیکہ وہ فا عاطفہ نہ ہو) تو حذف شدہ الفاظ کو نکال کر قضیہ شرطیہ بنائیں گے جیسے فاذکرونی اذکرکم "پس تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا" تقدیر یوں ہے ان تذکرونی اذکرکم اب یہ قضیہ شرطیہ متصلہ بنتا ہے فا کی مثال ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین' "اور اس درخت کے قریب نہ جاؤ کہ ہو جاؤ گے ظالموں سے" من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ "کون ہے جو اللہ تعالٰی کو قرض دے اچھی طرح پھر وہ اس کو دونا کر دے اس کے لیے" نحوی طور پر نہیں لیکن منطقی طور پر یہ معنی ہو سکتا ہے ان تقربا ھذہ الشجرہ تکونا من الظالمین' ان یقرض اللہ احد قرضا حسنا یضاعفہ لہ لیکن اگر فا عاطفہ ہو تو اس سے قضیہ شرطیہ نہ ہو جیسے فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بآیۃ "اور اگر تجھ پر گراں ہے ان کا منہ پھیرنا تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ ڈھونڈھ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لاوے ان کے پاس ایک معجزہ" تالی کا عطف تبتغی پر ہے اور ان کی جزاء محذوف ہے اس کو نکال کر شرطیہ بنا سکتے ہیں اگر وہ جملہ خبریہ ہو۔

فائدہ : جب لو لا شرط کے لیے ہو تو قضیہ شرطیہ متصلہ موجبہ بنے گا کیونکہ اداۃ شرط صدر الکلام میں واقع ہے اور اگر لو لا' تحضیض کے لیے ہو یا ان نافیہ یا ان مخففہ من المثقلہ ہو تو قضیہ شرطیہ نہ بنے گا۔

لو لا شرطیہ کی ایک اور مثال : لو لا ان من اللہ علینا لخسف بنا "اگر اللہ تعالٰی ہم پر احسان نہ کرتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا"

لولا برائے تحضیض کی مثال : لو لا جاءوا علیہ باربعۃ شھداء "کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد"

ان نافیہ کی مثال : قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا "تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا کر دنے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد"

ان مخففہ کی مثال : وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین "اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"

تدریب

س : مندرجہ ذیل امثلہ کے بارہ میں یہ بتائیں کہ کون سی مثالیں نحوی و منطقی طور پر شرطیہ بنتی ہیں اور کون سی صرف نحوی طور پر' کون سی صرف منطقی طور پر۔ نیز ترکیب منطقی کریں

ولو شاء اللّٰہ لذھب بسمعھم وابصارھم' فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ' واذا لقوا الذین امنوا قالوا آمنا' واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزئون' کلما جاء کم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم' اوکلما عاھدوا عھدا نبذہ فریق منھم۔

س : قضیہ شرطیہ تو خود ایک قضیہ ہے' یہ دو سے مرکب کیسے ہوا؟

س : لئن اشرکت لیحبطن عملک شرطیہ ہے' صرف مقدم یا صرف تالی صدق کذب کا احتمال رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو دو قضیوں سے مرکب کیسے ہوا؟

س : قضیہ شرطیہ منفصلہ میں موضوع کو ایک مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے یا دو مرتبہ؟

س : دو جملوں کے مرکب ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں' علماء منطق صرف دو صورتیں کیوں لکھتے ہیں؟

س : مندرجہ ذیل قضایا کی نوع متعین کریں

وھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید' کان اللّٰہ علیما حکیما' انہ ھو التواب الرحیم' جاء نی زید لا عمرو' ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین' وما صاحبکم بمجنون

ولقد رآه بالافق المبین وما ھو علی الغیب بضنین وما ھو بقول شیطان رجیم' ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حب وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھۃ وابا' وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ

س: قضیہ شرطیہ اور جملہ شرطیہ کی اصطلاحات میں کیا فرق ہے؟ بمع امثلہ لکھیں

س: ادوات اتصال میں کس کس کلمہ کے ساتھ صرف قضیہ شرطیہ ہی بنے گا؟ اور کس کس سے قضیہ حملیہ اور شرطیہ دونوں بن سکتے ہیں؟ بمعہ امثلہ

س: من' ما اور ای کے حالات لکھیں

س: شرطیہ منفصلہ میں اداۃ شرط نہیں ہوتا' پھر اس کو شرطیہ کیوں کہا؟

س: شرطیہ متصلہ موجبہ کی صورتیں اور ان کا نقشہ تحریر کریں

س: شرطیہ متصلہ سالبہ کا نقشہ تحریر کریں نیز یہ بتائیں کہ اس میں مقدم یا تالی کا سالبہ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

س: شرطیہ متصلہ سالبہ کی قرآن کریم سے مثال ذکر کریں

س: قضیہ شرطیہ میں کسی جزء کو حذف پائیں تو پھر قضیہ کیسے پورا کریں گے؟

س: لَوْلَا اور اِنْ کے معانی ذکر کر کے ہر ایک کی مثال پیش کریں

شرطیہ منفصلہ وہ قضیہ ہے کہ اس میں دو چیزوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کے ثبوت یا نفی کا حکم کیا جاوے اگر جدائی کا ثبوت ہو تو اس کو منفصلہ موجبہ کہتے ہیں جیسے یہ شے یا تو درخت ہے یا پتھر ہے۔ دیکھو اس قضیہ میں درخت اور پتھر کے درمیان جدائی ثابت کی گئی ہے کہ ایک ہی شے درخت اور پتھر دونوں نہیں ہو سکتی ا۔ اور اگر جدائی کی نفی کی گئی ہو تو اس قضیہ کو منفصلہ سالبہ کہتے ہیں جیسے یوں کہیں یہ بات نہیں ہے کہ یا تو سورج نکلا ہو یا دن موجود ہو یعنی ان دونوں باتوں میں جدائی نہیں بلکہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ ۲۔

شرطیہ منفصلہ کے لیے او' اما عموماً" استعمال ہوتے ہیں۔ واو بھی اِمّا کے ساتھ آ سکتا ہے۔ اَم اگرچہ انفصال کا معنی دیتا ہے لیکن یہ استفہام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ہاں اگر اس کا لازم معنی لے لیا جائے تو اس سے قضیہ شرطیہ بن سکتا ہے۔ او کی مثال ربکم اعلم بکم ان یشا یرحمکم او ان یشا یعذبکم' "تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے' اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تمہیں عذاب دے" ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما' "وہ شخص اگر امیر ہے تو اور اگر غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے" قالوا ساحر او مجنون "انہوں نے کہا جادوگر ہے یا مجنون ہے"

فائدہ: مغنی اللبیب وغیرہ میں او کے اور بھی معانی لکھے ہیں مثلاً بَل یا اِلّا کے معنی میں آتا ہے۔ اس وقت اگر منفصلہ کی تینوں قسمیں میں کسی میں آ جائے تو منفصلہ بن جائے گا ورنہ نہیں جیسے فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ "تو وہ پتھروں کی طرح بلکہ زیادہ سخت" یہ مانعۃ الخلو ہے۔ واللہ علم۔

اما کی مثالیں وآخرون مرجون لامر اللہ اما یعذبھم واما یتوب علیھم' "اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے یا وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کو معاف کرے" اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا' "خواہ سزا دو اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو" جاء نی اما زید واما عمرو

فائدہ: جس طرح نحوی طور پر جملہ کے مرکب ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں اسی

ا۔ کیونکہ درخت ہوگی تو پتھر نہ ہوگی اور پتھر ہوگی تو درخت نہ ہوگی تو معلوم ہوا کہ دونوں میں جدائی اور علیحدگی ہے۔ ۱۲ج ۲۔ چنانچہ ایک وقت میں جمع ہوتے ہیں۔ ۱۲ ج

طرح قضیہ حملیہ و شرطیہ کے مرکب ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ہم صرف چند مثالوں کی ترکیب یا تحلیل منطقی پر اکتفا کرتے ہیں بقیہ کو اس پر قیاس کرلیں۔

مثال: لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ

(لو) (شاء اللہ) (ما تلوتہ علیکم ۔ و ۔ لا ادارکم بہ)

= (اداۃ اتصال) (مقدم) ۔ معطوف علیہ معطوف ملکر مرکب غیر تقییدی تالی)

مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا

مثال: ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون

(من) (یتعد حدود اللہ) (فاولئک ھم الظالمون)

= (موضوع) (قضیہ حملیہ مقدم) (قضیہ حملیہ تالی)

مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ ہو کر محمول۔ موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہوا۔

مثال: وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان اللہ یعلمہ

(ما) (انفقتم من نفقۃ ۔ او ۔ نذرتم من نذر) (فان اللہ یعلمہ)

(موضوع) (قضیہ حملیہ مقدم ۔ اداۃ انفصال ۔ قضیہ حملیہ تالی مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ منفصلہ ہو کر مقدم) (قضیہ حملیہ تالی) مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ ہو کر محمول موضوع محمول مل کر قضیہ حملیہ ہوا۔

مثال: وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ

ان (تبدوا ما فی انفسکم ۔ او ۔ تخفوہ) (یحاسبکم بہ اللہ)

= اداۃ اتصال (قضیہ حملیہ مقدم۔ اداۃ انفصال ۔ قضیہ حملیہ تالی مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ منفصلہ ہو کر مقدم) (قضیہ حملیہ تالی) مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا۔

مثال: ان فی ذلک لآیۃ ان کنتم مؤمنین

(ان فی ذلک لآیۃ) ان (کنتم مؤمنین)

= (قضیہ حملیہ تالی) اداۃ اتصال (قضیہ حملیہ مقدم) مقدم تالی سے مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا۔

مثال: وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما اتیتم

ان(اردتم ان تسترضعوا اولا دکم) (فلا جناح علیکم) (اذا سلمتم ما اتیتم)

= اداۃ اتصال (مقدم) (تالی) (مقدم) مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہو کر تالی ہوئ مقدم اول کے لیے مقدم تالی مل کر قضیہ شرطیہ متصلہ ہوا

تدریب

س: مندرجہ ذیل قضایا کے بارہ میں بتائیں کہ شرطیہ متصلہ ہیں یا منفصلہ نیز ترکیب منطقی بھی کریں۔

فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا وکذبوا باٰیاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون

وان لا تغفرلی و ترحمنی اکن من الخاسرین' وان یاتوکم اساری تفادو ھم

ما تاتینا فنحدثنا' واذ قتلتم نفسا" فادارأتم فیھا

کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا' فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ

اینما تکونوا یأت بکم اللہ جمیعا' واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا' کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة

فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم' ولو شاء اللہ ما اقتتل الذین من بعدھم (اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ) الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر' فلما وضعتھا قالت رب انی وضعتھا انثی' واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون' واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزة بالاثم فحسبہ جھنم و لبئس المھاد

س: مندرجہ ذیل قضایا میں حملیہ اور شرطیہ کو جدا جدا کریں۔

انک من تدخل النار فقد اخزیتہ' ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ' الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم' فان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا"

فرھان مقبوضۃ' وما تنفقوا من خیر یوف الیکم

س: مندرجہ ذیل امثلہ کے اندر خط کشیدہ الفاظ کو قضیہ شرطیہ کیسے بنائیں گے؟

قالوا کونوا ھودا" او نصاری تھتدوا' فاذکرونی اذکرکم' ثم ادعھن یاتینک سعیا' من ذا الذی یقرض اللہ قرضا" حسنا فیضاعفہ لہ' ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ' لیت لی مالا فانفق منہ فی سبیل اللہ' یا لیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا

شرطیہ متصلہ کی دو قسمیں ہیں لزومیہ اور اتفاقیہ

متصلہ لزومیہ وہ قضیہ ہے [1] جس کے مقدم یعنی پہلے قضیہ اور تالی یعنی دوسرے قضیہ میں کسی ایسی قسم کا تعلق ہو کہ جب اول پایا جائے تو دوسرا بھی ضرور ہو [2] جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن ہوگا۔ [3]

متصلہ اتفاقیہ وہ قضیہ شرطیہ متصلہ ہے کہ جس کے مقدم و تالی میں اس قسم کا تعلق نہ ہو بلکہ دونوں قضیئے اتفاقاً" جمع ہو گئے ہوں جیسے یوں کہیں کہ اگر انسان جاندار ہے تو پتھر بے جان ہے۔ [4]

اس مقام پر نہایت اہم ابحاث ہیں

بحث اول: ظاہری طور پر ہم بعض کاموں کا وقوع بعض پر موقوف پاتے ہیں مثلاً پانی پینے سے پیاس کا دور ہونا' کھانا تناول کرنے سے بھوک کا زائل ہونا اس طرح بعض چیزوں کو بعض صفات سے ایسا موصوف پاتے ہیں کہ ہمیں ان کی جدائی نہیں دکھائی دیتی جیسے آگ کا گرم ہونا لوہے کا وزنی ہونا وغیرہ۔

اس کے برخلاف بعض کام ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جن کا آپس میں ربط نہیں دکھائی دیتا مثلاً کوئی آدمی حج بیت اللہ کے لیے جائے اور وہاں اچانک اس کی کسی جانے پہچانے آدمی سے ملاقات ہو جائے اسی طرح آگ گرم پانی سرد ہے یہ دونوں باتیں الگ الگ لازم ہیں مگر

---

[1] یعنی وہ قضیہ شرطیہ متصلہ ہے۔۱۲ ج [2] یعنی ضرور ساتھ ساتھ ہوں۔۱۲ ج [3] کیونکہ سورج نکلنے پر دن ہونا ضروری ہے۔۱۲ ج [4] کیونکہ انسان کے جاندار ہونے پر پتھر کا بے جان ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اگر پتھر بے جان نہ ہوتا تب بھی انسان جاندار ہوتا برخلاف پہلی مثال کے کہ اگر سورج نہ نکلتا تو دن نہ ہو سکتا۔۱۲

ایک کا دوسرے سے کوئی تلازم نہیں ہے اگر بالفرض آگ گرم نہ ہوتی تو کیا پانی سرد نہ ہوتا۔ پہلی قسم کو لزومیہ دوسری کو اتفاقیہ کہا جاتا ہے۔

بحث ثانی: اسلامی عقیدہ حقہ کے اعتبار سے ہر کام کا ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم سے ہوتا ہے ہر کام وجود کے بعد ہی ہوتا ہے چونکہ کائنات کا وجود عطاء خداوندی ہے اس لیے اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہو سکتا ہے۔ پھر کچھ کام اللہ تعالیٰ نے وسائل کے ساتھ مرتبط کر دیے ہیں لیکن وسائل کو اختیار کرنے کے بعد بھی کام کا ہونا بغیر خداوند قدوس کی اجازت کے نہیں ہو سکتا وسائل کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ کی ضرورت ہے اور مافوق الاسباب کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت خاصہ کی۔ آگ گرم ہوتی ہے۔ یہ گرمی اس کا ذاتی کمال نہیں ہے ماچس کی سلائی کو ڈبیہ سے رگڑتے ہیں تو آگ پیدا ہوتی ہے ڈبی جدا ہو جاتی ہے سلائی اور مصالحہ جل جاتا ہے تو آگ کی گرمی کا کمال' ان فانی اشیاء کی طرف منسوب کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر دوائی دے دیتا ہے لیکن دوائی کے ساتھ شفا کا پیدا کرنا جسم کے مزاج کو بدلنا یہ تو ڈاکٹر کا کام نہیں ڈاکٹر اپنے گھر مریض اپنے گھر۔

شاگرد: استاد جی! مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا فرق واضح نہیں ہوا۔

استاد: زخمی کی مرہم پٹی ڈاکٹر کرتا ہے ہو سکتا ہے فائدہ ہو ممکن ہے مرض مزید بڑھ جائے اسی طرح ایک آدمی سویا ہوا ہے کوئی شخص چھری اس کی گردن کاٹنے کے لیے لے آیا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوئے ہوئے کی موت یقینی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اچانک جاگ کر اس کو دبوچ لے یا چھری چلانے سے پہلے اچانک یا کسی واضح سبب کے ساتھ مارا جائے دل کا دورہ پڑ جائے یا کوئی سانپ اچانک ڈس لے۔ یہ سب ماتحت الاسباب ہے تو اسباب کے درجہ میں مخلوق کے پاس نہ علم کامل ہے نہ قدرت کاملہ۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے اس کو پورا کرتا ہے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا وہ کسی کو زندگی دینا چاہے ہزار کوشش کی جائے اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کے سارے اختیاری کام اسباب کے درجہ میں ہیں۔ ان کو اسباب ہی سمجھنا چاہیے۔ مخلوق کا کوئی فرد نہ مختار کل ہے اور نہ ہر ہر چیز کا جاننے والا۔

فائدہ: جب بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو خواہ اس کی دعا قبول ہو یا نہ ہو' بہرحال اللہ تعالیٰ کو اختیار تو ہے یہ تو نہیں حکم دیا گیا کہ دعا اس طرح کرو کہ یا اللہ اگر تو نے اس کو

میری قسمت میں لکھا ہے تو دے دے بلکہ گڑگڑا کر ہر ضرورت اس سے طلب کرو' وہ جو کچھ دے گا کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر اگر ایک ہی کام کے لیے دو آدمی دعا کرتے ہیں مثلاً" ایک لڑکی کے لیے دو یا زیادہ رشتہ کی دعا کرتے ہیں تو خالق کائنات جس کے لیے چاہے فیصلہ کر دے اور چاہے تو دونوں کو نہ دے اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ دونوں کیا اور کیوں مانگ رہے ہیں اس کا علم بھی کامل اور اختیار بھی کامل ہے۔

اس کے برخلاف اگر دو آدمی دو بزرگوں سے حاجت روائی کرتے ہیں ایک ہی لڑکی سے شادی کے خواستگار ہیں تو کیا دونوں بزرگوں کو دعا کرنے والوں کی حاجت روائی کی قدرت ہے وہ بزرگ اپنے مریدوں کی دعا قبول کریں گے تو ایک عورت سے دو مردوں کا نکاح کیسے ہو گا۔ بلکہ اگر ایک مرید اپنے پیر کے پاس جا کر کسی لڑکی سے رشتہ کے لیے دعا کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ نے اس لڑکی کی تقدیر کسی اور کے ساتھ کر دی ہے یا خدا تعالیٰ نے اس لڑکی کی عمر ہی تھوڑی رکھی ہے تو بتائیں وہ بے چارہ بزرگ اس لڑکی کا رشتہ کیسے کرائے گا۔ کیا خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے خلاف اس کو اختیار ہے۔ ہرگز نہیں تو پھر ایسے عاجز سے دعا کرنے کا کیا فائدہ ؟

شاگرد: استاد جی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر بھی حاجت روا ہیں ؟

استاد: یہ ان کی ناکام چال ہے بھلا بتلائیں کہ ڈاکٹر کو شفا دینے والا سمجھتے ہیں کیا ڈاکٹروں سے غلطی نہیں ہو جاتی کیا ہر ڈاکٹر کو ایک جیسا شفا کنندہ و علم والا جانتے ہیں کیا ڈاکٹروں کو ملازم نہیں رکھا جاتا کیا ان کو کبھی کبھی ڈانٹا نہیں جاتا مگر اولیاء کو ان سب سے پاک جانتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر کو حاجت روا مانتے ہیں تو ہر مشکل میں اس کو کیوں نہیں پکارتے؟ الغرض دوائی لینا تحت الاسباب ہے اور پیروں سے حاجت روائی مافوق الاسباب درجہ کی کرتے ہیں۔

بحث ثالث: حقیقی علت تو ہر کام کی خدا تعالیٰ کا حکم ہے ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن پھر اس کو وسائل کی قطعاً" ضرورت نہیں ہے اس نے اپنی حکمت سے بعض چیزوں کو بعض کا ذریعہ بنا دیا ہے انسان ظاہر کے اعتبار سے اس ذریعہ کو علت اور دوسری کو معلول قرار دیتا ہے پھر دو چیزوں کا اکٹھا پایا جانا یا تو ان میں سے ایک دوسرے کی علت ہو گا یا

وہ دونوں بغیر ظاہری تعلق کے پائے جاتے ہیں۔ جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہو گا حالانکہ خدا تعالیٰ چاہے تو بغیر سورج کے روشنی عطا کر دے اور دن نکل آئے۔

اور اگر چاہے تو سورج کے نکلنے کے بعد اس کی روشنی کو سلب کر لے یا زمین پر اندھیرا مثل رات کے رہے اسی طرح آگ کا گرم ہونا انسان اس کو لازم سمجھتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ حکم دے تو آگ سرد ہو جائے گی۔ (انظر تقریر دل پذیر ص ۴۳/۴۳)

دنیا کی آگ میں کسی کو ڈال دیا جائے زندہ نہیں رہتا مگر ابراہیم علیہ السلام نہایت خیر و عافیت سے رہے دوزخی دوزخ میں جائیں گے انتہائی خوفناک عذاب ہو گا نہایت شدید آگ ہوگی مگر مریں گے نہیں کیونکہ مرنے کی علت آگ نہیں بلکہ حکم خداوندی ہے بلکہ آگ کے اندر ان کی کھال جل کر دوبارہ بنتی رہے گی۔ اسی طرح جنت میں جانے کی حقیقی علت رحمت خداوندی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت ہی سے نیک اعمال کو اس کا سبب بنا دیا ہے بشرطیکہ وہ اعمال قبول ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لن ینجی احدا منکم عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ منہ برحمتہ فسددوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشیٔ من الدلجۃ والقصد القصد تبلغوا متفق علیہ (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۳۲۔ مظاہر حق ج ۲ ص ۳۰۸۔ بخاری حاشیہ سندی ج ۴ ص ۱۲۳۔ وانظر ایضا صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۱۶۹ الی ۲۱۷۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہ دے گا۔ صحابہ نے کہا اور نہ آپ کو یا رسول اللہ؟ فرمایا آپ نے اور نہ مجھ کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانک لے پس عمل درست کرو اور میانہ روی کرو۔ اور دن کے شروع اور آخری حصہ میں عبادت کیا کرو اور کچھ رات کو یعنی تہجد پڑھو اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرو۔ میانہ روی اختیار کرو، تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا

فانہ لن یدخل احدا الجنۃ عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ بمغفرۃ ورحمۃ (بخاری مع حاشیہ سندی ج ۴ ص ۱۲۴)

"پس بے شک کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا اور نہ آپ کو یا رسول اللہ؟ فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔"

بحث رابع: انسان اپنے روز مرہ کے کام کاج کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے کچھ کام اختیاری ہیں کچھ دائرہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً" آدمی کا کالا گورا ہونا مرد یا عورت ہونا کسی خاص ملک میں پیدا ہونا ایسے کاموں کو تقدیری امور قرار دیا جاتا ہے ان کی وجہ سے انسان اجر و ثواب یا عذاب وعقاب کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس پر ملامت ہوتی ہے۔ مثلاً" کسی عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے کوئی ثواب یا گناہ نہیں اور نہ ہی شرعی طور پر اس وجہ سے اس سے مواخذہ ہو گا۔ انسان بہت سے کام اپنے اختیار سے کرتا ہے مثلاً" کاروبار کرتا ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات ہیں یا چوری ڈاکہ وغیرہ گناہ ہیں بے اختیار تو سر زد نہیں ہو جاتے اپنے کاموں کی وجہ سے انسان ثواب و عتاب کا استحقاق رکھتا ہے۔ لیکن یہ جان لے کہ ان کا کرنا نہ کرنا بھی حقیقت میں خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ مگر یہ حکم خداوندی انسان کو دکھائی تو نہیں دیتا انسان یہی سمجھتا ہے کہ میں اختیار سے کر رہا ہوں ایک انسان چوری کرتا ہے اس کو پتہ ہے کہ اختیار سے کر رہا ہے۔ پھر تقدیر کو بہانہ کیوں بناتا ہے۔

شاگرد: استاد جی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ابوجہل کی قسمت میں جب کفر لکھا تھا تو اس کا کیا قصور کہ جہنم میں ڈالا جائے۔

استاد: یہ تو مدعی ست گواہ چست والی بات ہے بھلا جو بہانہ ابوجہل نے پیش نہ کیا یہ وکالت کرنے والے پیش کر رہے ہیں بھلا کیا قیامت میں ابوجہل کی صفائی دو گے۔ کیا تمہاری وکالت اس کو جنت میں لے جائے گی؟ دیکھئے انسان اپنے کام اختیار سے کرتا ہے یہ تو بدیہی چیز ہے۔ (۱)

اسی کی وجہ سے احکام دیے جاتے ہیں۔ رہا یہ کہ اس اختیار سے پیچھے کس کا اختیار

---

(۱) انسان کو اپنا اختیار بداہتہ" معلوم ہے جبکہ مسئلہ تقدیر نظری ہے' دلائل شرعیہ سے مانا جاتا ہے حیرت کی بات ہے کہ بدیہی چیز کا انکار کر کے نظری کا سہارا وہ لوگ لیتے ہیں جو تقدیر پر حقیقتاً ایمان نہیں لاتے

ہے یا یہ کہ یہ اختیار انسان کا اپنا ہے یا عطاء خداوندی ہے۔ کیا خالق نے انسان کو پیدا کر کے مستقل کر دیا یا ہر کام خالق کے ارادے اور مشیت سے پورا کرتا ہے تو یہ تقدیر کا نظام بڑا وسیع نظام ہے۔ تشریع کا تعلق دنیا کے ان کاموں سے ہے جو انسان کے بداہتہ" اختیار میں ہیں جبکہ تکوین و تقدیر کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے اور کائنات کے ہر ذرے سے یکساں ہے اگر انسان یہ کہے کہ کافر کو جہنم میں کیوں ڈالا جائے گا تو اگر تشریع کو دیکھیں تو انسان کے کفر اختیاری کی وجہ سے اور اگر تکوین کو دیکھیں تو جیسے دنیا میں کسی کو مرد یا عورت بنایا آخرت میں جنتی یا دوزخی کر دیا خالق کی مخلوق ہے جہاں چاہے جگہ دے جیسا چاہے رکھے ارشاد باری تعالیٰ ہے ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الانس والجن "اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے انسان اور جن پیدا کیے"

لیکن یہ یاد رکھنا کہ انسان کو تقدیر کی وجہ سے مزید خوف ورجا حاصل ہونا چاہیے۔ یہ سوچ لینا کہ اگر میرا دوزخی ہونا مقدر ہے تو اعمال سے کیا حاصل بڑی بے خوفی کی بات ہے چاہیے تو یہ کہ ایک لمحہ کے لیے آدمی بے فکر نہ رہے عذاب خداوندی سے بے خوفی تو کفر ہے خواہ تقدیر کو بہانہ بنائیں یا نہ۔

تنبیہہ : مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ مسئلہ تقدیر کی وجہ سے کسی کافر کی وکالت کرے ہمارا پروردگار ہرگز ظلم نہیں کرے گا۔ وما ربک بظلام للعبید لیکن خطرہ یہ ہے کہ کافر کی وکالت کی وجہ سے کہیں یہ وکیل بھی مجرم نہ قرار پا جائے کیونکہ عدالت کے فیصلے پر تنقید توہین عدالت ہوتی ہے اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اس وکیل کو بھی ان کافروں کے ساتھ سزا دے جن کو یہ مظلوم اور بے قصور سمجھ رہا ہے۔ والعیاذ باللہ

لطیفہ : ایک آدمی باغ میں چلا گیا وہاں سے پھل چرانے لگا مالک نے پکڑ لیا اور اس کو مارنے لگا وہ چور کہنے لگا کہ میرا کیا قصور؟ یہ تو میری قسمت میں تھا۔ مالک نے اس کو خوب مارا اور کہا یہ مار بھی تیری قسمت میں ہے میرا کیا قصور؟

اسی طرح اگر کوئی انسان دنیا میں برائیاں کرنے کے لیے تقدیر کو بہانہ بناتا ہے تو آخرت میں بھی جہنم کو اپنی تقدیر سمجھے جبکہ مومنین دنیا میں گناہوں سے بچتے ہیں اور ایمان و اعمال صالحہ کو خدا تعالیٰ کی رحمت جانتے ہیں جب اس کی جزاء جنت میں پائیں گے تو اللہ کا شکر ادا کریں گے اپنا کمال نہ سمجھیں گے۔ اور کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما

کنا لنهتدی لولا ان هدانا اللہ "اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور نہیں تھے ہم کہ ہدایت پاتے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا" ولو لا نعمة ربی لکنت من المحضرین "اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ہوتا انہیں میں جو پکڑے ہوئے آئے" بلکہ دنیا میں بھی کہتے ہیں واللہ لولا اللہ ما اهتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا "اللہ کی قسم اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے" اس کے برعکس کفار دنیا میں کہتے ہیں لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباؤنا "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا" اور آخرت میں کہیں گے ربنا غلبت علینا شقوتنا وکنا قوما" ضالین ربنا اخرجنا منها فان عدنا فانا ظلمون "اے ہمارے رب، ہماری کم بختی نے ہمیں گھیر لیا اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے۔ اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے، اگر ہم پھر کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں"

ہو نیز کہیں گے فحق علینا قول ربنا انا لذائقون (الصافات ۳۱) "پس ثابت ہو گئی ہم پر بات ہمارے رب کی، بے شک ہم کو مزہ چکھنا ہے" واضح رہے کہ کفار مسئلہ تقدیر کو صرف استہزاء پیش کرتے ہیں جبکہ مومنین اس پر ایمان لاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

انسان دنیا کے اندر اپنی مرضی کے مطابق بے شمار چیزوں کو بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے، جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا ہے، ہڈیاں توڑتا ہے اور پکا کر بھون کر مزے سے کھاتا ہے۔ بے شمار چیزوں کو آگ پر گرم کرتا ہے۔ لوہے کو پگھلاتا ہے۔ ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ انسان خدا کا بن جائے۔ بکرے نسل در نسل انسان کے لیے جان قربان کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو کسی اور مخلوق کی غذا بنا دیتا تو اس کو کون روک سکتا تھا؟ پھر عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح انسان ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے، ان چیزوں کو بھی موقع دیا جائے کہ انسان سے اپنا بدلہ لیں۔ اور انسان کو اعتراض کی گنجائش نہ ہو۔ مگر یہ بھی خالق کا احسان ہے کہ اس کی فرماں برداری کر کے انسان ہمیشہ کے لیے اشرف المخلوقات بن سکتا ہے۔ البتہ اگر انسان اپنے اختیار سے خدا کی نافرمانی ہی کرتا ہے تو جس طرح دنیا کے اندر انسان کے سامنے یہ کائنات مسخر ہے، اس کا بدلہ وہاں جہنم میں اس سے لیا جائے گا۔ آگ میں جلایا جائے گا، اس کی کھال اتاری جائے گی، اس کو بھونا جائے گا، جس طرح بھوکا انسان کھانے پر ترس نہیں کرتا اسی طرح وہاں کا

عذاب کافر کے لیے بھوکا ہے بلکہ جہنم تو کافر کو پکارے گی۔ اگر بکروں کی نسل کا انسان کے لیے ذبح ہوتے رہنا ظلم نہیں ہے تو کافر کا جہنم کی مخلوق کی غذا بننا اور جہنم کا کافر کو عذاب دے کر سکون حاصل کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے۔ اور اگر اس کو ظلم کہتا ہے تو جانوروں کو کھانا' ان کا دودھ پینا چھوڑ دے بلکہ کسی چیز کو نہ کھائے نہ پیئے اور نہ ہی زمین پر قدم رکھے نہ اس کو گندہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے ہمیں ایمان واعمال صالحہ پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔ جہنم وعذاب قبر سے محفوظ فرمائے۔

فائدہ: گزشتہ بحث سے معلوم ہو گیا کہ وسائل بھی تقدیر کا حصہ ہیں اس لیے وسائل کا اختیار کرنا ایمان بالقدر کے منافی نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ارایت رقی نسترقیھا ودواء نتداوی بہ و تقاۃ نتقیھا ھل ترد من قدر اللہ شیئا قال ھی من قدر اللہ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ ج ۱' ص ۳۶)

"اے اللہ کے رسول خبر دیجئے مجھے جھاڑ پھونک کے بارہ میں جس کو استعمال کرتے ہیں اور ان دواؤں کے بارہ میں جن سے علاج کرتے ہیں اور دفاع کی چیزوں کے بارہ میں جن کے ساتھ ہم دفاع کرتے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال دیتی ہیں؟ فرمایا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر سے ہیں۔"

مسئلہ تقدیر پر مفصل کلام حضرت نانوتوی کی کتب بالخصوص مباحثہ شاہ جہانپور اور تقریر دل پذیر میں ملتا ہے اور مسئلہ تقدیر نہایت نازک مسئلہ ہے ہر کسی کو اس میں الجھنا خطرے کی بات ہے۔

وکیل احناف حضرت امام طحاوی" اپنی مشہور کتاب عقیدہ طحاویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

واصل القدر سر اللہ تعالیٰ فی خلقہ لم یطلع علی ذلک ملک مقرب ولا نبی مرسل والتعمق والنظر فی ذلک ذریعۃ للخذلان و سلم الحرمان و درجہ الطغیان فالحذر کل الحذر من ذلک نظرا و فکرا ووسوسۃ فان اللہ تعالیٰ طوی علم القدر عن انامہ ونھاھم عن مرامہ کما قال تعالیٰ فی کتابہ لا یسال عما یفعل وھم یسالون (الانبیاء ۲۳) فمن سال لم فعل؟ فقد رد حکم الکتاب ومن رد حکم الکتاب کان من الکافرین (عقیدہ طحاویہ ص ۱۲' ۱۳)

بحث خامس: یہ بات واضح ہو گئی کہ تقدیر کے اندر اللہ تعالیٰ نے بعض امور کو

دوسرے کے لیے وسائل بنایا ہے بعض کو نہیں تو متلازمین میں ایک کے پائے جانے سے دوسرے پر استدلال درست ہے لیکن غیر متلازمین میں ایک کے وجود سے دوسرے پر استدلال درست نہیں ہے۔ دیکھئے بیٹے کے وزیر اعظم بننے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس کا باپ وزیر اعلیٰ تھا۔

باپ کی وفات سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ اس کا بیٹا ضرور زندہ ہو۔ ممکن ہے کہ بیٹا پہلے چلا جائے۔ الغرض اتفاقیات میں ایک کے پائے جانے سے دوسرے کا پایا جانا یا نہ پایا جانا لازم نہیں آتا بلکہ اس کے لیے ہمیں الگ سے دلیل کی ضرورت ہے۔

چند اتفاقیات جن کو مفسد لوگ بطور لزومیہ کے پیش کرتے ہیں۔

(۱) اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں قرب قیامت کو نازل ہوں گے۔ مرزا قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کو سچا کرنے کے لیے ایک طریقہ یہ اختیار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاۃ کا انکار کر دیا کہنے لگا وہ فوت ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے بارے میں احادیث موجود ہیں وہ یہی مرزا قادیانی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ نہیں تو اس کا مرزا قادیانی کی نبوت سے کیا تعلق؟ نبی تو نبی ہم اس قادیانی کو مسلم ہی تسلیم نہیں کرتے۔ مرزا کی ذریت نے بھی اس کی چال چلی ہے کسی مسلمان کو گمراہ کرنے کے لیے حیات عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ چھیڑتے ہیں یاد رکھو اصل اختلاف مرزائیوں سے وہ قادیانی کی نبوت کا ہے اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں تو بتائیں قادیانی نبی کیسے ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب یا اسود عنسی نبی کیوں نہ بن گیا؟ وجہ فرق بتائیں۔

(۲) غیر مقلد اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لیے حنفیہ کی تردید کرتے ہیں بالفرض اگر حنفی غلط ہیں تو کیا غیر مقلد سچے ہوں گے اگر حنفی کی نماز نہیں ہوتی تو کیا غیر مقلد کی ضرور قبول ہوگی۔ جس طرح حنفیہ کی ہر ہر بات کا جائزہ لیا جاتا ہے غیر مقلد اپنے تمام اقوال و افعال کو قرآن و حدیث پر پیش کریں کیا ان کا نام اہل حدیث نص قطعی سے ثابت ہے پھر ان میں سے کون سا گروہ ثنائی روپڑی وغیرہ میں سے سچا اور برحق ہے اور کس دلیل سے۔ کیا ان کی نماز کا ہر ہر عمل حدیث صحیح سے ثابت ہے جرات ہے تو پیش کریں دیدہ باید۔

(۳) بریلوی حضرات اپنے شرک پر پردہ پوشی کرنے کے لیے اکابر علماء دیوبند کی بعض

نامکمل عبارتوں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء دیوبند نے یہ گستاخیاں کی ہیں اول تو ہرگز ان کی عبارتوں کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں علاوہ ازیں اگر بالفرض وہ مطلب بھی ہو تو کیا ان عبارتوں کی وجہ سے ان مشرکین کا شرک معاف ہو جائے گا؟

باطل کا ہمیشہ یہی طریقہ کار رہا ہے کہ اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کے لیے حق پر بیجا اعتراضات شروع کر دیتا ہے' حالانکہ اس طرح باطل حق نہیں بن جاتا ارشاد باری تعالیٰ ہے

قل ارایتم من اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم "آپ کہئے کہ تم یہ بتلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرماوے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا" ان اتفاقیات سے حق واضح نہیں ہوتا بلکہ ہر فرقے کو اپنے حق ہونے پر مستقل دلیل چاہئے اور ہم نے تصورات کی بحث میں اپنے مسلک کا تعارف کروایا ہے۔ مزید تفصیلات ان شاء اللہ آگے آئیں گی۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جو کمالات عطا کیے ہیں وہ سب اس کی اپنی مرضی سے ہیں ایک کے کمالات کو دیکھ کر دوسرے پر حکم لگانا ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے دلیل کی حاجت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے علم شرعی سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں پر علم میں بالخصوص ممتاز ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ حضرت نانوتویؒ نے تحذیر الناس میں اس کو ثابت کیا ہے) مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ مخلوق کے کسی فرد کو جو کچھ معلوم ہو انبیاء علیہم السلام کو معلوم ہو۔ ان دونوں کے درمیان میں کوئی تلازم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے۔

قال احطت بمالم تحط بہ وجئتک من سبأ بنبأ یقین "میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس ملک سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی"

دوسری جگہ حضرت سلیمان اور نملہ کا واقعہ ہے حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یا ایھا النمل ادخلو مساکنکم لا یحطمنکم سلیمان وجنودہ وھم لا یشعرون "یہاں تک کہ جب فوج پہنچی چیونٹیوں کے میدان پر' کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں' نہ پیس ڈالیں تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو"

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ مشہور ہے۔ حضرت خضرؑ نے موسیٰ سے کہا

تھا ی موسی انی علی علم من اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلمہ "اے موسیٰ مجھے اللہ کی طرف سے ایسا علم حاصل ہے جس کو تو نہیں جانتا اور تجھے اللہ نے وہ علم سکھایا ہے جس کو میں نہیں جانتا" (بخاری ج ۲ ص ۶۸۸ مسلم ج ۲ ص ۲۶۹ بحوالہ ازالتہ الریب ص ۱۷۹)

حالانکہ یہ بات قطعی ہے کہ موسیٰؑ حضرت خضرؑ سے افضل ہیں اس قسم کی بہت سی باتیں آپ کو ازالتہ الریب کے پانچویں باب میں مل جائیں گی ہمیں تو اتنا بتانا مقصد ہے کہ کسی نیک یا برے انسان فرشتہ یا جن کے بارہ میں کسی علم یا عمل کا پتہ چلے تو یہ اس کی دلیل نہیں ہو تا کہ اس کا ثبوت انبیاء کے لیے بھی ہو جائے بلکہ اس کے لیے ہمیں دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر اثبات کی دلیل ہو تو مانیں گے نفی کی ہو تو انکار کریں گے کسی کی دلیل نہ ہو تو سکوت کریں گے۔

امام طحاویؒ نے ایک مقام پر کیا خوب فرمایا ہے۔

لان العلم علمان: علم فی الخلق موجود و علم فی الخلق مفقود فانکار العلم الموجود کفر وادعاء العالم المفقود کفر کیونکہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو مخلوق میں موجود ہے دوسرے وہ علم جو مخلوق میں غیر موجود ہے تو موجود علم کا انکار کفر ہے اور غیر موجود علم کا دعویٰ کرنا کفر ہے (عقیدہ طحاویہ ص ۱۳ / ۱۴)

اندازہ فرمایئے معاملہ کتنا نازک ہے صرف عقیدت کام نہ دے گی۔ عشق رسالت کا محض دعویٰ نجات نہ دلائے گا۔ اگر آج کافر ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہے تو کیا آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام کے لیے ان کو ثابت کرو گے۔ اسی طرح یہ قیاس فاسد ہے کہ شیطان سارے انسانوں کو گمراہ کرتا ہے اور زمین میں ہر جگہ آتا جاتا ہے تو جب شیطان حاضر ناظر ہو سکتا ہے تو نبی ﷺ حاضر ناظر کیوں نہیں ہو سکتے۔

یا یوں کہنا کہ ملک الموت پورے جہاں میں ارواح قبض کرتا ہے اور وہ پورے عالم میں آتا جاتا ہے یا اسے پورے عالم کے نیک و بد آدمیوں کا علم ہے لہذا نبی ﷺ کو جو ان سے افضل ہیں ساری دنیا کا علم کیوں نہ ہو گا۔ (انظر انوار ساطعہ ص ۵۱ تا ص ۵۴)

یہ استدلال کئی وجہ سے مخد ہے ایک بات تو یہ کہ نص کے مقابلہ میں قیاس غیر

معتبر ہے' امام طحاوی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ غیر موجود علم کا دعویٰ کفر ہے۔

ثانیاً" : ہر مومن خواہ فاسق یا بدعتی ہو شیطان سے افضل ہے تو کیا جن جن چیزوں کا علم شیطان کو ہے ہر مومن کو ہے؟

ثالثاً" ملک الموت و ابلیس کا علم کیا یہ شرعی علم ہے جس کا حاصل ہونا باعث فضیلت ہے بلکہ ابلیس کا علم تو علم غیر نافع ہے اور ملک الموت کا علم تکوینی علم ہے ان کا وصف نبوت سے کیا تعلق کیا شیطانی علم کو انبیاء علیہم السلام کے لیے ثابت کرو گے حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی علم بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ تھا مگر افضلیت تو موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے۔

رابعاً" : صاحب انوار ساطعہ ہی لکھتے ہیں "اور تماشہ یہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے (ص ۵۳)

اس عبارت میں واضح طور پر مولف انوار ساطعہ نے لکھ دیا کہ بہت سی مجالس میں شیطان حاضر ہوتا ہے اور نبی ﷺ حاضر نہیں ہوتے مگر کوسا پھر بھی دیوبندیوں کو ہی جاتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ شیطان کو اعلم مانتے ہیں اور اصل مجرم کا دفاع کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو علم غیب ص ۷۸)

خامساً" : شیطان و ملک الموت کے بارہ میں کوئی مرفوع صحیح حدیث نہیں تفسیری روایات ہیں جن میں سے ایک روایت حضرت قتادہ سے یوں ہے۔ قال ملک الموت یتوفاکم ولہ اعوان من الملائکۃ (در منثور ج ۶ ص ۵۴۳)

حضرت اشعث بن شعیبؒ سے روایت ہے۔ قال سال ابراھیم علیہ السلام ملک الموت واسمہ عزرائیل ولہ عینان فی وجھہ وعین فی قفاہ فقال یا ملک الموت ما تصنع اذا کانت نفس بالمشرق و نفس بالمغرب و وضع الوباء بارض والتقی الزحفان کیف تصنع قال ادعوا الارواح باذن اللہ فتکون بین اصبعی ھاتین (در منثور ج ۶ ص ۵۴۲)

شیطان کے بارہ میں صحیح احادیث میں آتا ہے ان عرش ابلیس علی البحر فیبعث

سرایاہ فیفتنون الناس الحدیث (مسلم ج ۴ ص ۲۱۶۷)

آپ بتلائیں کیا ابلیس و ملک الموت پر قیاس کر کے جناب نبی کریم ﷺ کے لیے بھی ان امور کو ثابت کرو گے۔ نیز ان روایات سے ابلیس و ملک الموت کے ہر جگہ حاضر ہونے کی نفی ہو گئی تو قیاس کس پر ہوگا؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر براہین قاطعہ کی عبارت بمعہ قدرے توضیح کے ذکر کر دی جائے وضاحت کی عبارت قوسین میں بڑھائیں گے مولانا فرماتے ہیں۔

غور کرنا چاہیے کہ شیطان ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم ﷺ کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے (اور یہ بات گزر چکی ہے کہ بغیر دلیل شرعی کے علم غیب عطائی ماننا بھی ذاتی ماننے کے مترادف ہے لہٰذا شرک ہے (کما مر فی بحث التعریفات) شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی ابلیس کا ہر انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ رہنا اور ملک الموت کا مشرق و مغرب میں بیک وقت لوگوں کی روح قبض کرنا) نص (ظنی) سے ثابت ہے (یعنی اس کے بارہ میں آپ کے پاس تفسیری روایات ہیں جن سے عقیدہ تو ثابت نہیں ہوتا صرف ظن کا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر نبی ﷺ کو شیطان پر قیاس کرنا قیاس فاسد ہے کیونکہ شیطان کی معلومات یا آنا جانا گمراہی کے لیے ہے اور ملک الموت کی قدرت قبض ارواح کے لیے ہے۔ اس پر قیاس کر کے تم نبی ﷺ کے لیے یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ آپ عالم الغیب ہیں حاضر ناظر ہیں اور عقیدہ تو بغیر نص قطعی کے ثابت نہیں ہوتا لہٰذا آپ کے ذمہ یہ سوال ہے کہ تمہارا عقیدہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور آپ ہر ہر چیز کو جاننے والے ہیں کوئی غیب آپ سے پوشیدہ نہیں ہے تو بتلائیے کہ) فخر عالم ﷺ کی (اس قسم کی) وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے (ان) تمام نصوص (قطعیہ) کو رد کر کے شرک ثابت کرتا ہے (جو آپ کے حاضر و ناظر و عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہیں)' (ص ۵۲ براہین قاطعہ)

واضح رہے کہ مقیس علیہ یعنی ملک الموت یا ابلیس کا عالم الغیب ہونا ہرگز نہیں ہے تو ان پر قیاس کر کے کسی اور کو عالم الغیب کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ اگر شیطان، ملک الموت کے لیے مذکورہ وسعت مان بھی لی جائے تب بھی قیاس سے

عقیدہ کا اثبات درست نہیں ہے۔

(۵) کسی مخلوق کے لیے سماع یا حیاۃ کے عقیدہ کو یہ مستلزم نہیں کہ اس کو حاجت روا، مشکل کشا اور فریاد رس مانا جائے۔ دنیوی زندگی میں اولیاء زندہ ہیں، سنتے ہیں مگر نہ حاجت روا ہیں نہ مشکل کشا ہیں۔ شرک تب ہے اگر یہ مانا جائے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ سے سنتے ہیں اور ہر کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سماع الموتی ص ۹۳ تا ۱۰۰)

بحث سادس: نبی ﷺ سے دین اسلام کے جتنے مسائل امت کو پہنچے ہیں وہ بواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہنچے ہیں تو متاخرین کو نبی ﷺ کے کسی فعل یا قول کا علم ہو جائے، یہ اس کو لازم ہے کہ صحابہ کرام کو اس کا علم تھا مگر پاکستان کے غیر مقلدین نے تو صحابہ کرام پر ترک اعتماد کی حد ہی کر دی۔ جناب محمد صادق خلیل لکھتے ہیں۔

"پس آنحضرت ﷺ کے قول و عمل کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کے قول و عمل کو ترجیح دینا اور اس پر عمل پیرا ہونا صحیح نہیں ممکن ہے حضرات صحابہ کرام سنت نبوی سے ناواقف رہے ہوں۔" (نماز تراویح ص ۱۳)

یہ تو عین ممکن ہے کہ بعض صحابہ کرام آپ کے کسی عمل سے ناواقف ہوں لیکن سب صحابہ کرام اگر ناواقف ہوں تو آج کے غیر مقلدین کو نبی ﷺ کی سنت کی واقفیت کیسے ہوگئی؟

بحث سابع: بہت سے سائنس دان جو حقیقت میں دہریہ ہیں کہتے ہیں کہ کائنات کا نظام سارا اتفاقی ہے خود بخود چل رہا ہے اسلامی عقیدہ کی رو سے ساری کائنات کا نظام بایں معنی لزومی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و قدرت سے چل رہا ہے قدرے تفصیل ان شاء اللہ دلیل لمی و انی کے بیان میں آئے گی۔

شرطیہ منفصلہ کی دو قسمیں ہیں عنادیہ اور اتفاقیہ۔

عنادیہ: وہ منفصلہ ہے کہ جس کے مقدم اور تالی کی ذات ہی ان کے درمیان جدائی کو چاہتی ہو جیسے یہ عدد یا تو طاق ہے یا جفت دیکھو طاق اور جفت ایسے مقدم اور تالی ہیں کہ ان کی ذات جدائی کو چاہتی ہے ا۔ کبھی ایک شخص میں جمع نہ ہونگے۔

ا۔ کیونکہ جفت ان عددوں کا مجموعہ ہے جو برابر پورے تقسیم ہو سکیں جیسے دو چار چھ وغیرہ اور طاق وہ جو ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ جو طاق ہوگا جفت نہ ہوگا، جو جفت ہوگا طاق نہ ہوگا۔ ۱۲ ج

شرطیہ منفصلہ : کو کبھی ایک مبتدا اور دو خبر کے درمیان حرف تردید لا کر ذکر کیا جاتا ہے جیسے متن کی مثال' اور کبھی مقدم و تالی دونوں کو الگ الگ ایک شکل میں ذکر کیا جاتا ہے جیسے اما ان تلقی و اما ان نکون اول من القی "یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے" اسی طرح ان یشأ یرحمکم او ان یشأ یعذبکم "اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو عذاب دے"

پھر قضیہ منفصلہ کی دو طرح سے تقسیم کی جاتی ہے۔ ایک تقسیم میں لحاظ تنافی کا ہے' دوسری میں اجتماع کا

بلحاظ تنافی کے دو قسمیں ہیں عنادیہ' اتفاقیہ۔ اگر مقدم تالی کا مفہوم ایک دوسرے سے منافی ہو تو قضیہ عنادیہ کہلائے گا جیسے فجاء ھم باسنا بیاتا او ھم قائلون "کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے" کیونکہ معنی یہ ہے۔ فجاء ھم باسنا بیاتا او جاء ھم باسنا وھم قائلون

بیات کا معنی رات گزارنا اور قائلون قیلولہ سے ہے اس کا معنی ہے دن کو آرام کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذات کے اعتبار سے منافی ہیں اس طرح آیت کریمہ اما ان تلقی واما ان نکون اول من القی کیونکہ معنی یہ ہے اما ان تلقی اولا و اما ان نکون اول من القی

منفصلہ اتفاقیہ : وہ قضیہ منفصلہ ہے کہ جس کے مقدم اور تالی میں جدائی ذاتی نہ ہو بلکہ اتفاقاً ہو گئی ہو جیسے زید مثلاً لکھنا جانتا ہو اور شعر کہنا نہ جانتا ہو تو یوں کہنا صحیح ہو گا کہ زید لکھنے والا ہے یا شاعر ہے یعنی ان دونوں میں سے ایک بات ہے لیکن لکھنے اور شعر کہنے کے فن میں جدائی [۱] ضروری نہیں [۲] اس لیے کہ بعض لکھنا بھی جانتے ہیں اور شعر کہنا بھی۔

قرآن پاک سے اس کی مثال یہ ہے قالوا ساحر او مجنون "انہوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ" کافروں نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کو دو طعنے دیے اول ساحر دوم مجنون اللہ کے انبیاء علیہم السلام ان سے پاک تھے مگر ساحر اور مجنون کے درمیان تنافی اتفاقی

۱۔ یعنی لکھنے اور شعر کہنے کی ذات جدائی کا تقاضا نہیں کرتی بلکہ ویسے ہی اتفاق ہے۔ ۱۲ ج

۲۔ بالکل اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا ہے کہ زید میں دونوں باتیں جمع نہیں ورنہ بہت سے لوگوں میں جمع ہوتی ہیں۔ ۱۲ ج

ہے۔ اور ان دونوں میں عناد نہیں ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی اور شخص ساحر بھی ہو اور مجنون بھی۔

فائدہ : کبھی منفصلہ عنادیہ اور اتفاقیہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے ان تبدوا خیرا او تخفوه او تعفوا عن سوء اس میں تبدوا خیرا او تخفوه کے اندر تنافی عنادی ہے جبکہ او تعفوا عن سوء کو ما قبل سے ملائیں تو تنافی اتفاقی ہے۔

فائدہ : کبھی ایک قضیہ ایک ناحیت سے اتفاقیہ اور دوسری ناحیت سے عنادیہ ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ انا او ایاکم ھدی او فی ضلال مبین اس کے اندر انا او ایاکم کی تنافی میں دونوں احتمال ہیں اگر اس سے مراد وصف عنوانی ہو یعنی ان المومنین او الکفار تو تنافی عنادی ہے۔ اور اگر مراد اشخاص ہوں تو پھر تنافی اتفاقی ہے کیونکہ مد مقابل جو کفار تھے ان کا اسلام لانا ممکن تھا اور بہت سے ایمان بھی لائے بھی ہیں۔ جبکہ لعلی ھدی او فی ضلال مبین کے اندر تنافی عادی ہے۔ یہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

شرطیہ منفصلہ کی پھر تین قسمیں ہیں۔ حقیقیہ' مانعۃ الجمع' مانعۃ الخلو

حقیقیہ وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی میں ایسی جدائی اور انفصال ہو کہ دونوں ایک شے میں ایک دم سے نہ جمع ہوں اور نہ دونوں ایک شے سے ایک دم سے علیحدہ ہوں [۱]۔ ایک ہو تو دوسرا ہرگز نہ ہو اور ایک نہ ہو تو دوسرا ضرور موجود ہو۔

نہ تو یہ ہو گا کہ دونوں ہوں اور نہ یہ ہو گا کہ دونوں نہ ہو جیسے یہ عدد یا تو طاق ہے یا جفت دیکھو ایک عدد یا تو طاق ہو گا یا جفت ہو گا دونوں نہ ہوں گے [۲]۔ اور نہ یہ ہو گا کہ کوئی عدد ایسا ہو کہ نہ طاق ہو اور نہ جفت۔

بعض علماء کے نزدیک قضیہ منفصلہ میں دو سے زیادہ اجزاء بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن پاک سے اس کی مثال واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبہ او قاعدا" او قائما اس

---

[۱] یعنی ان میں سخت جدائی ہے کہ وجود میں بھی جدا رہتے ہیں یعنی اگر ایک موجود ہو تو دوسرا معدوم ہو گا۔ اگر ایک معدوم ہو تو دوسرا موجود ہو۔ ۱۲ شف [۲] یعنی ایسا نہ ہو گا کہ ایک عدد طاق بھی ہو جائے اور جفت بھی بلکہ طاق ہو گا تو جفت نہ ہو گا اور جفت ہو گا تو طاق نہ ہو گا۔ ۱۲ ج

کے اندر تالی قضیہ منفصلہ ہے۔

قضیہ مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو کی اور بھی تعریفات کتب منطق میں پائی جاتی ہیں ان کا بیان ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں کریں گے یہاں صرف چند مثالوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا" واما کفورا' "ہم نے اس کو راہ سجھائی یا حق مانتا ہے یا ناشکری کرتا ہے" ربھم اعلم بھم ان یشا یرحمھم او ان یشا یعذبھم دونوں قضایا متصلہ سے جو قضیہ منفصلہ بنا' وہ حقیقیہ ہے۔ کیونکہ رحمت و عذاب کے سوا اور کوئی شق نہیں۔

صاحب کتاب نے عدد کی مثال دی اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ ثلث ربع یا ڈیڑھ وغیرہ نہ جفت ہیں نہ طاق اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عدد نہیں بلکہ کسر ہیں (جس کی جمع کسور ہے)

مانعۃ الجمع وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شے کے اندر موجود تو نہ ہو سکیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شے ایسی ہو کہ اس میں مقدم اور تالی دونوں نہ ہوں جیسے یہ شے یا درخت ہے یا پتھر دیکھو ایک شے درخت اور پتھر نہیں ہو سکتی ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی شے نہ درخت ہو نہ پتھر جیسے انسان و فرس۔

مانعۃ الجمع کی مثال : فمثلہ کمثل الکلب اِنْ تَحْمِلْ علیہ یلھث او تترکہ یلھث "اس کا حال کتے جیسا ہے' اگر اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور اگر چھوڑ دے تو ہانپے"

دونوں شرطیہ متصلہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں دونوں کا نہ ہونا ممکن ہے وہ اس طرح کہ کلب کو باندھ لے۔ واللہ اعلم

دوسری مثال : کفارہ قسم کے بیان میں فرمایا فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ "سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو یا گردن آزاد کرنا" ان تینوں کو کفارہ سمجھ کر جمع کرنا منع ہے۔ البتہ خلو جائز ہے وہ اس طرح کہ ان میں سے کسی کی طاقت نہیں رکھتا' اس وقت روزے رکھے۔ ارشاد ہے فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام "جس کو میسر نہ ہو تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے"

مانعۃ الخلو وہ قضیہ منفصلہ ہے جس کے مقدم اور تالی ایک دم سے ایک شے سے علیحدہ تو نہ ہو سکیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مقدم اور تالی ایک شے کے اندر جمع ہو جاویں جیسے [۱] زید پانی میں ہے یا ڈوبنے والا نہیں ہے دیکھو یہ دونوں [۲] باتیں ایک دم سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں [۳] کہ زید پانی میں نہ ہو اور ڈوب جائے ہاں دونوں جمع ہو سکتی ہیں کہ پانی میں ہو اور ڈوبے نہیں بلکہ تیر رہا ہے۔

پانی سے مراد بہنے والی چیز (مائع) ہے کیونکہ پیٹرول وغیرہ میں بھی آدمی ڈوب سکتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حاشیہ کے اندر ایک اور مثال ذکر کی ہے کہ ہر شے یا تو غیر شجر ہے یا غیر حجر ہے قرآن کریم سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کذلک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون "اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو رسول آیا، اس کو انہوں نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ" منع خلو کے لیے ہے کیونکہ کفار کے نزدیک انبیاء علیہم السلام میں ان کا اجتماع منع نہیں واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون "اور جب ماپ کر دیں یا تول کر تو گھٹا دیں گے" اس کے اندر کَالُوْا اور وَزَنُوْا منع خلو کے لیے ہے دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ "چھڑانا گردن کا یا کھلانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہو یا محتاج کو جو خاک میں رل رہا ہو" اس کے اندر فک رقبۃ او اطعام کا اجتماع مضر نہیں اور نہ ہی یتیما ذا مقربۃ اور مسکینا ذا متربۃ کا اجتماع مضر ہے۔

---

[۱] اس سے آسان مثال یہ ہے کہ ہر شے یا تو غیر شجر ہے یا غیر حجر ہے۔ سو ایسی کوئی چیز نہیں نکل سکتی جو نہ غیر شجر ہو اور نہ غیر حجر ہو۔ ان میں سے ایک ضرور ہوگی اور یہ ہو سکتا ہے کہ غیر شجر بھی ہو اور غیر حجر بھی چنانچہ عالم بھر میں اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک تو حجر ایک شجر ایک ان دونوں کے علاوہ۔ پس حجر پر تو غیر حجر صادق نہیں آتا لیکن غیر شجر صادق آتا ہے اور شجر پر غیر شجر صادق نہیں آتا لیکن غیر حجر صادق آتا ہے۔ اور بقیہ اشیاء پر غیر حجر بھی صادق آتا ہے اور غیر شجر بھی۔ خوب سمجھ لو۔ ۱۲ شف [۲] یعنی پانی میں ہونا اور ڈوبنا ۱۲ ج [۳] اس طرح کہ پہلی بات پانی میں ہونا بھی نہ پائی جائے بلکہ میں پانی میں نہ ہونا پایا جائے اور دوسری بات نہ ڈوب جانا بھی نہ پائی جائے بلکہ ڈوب جانا پایا جائے۔ یعنی پانی میں نہ ہوتے ہوئے ڈوب جانا پایا جائے، یہ نہیں ہو سکتا ۱۲ ج

شاگرد: استاد جی لا تطع منھم اثما" او کفورا کے اندر آثم اور کفور میں کیسا انفصال ہے۔

استاد: یہ بھی منع الخلو ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی پیروی نہ کرنا اور اگر دونوں ہوں تو بدرجہ اولی اجتناب کرنا ہو گا۔ یہ مقصد تو نہیں کہ ایک کی پیروی نہ کرنا دونوں کی کرلینا۔ مگر اس کو قضیہ منفصلہ نہیں کہیں گے کیونکہ انشاء ہے اسی طرح یہ مثال کونوا ھودا" او نصاری قضیہ نہیں ہے۔

شاگرد: استاد جی ان تینوں قضایا کے جاننے سے کیا غرض ہے؟

استاد: انفصال کا معنی بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک جز پایا جائے گا لیکن ان قسموں کے جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ انفصال کی اور صورتیں بھی ہیں۔ کبھی صرف کوئی ایک پایا جائے گا اور دوسرا نہ پایا جائے گا۔ وہ حقیقیہ ہے۔ کبھی باجود انفصال کے دونوں پائے جاسکتے ہیں کم از کم یہ ہے کہ ایک تو ہو اس کو مانعۃ الخلو کہتے ہیں کبھی یہ ہے کہ دونوں اکٹھے پائے نہیں جاسکتے یا ایک پایا جائے گا یا دونوں ہی نہ ہوں گے اس کو مانعۃ الجمع کہتے ہیں۔ تو انفصال کی ان قسموں کو جاننے سے انسان بہت سے مغالطوں سے بچ جاتا ہے۔

تدریب

س (۱) ذیل کے لکھے ہوئے قضیوں میں بتاؤ کہ ہر قضیہ کون سی قسم کا ہے شرطیہ یا حملیہ اور شرطیہ کی کون سی قسم ہے متصلہ یا منفصلہ اور اسی طرح حملیہ اور متصلہ و منفصلہ کی کون سی قسم ہے؟

اگر یہ شے گھوڑا ہے تو جسم ضرور ہو گا۔ یہ شے گھوڑا ہے یا گدھا' یہ شے یا تو جاندار ہے یا سپید ہے۔ اگر گھوڑا ہنہنانے والا ہے تو انسان جسم ہے۔ زید عالم ہے یا جاہل ہے' عمرو بولتا ہے یا گونگا ہے' بکر شاعر ہے یا کاتب' زید گھر میں ہے یا مسجد میں' خالد بیمار ہے یا تندرست ہے' زید کھڑا ہے یا بیٹھا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اگر رات ہو گی تو سورج نکلا ہو۔ اگر سورج نکلے گا تو زمین روشن ہو گی۔ اگر وضو کرو گے تو نماز صحیح ہو گی' اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرو گے تو جنت میں جاؤ گے' آدمی نیک بخت ہے یا بدبخت

س (۲) قضیہ شرطیہ سے حملیہ کیسے بنائے جاسکتے ہیں بمعہ مثال ذکر کریں۔

س (۳) العدد اما زوج او فرد میں شرط کا معنی یا لفظ نہیں ہے پھر اس کو قضیہ شرطیہ کیوں کہا جاتا ہے ؟

س (۴) دو جملوں کی اور کئی صورتیں ہیں لیکن منطقی صرف متصلہ اور منفصلہ کیوں ذکر کرتے ہیں ؟

س (۵) قضیہ شرطیہ میں شرط موخر ہو سکتی ہے یا نہیں بمعہ مثال پیش کریں

س (۶) ادوات شرط میں سے کون کون سے کلمات ہیں جن سے قضیہ شرطیہ نہیں بلکہ حملیہ بنتا ہے بمعہ مثال بیان کریں۔

س (۷) اگر مقدم یا تالی میں نفی موجود ہو تو کیا وہ قضیہ شرطیہ سالبہ ہو گا یا نہیں اور کیوں ؟

س (۸) لَیْتَ لِیْ مَالًا فَاُنْفِقَ منه نیز اَکْرِمْنِیْ اُکْرِمْکَ کے اندر فَاُنْفِقَ مِنْهُ اور اُکْرِمْکَ سے شرطیہ کیسے بنے گا۔

س (۹) اگر پانی سرد ہے تو آگ گرم ہے یہ قضیہ اتفاقیہ ہے کیا اس کی کوئی علت نہیں ہے۔

س (۱۰) مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا فرق بیان کر کے یہ لکھیں کہ غیر اللہ سے مافوق الاسباب استمداد شرک کیوں ہے ؟

س (۱۱) پیروں سے اور ڈاکٹروں سے مدد ماننے میں کیا فرق ہے بیان کریں ؟

س (۱۲) جب آگ جلا کر راکھ کر دیتی ہے تو جہنمی زندہ کیسے رہیں گے ؟

س (۱۳) تقدیر اور تشریع میں کیا فرق ہے ؟ جو لوگ گناہوں میں تقدیر کو بطور بہانہ پیش کرتے ہیں ان کی غلطی کیا ہے۔

س (۱۴) مسئلہ تقدیر کے استہزاء کا کیا انجام ہے ؟

س (۱۵) حیات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مرزائیوں کا نزاع ان کے اصل دعوی کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟

س (۱۶) غیر مقلدین کا فقہ پر اور بریلویوں کا اعتراض کرنا علماء دیوبند کی نا مکمل عبارات پر کیا ان کے مذہب کو سچا کر سکتا ہے یا نہیں اور کیوں ؟

س (۱۷) شیطان اور ملک الموت کے علم پر آنحضرت ﷺ کے علم کو قیاس کرنا درست ہے یا نہیں اور کیوں ؟

س (۱۸) براہین قاطعہ پر اعتراض کا جواب منطقی طور پر ذکر کریں ؟

س (۱۹) کیا کائنات کا سارا نظام اتفاقی ہے یا لزومی؟ واضح کریں ؟

س (۲۰) حیاۃ النبیؐ کا اعتقاد شرک ہے یا نہیں اور کیوں؟

س (۲۱) کوئی ایسی صورت پیش کریں جس سے واضح ہو کہ اللہ کے سوا سب عاجز ہیں

س (۲۲) جنت میں داخلہ کی اصل علت کیا ہے اور ظاہری سبب کیا؟ بمع دلیل

س (۲۳) کیا نیک اعمال نجات کی علت ہیں یا نہیں نیز پھر ان کا فائدہ کیا ہے؟

س (۲۴) انسان کے اعمال کی دو قسمیں کون سی ہیں؟ کس پر جزا و سزا کا مستحق ہے اور کس پر نہیں؟

س (۲۵) اللہ تعالیٰ بندے کو سزا دے' یہ عدل ہے اور بخش دے' یہ فضل ہے۔ اس کی وضاحت کریں

س (۲۶) ہر چیز مقدر ہے تو دوائی کا کیا فائدہ؟

س (۲۷) مسئلہ تقدیر کے بارہ میں امام طحاوی کی رائے پیش کریں

س (۲۸) چند ایسے اتفاقیات پیش کریں جن کو مفسد لوگ بطور لزومیہ کے پیش کرتے ہیں

س (۲۹) اس بات کی دلیل پیش کریں کہ فریق مخالف شیطان کو نبی علیہ السلام سے زیادہ جگہ حاضر ناظر مانتا ہے

س (۳۰) کیا ابلیس خود سب انسانوں کو گمراہ کرتا ہے؟ کیا ملک الموت خود سب انسانوں کی ارواح قبض کرتے ہیں؟

س (۳۱) اگر صحابہ کرامؓ سنت نبوی سے ناواقف رہے تو کیا ہمیں علم ہو سکتا ہے؟

س (۳۲) قضیہ منفصلہ عنادیہ اور اتفاقیہ کی تعریف کریں اور قرآن پاک سے مثالیں ذکر کریں

س (۳۳) کوئی مثال ذکر کریں کہ ایک قضیہ اتفاقیہ بھی بن سکے اور عنادیہ بھی

س (۳۴) کوئی ایسا قضیہ منفصلہ ذکر کریں جس میں تین اجزاء ہوں

س (۳۵) قضیہ حقیقیہ' مانعۃ الجمع' مانعۃ الخلو کی تعریفیں ذکر کریں اور قرآن کریم سے مثالیں پیش کریں

س (۳۶) ان تینوں قضایا کے جاننے کا فائدہ بتائیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پہلا حصہ مکمل ہوا۔ ________